تاریخ انسانی کی خوش نصیب ترین و عظیم ترین ماں سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا

والدۂ ماجدہ

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

نام کتاب	والدہ ماجدہ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ
مصنف	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
تاریخ اشاعت	اپریل 2007ء
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	1Z 354
قیمت	-/165 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مندرجات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب کہانی

ہر کتاب کی ایک کہانی ہوتی ہے جو ہمیشہ سننے سنانے اور سمجھنے سمجھانے کے قابل ہوتی ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ہر کتاب اپنی ذات میں ایک کہانی ہوتی ہے جسے پڑھنا سمجھنا پڑتا ہے یا پڑھانے سمجھانے کی ضرورت ہوا کرتی ہے، اسی لئے ہر مصنف اپنی کتاب کا مقدمہ یا دیباچہ لکھنا ضرور خیال کرتا ہے اس سے کتاب کی کچھ نہ کچھ پہچان بھی ہو جاتی ہے اور صاحب کتاب اور قاریٔ کتاب کے درمیان ایک تعلق بھی پیدا ہو جاتا ہے جو بیک وقت مصنف اور قاری دونوں کے لئے افادیت کا حامل ہوتا ہے مگر یہ کتاب مستطاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے اس کی کہانی ذرا خاص قسم کی ہے جو ایک پس منظر بھی رکھتی ہے اس لئے یہ کتاب کہانی آپ کی توجہ اور اہتمام کی بھی مستحق ہے۔

یوں تو سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں کو ہمارے اہل علم اور سیرت نگاروں نے اجاگر کیا ہے اور اس میں اپنے اور غیر سب شامل ہیں چنانچہ اس وقت دنیا میں جس ہستی کے حوالے سے سب سے زیادہ لکھا گیا ہے یا لکھا جا رہا ہے وہ صرف ہمارے رسول اکرم سیدنا مصطفیٰ ﷺ ہی ہیں! آپ کی ازواج و بنات اور آپ کے اہل بیت و اصحاب رضی اللہ عنہم پر اجتماعی اور انفرادی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن ایک ہستی ایسی بھی ہیں جن کے ساتھ ہمارے اہل قلم نے انصاف نہیں کیا اور وہ ہیں رسول اعظم و آخر ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا! ان کا تذکرہ تو کتب تاریخ و سیرت میں ملتا ہے مگر ضمنی اور سرسری انداز میں حالانکہ ان کا مرتبہ اور مقام بلند مفصل و مستقل ذکر کا متقاضی تھا۔ اس غفلت اور چشم پوشی کے اسباب مذہبی ہوں یا سیاسی جو کچھ بھی تھا نہایت الم ناک اور افسوسناک ہے! سیدہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا وہ اکثر و بیشتر ان کے بلکہ دونوں والدین کریمین سلام اللہ علیہا

کے ایمان اور بخشش کے حوالے سے علم الکلام کا مسئلہ بنا کر لکھا گیا یعنی یہ کہ مومن تھے یا نہیں جنت میں ہیں یا نہیں۔ میری رائے۔ یہ رائے میرا حاصل مطالعہ ہے، میں کلامی و فقہی انداز میں جتنی خشک بحثوں میں پڑ کر بال کی کھال اتاری گئی ان سب میں سب سے المناک، بالکل بے جا اور بلا سبب بحث یہی تھی اور مجھے یہ یقین ہے کہ اس میں دشمنان و حاسدین مصطفیٰ ﷺ کا بڑا شرمناک کردار ہے مگر افسوس تو ان علماء پر ہے جو اس بحث میں حد سے بڑھ گئے مگر حالات و سیرت کو فراموش کر دیا گیا۔ لوگ ان کے ایمان اور مغفرت کے قصے لے بیٹھے اور عجب عجب جسارتیں فرماتے رہے مگر ان کی سیرت اور شخصیت کو موضوع بنانے کی تکلیف کسی نے نہ فرمائی۔ ایک مصری خاتون سکالر ڈاکٹر عائشہ نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے ادیبانہ افسانوی اسلوب میں ام النبی ﷺ کے عنوان سے ساٹھ ستر صفحات پر مشتمل ایک مختصر سی کتاب لکھی باقی درجنوں بلکہ بیسیوں کتابوں اور رسالوں کا موضوع یہی رہا کہ ایمان تھا یا نہیں اور جنت میں ہیں یا نہیں، والعیاذ باللہ! راقم نے بھی چند سال پہلے پونے دو سو صفحات پر مشتمل ایک نہایت مختصر سی کتاب بعنوان "سیدہ آمنہ" سلام اللہ علیہا تحریر کی تھی جس کی کئی ایک طبعات سامنے لائی گئیں اور محبان و عاشقان مصطفیٰ ﷺ نے انہیں بنظر استحسان دیکھا اور پسند کیا، مگر اس میں سیدہ کی سیرت و شخصیت کے بہت سے پہلو رہ گئے تھے، ایک کمی تو یہ تھی کہ عجلت میں حوالے اور حواشی درج ہونے سے رہ گئے، دوسرے یہ کتاب بہت مختصر اور ادھوری سی لگی تاہم یہ کمی دور کرنے کی نہ صرف آرزو تھی بلکہ تکمیل کا عزم بالجزم تھا جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق سے پورا ہوا۔ فالحمد للہ اولاً و آخراً۔

اس کتاب کا اصل موضوع تو ظاہر ہے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی سیرت و شخصیت ہے مگر اس میں ضمنی طور پر حضرت عبداللہ الذبیح بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی سیرت کا اجمالی خاکہ بھی ہے، قبائل بنو زہرہ اور بنو ہاشم کے ملاپ کا ذکر بھی ہے، اس کے علاوہ دو ابتدائی تمہیدی ابواب بھی ہیں جن میں سے ایک نبوت و رسالت کا نظام ربانی ہے اور دوسرے

باب کا موضوع رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے نکھرتے، چمکتے، پھلتے پھولتے اور پھیلتے ہوئے عالمگیر پیغام حق کا نقشہ ہے جو لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ "تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے" کا مظہر ہے اور یہ سب اضافی حقائق اس لئے ہیں کہ اس کتاب کا اصلی اور حقیقی مقصد سیدنا مصطفیٰ ﷺ کی عظمت، رفعت اور آپ کی دعوت کی اشاعت سے آگاہی ہے، یہ تو ہم سب جانتے اور مانتے ہیں کہ سیدہ آمنہ کی پاکیزہ سیرت اور پیاری شخصیت بھی دراصل سیرت مصطفوی کا اولین اور تابناک باب ہی ہے بلکہ وہ بنیاد ہے جس پر سیرت و اخلاق نبوی کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہوتی ہے اس لئے یہ کاوش بھی سیرت طیبہ کا حصہ ہے اور اس کا شمار بھی کتب سیرت پاک میں ہی ہوگا۔

یہ حقیقت بھی اٹل ہے کہ اللہ کے تمام نبیوں کی شرع اور دین بھی از ابتدا تا انتہا ایک ہی ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کے سامنے سر جھکانے کا نام ہے اور یہی لفظ "اسلام" کے معنی ہیں جو اب ایک اصطلاحی نام قرار پاچکا ہے اواس پر قرآن گواہ ہے۔(سورۂ شوریٰ آیت 13) اس لئے آپ بھی ان انبیائے کرام میں سرفہرست ہیں جنہیں قرآن کریم (سورۂ احقاف آیت 35) اولوالعزم یا فیصلہ کن عزیمت والے اور عظیم وجلیل رسول کہتا ہے لہٰذا نہ صرف سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا ذکر پاک تمام امہات انبیاء کے ہم پلہ ہے بلکہ آپ کے دونوں والدین کریمین سلام اللہ علیہما کے ساتھ ساتھ دیگر منتخب انبیائے کرام کے آباء و امہات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے تا کہ مقام مصطفیٰ ﷺ کے واضح تعین کے ساتھ ساتھ آپ کے والدین کریمین کا مرتبہ و مقام بھی نمایاں طور پر معلوم ہو جائے، اس لئے چار اولوالعزم انبیاء، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے والدین کریمین کا تذکرہ بھی وقت اور موقع کا تقاضا ہے۔

جس طرح دیگر انبیائے کرام کے والدین کا طیب و طاہر اور تمام آلائشوں سے پاک ہونا ہمارے، اہل السنت والجماعت کے عقیدہ کا لازمی حصہ ہے(جیسے مثلاً قرآن کریم میں مذکورہ بت گر و بت پرست آزر کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا والد نہیں مانتے بلکہ

تاویل کر کے اسے ان کا چچا مانتے ہیں تا کہ جد الانبیاء موحد اعظم ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے والد گرامی کو طیب وطاہر اور تمام آلائشوں سے پاک دیکھ سکیں!!) اس لئے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے والدین کریمین بھی طیب وطاہر اور تمام آلائشوں سے پاک ہیں! اللہ تعالیٰ کے ان دونوں نیک بندوں کا عین شباب میں جہان فانی سے رخصت ہو کر اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں پہنچ جانا بھی اسی پاکیزگی، طہارت اور معصومیت کا اشارہ دیتا ہے آپ کے والد گرامی حضرت عبد اللہ الذبیح رضی اللہ عنہ پاک طینت، پاک باز اور بلند کردار قریش کے حسین وجمیل نوجوان تھے، ان سے کوئی برائی ہرگز ثابت نہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی طرح "ذبیح اللہ" قرار پانے کا شرف بخشا اور سو اونٹ آپ کا فدیہ تھا، اس لئے تو رسول اکرم ﷺ خوشی سے فرمایا کرتے تھے کہ انا ابن الذبیحین " میں دو ذبیحوں، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا فرزند ہوں"۔ والدین کریمین کا تعلق زمانہ فترت سے ہے اور نہ انہیں دعوت نبوی پہنچی ہے اور نہ ان سے جحود وانکار ثابت ہے بلکہ اس بات کے بھی شواہد موجود ہیں کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے تمام آلائش شرک سے کنارہ کشی اختیار فرماتے ہوئے مسلک حنیفیت وتوحید پرستی اپنا لیا تھا اور ان کے حکم سے خانوادۂ بنو ہاشم کی غالب اکثریت (سوائے ابولہب کے) مسلک حنیفیت اور دین ابراہیمی پر عمل پیرا ہو گئی تھی اور کم سے کم سیدنا عبد المطلب اور سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا تو ان ہاشمیوں میں سرفہرست ہیں جو نہ صرف شرک سے تائب ومتنفر تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل ہی ان کی نبوت پر ایمان لا چکے تھے!

راقم کا عزم یہ ہے اور بعض ایسے اہل علم نے اس کا مشورہ بھی دیا ہے۔ جو خود بھی سیرت نگاری اور حب مصطفیٰ ﷺ میں بلند مقام پر ہیں اور جن کا مشورہ میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے، کہ ذبیح ثانی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی سیرت وشخصیت پر بھی ایک مستقل کتاب لکھی جائے لیکن کام کا آغاز سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا سے کرنا پڑا اور اس کی کئی ایک

وجوہات ہیں، سرفہرست یہی وجہ ہے کہ ماں کی حیثیت سے انہوں نے زیادہ مشقت اور تکالیف برداشت کیں، عملی تربیت، رہنمائی اور نصیحت و خیر خواہی سے اپنے لخت جگر کی رحمۃ للعالمینی کو پختگی وجلا بھی بخشی مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا منشا بھی ماں کو مقدم رکھنا معلوم ہوتا ہے، نیز خود سیدنا مصطفیٰ ﷺ کا حکم بھی یہی ہے کہ "سب سے پہلے ماں!!" اس لئے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا سے بات کا آغاز کیا گیا!!۔

یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اولاد کی پرورش، نشو و نما، سیرت سازی اور تعمیر شخصیت میں ماں کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے جب کہ اس باب میں والد کا کردار ثانوی درجہ میں آتا ہے اور باپ کی نگرانی و سرپرستی کے مراحل بھی بعد ہی میں آتے ہیں، اس کے مقابلے میں ماں کا کردار اولین مراحل سے شروع ہو جاتا ہے اور زیادہ اہم ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ مؤثر و خوشگوار لیکن مشکل بھی ہوتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام عظیم المرتبہ، جلیل القدر اور اولوالعزم انبیائے کرام کی پرورش اور سیرت سازی میں بھی والد کی نسبت والدہ کا کردار ہی اہم اور نمایاں رہا ہے، اس ضمن میں ان اولوالعزم نبیوں کی امہات طیبات کا کردار تو ناقابل فراموش ہے مگر ان کے آبائے طاہرین کا کردار نہ ہونے کے برابر نظر آتا ہے! ان عظیم و جلیل رسولوں کی مقدس ماؤں کے سبق آموز، شفقت آمیز، رحمت سے لبریز اور انتہائی پرسوز و عظیم الشان کردار کی بدولت اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے اپنے اپنے عہد طفولت کے مرحلے سے بحسن و خوبی گزرے اور وہ بہترین تربیت سے سرفراز ہوئے، ان کی جسمانی کے ساتھ ساتھ ذہنی اور دماغی تربیت کے تمام بشری پہلو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنی مثالی سیرت و کردار کی مالک ماؤں کی شفقت بھری گود اور زہد و تقویٰ کی آئینہ دار نگاہ مشفقانہ و کریمانہ کے طفیل سنور سنور گئے اور وہ نبوت و رسالت کا بار امانت اٹھانے کے مرحلے میں پہنچ گئے کیونکہ اس میدان عمل میں دو چیزیں درکار ہوتی ہیں قوت و امانت اور موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی طرح قوی اور امین بننا ان مقدس ماؤں کے حسن تربیت کا مرہون منت رہا ہے! رہے ان کے آبائے کرام تو ان میں سے کسی کی تربیت جسمانی اور ذہنی نشو و نما

میں ان کا کوئی کردار تاریخ میں مذکور نہیں، سوائے اس کے کہ والد ذبیح اللہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے فیضان نظر کا انکار ناممکن ہے اور وہ بھی بقول اقبال یوں تھا کہ

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی؟

لیکن رسول اعظم و آخر ﷺ کی شخصیت میں یہ قوت و امانت ودیعت کرنے میں تو امانت کے اسم بامسمی سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا کردار سب پر فوقیت اور امتیاز رکھتا ہے تاریخ انسانی کی اس عظیم ترین اور خوش نصیب ترین ماں نے تو اپنے در یتیم اور نبوت و رسالت کے عظیم ترین گوہر تابدار کی پرورش، حفاظت اور خیر خواہی میں سب پر سبقت حاصل کر لی ہے، اپنے لخت جگر کی سیرت سازی اور روشن مستقبل کے لئے بیمثال و بے نظیر کردار ادا کرتے ہوئے اپنا سکھ چین اور تن من دھن قربان کر دیا! جواں سال و حسرتناک بیوگی کے باوجود جس صبر و ہمت اور ہمہ وقت بیدار نگاہ شفقت سے اور انتہائی ایثار و ہمدردی کے ساتھ اپنے عملی کردار کو مؤثر و کامیاب بنایا وہ بلاشبہ بے مثال و بے نظیر ہے اور اس کا ثبوت وہ مکارم اخلاق و محاسن اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نظام ربانی کے بعد صرف سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی شفقت بھری نگاہ کریمانہ اور مادرانہ ایثار و ہمدردی کے مرہون منت ہیں، یہ ماں کی نظر شفقت تھی جس کے طفیل مسبب الاسباب رب جلیل نے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کے منصب پر فائز فرمایا، اسوہ حسنہ میں بھی سیدہ آمنہ کی جھلک ضرور نظر آئے گی اور یہ ماننا پڑے گا کہ ماں کی خدمت کو سب پر مقدم رکھنے کا حکم دینے والے اور جنت کو ماں کے قدموں میں تلاش کرنے کی تلقین فرمانے والے رسول اعظم و خاتم ﷺ کو اپنی سراپا رحمت اور مجسم شفقت والدہ ماجدہ سے جو کچھ میسر آیا اس نے ان کی سیرت سازی اور تعمیر شخصیت میں بنیادی کردار ادا کیا ایک ایسا کردار جسے لجپال مصطفیٰ ﷺ کبھی بھی فراموش نہ کر سکے اور ابواء کے مقام پر مزار آمنہ کو سنوارتے، انہیں یاد کر کے روتے اور اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رلاتے رہے یہ تھی ہمارے آقا ﷺ کی قدر دانی و

احسان شناسی جس نے ماں کے مرتبہ کو فرش سے عرش پر پہنچا دیا اور یہ احسان ہے سیدہ آمنہ کا۔ تاریخ کی عظیم ترین اور خوش نصیب ترین ماں کا۔ ماں کی ممتا پر اور امت کی ماؤں کو یہ احسان پہچاننا اور ماننا ہے!!

ان سب باتوں کا معقول تقاضا یہ بھی ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کو اپنی سراپا ایثار و شفقت ماں سے پیار ہو اور دل میں ان کا احترام ہو چنانچہ ہمارے آقا ﷺ نے اپنی عظیم ترین ماں سے قلبی لگاؤ اور پیار کا عملی ثبوت یوں دیا کہ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کے پتھر درست فرمائے اور آتے جاتے اپنے مجاہد صحابہ کرام کے ہمراہ مقام "ابواء" سے گزرتے ہوئے اکثر اوقات ماں کی قبر کی زیارت فرمائی! خدانخواستہ اور معاذ اللہ! معاذ اللہ! یہ کسی قسم کی قبر پرستی ہرگز نہ تھی بلکہ احسان شناسی کا عملی ثبوت تھا! تاریخ کی عظیم ترین ماں کا فرزند ارجمند تاریخ انسانی کا سب سے بڑا انسان، اول و آخر رسول حق ﷺ اپنی ماں کی یادوں کو تازہ کر رہا تھا! یہ بات آقا ﷺ کو معلوم تھی اور خاندان والوں کی زبانی بار ہا سن چکے تھے کہ ظہور قدسی کے موقع پر سیدہ آمنہ بنت وہب کی خوشیاں انہیں بلندیوں کے کس آسمان پر لے گئی تھیں جب ان کا لخت جگر پیدا ہوا تھا اور انہوں نے اپنے محترم سسر اور رشتہ میں سالے عمرو العلاء ہاشم کے بیٹے عامر شیبۃ الحمد عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو خوشخبری سنا کر بیت اللہ شریف سے بلوا بھیجا تھا اور نہایت بے تکلفانہ اور پر مسرت لہجے میں فرمایا تھا:

ابوالحارث! دیکھیے یہ آپ کا پوتا کیسا انوکھا اور کتنا عجیب بچہ ہے!

اور انہوں نے پوچھا تھا:

انوکھا اور عجیب بچہ! ارے اس کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان تو ہیں نا؟!

سیدہ آمنہ کا جواب تھا:

نہیں ابوالحارث ایسی تو کوئی بات نہیں! بس یہ ہے کہ یہ جب پیدا ہوا تو ماتھا زمین پر اور شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھی نظر آئی تھی اور جب یہ میری دنیا میں آیا تو میرا گھر نور علی نور ہو گیا اور میری دنیا روشن ہو گئی۔

سردار قریش اور قائد بنی ہاشم حضرت عبدالمطلب نے کہا تھا:

بہو! فکر کی کوئی بات نہیں! یہ تو میرا "محمد (ﷺ)" پیدا ہوا ہے جس کی انوکھی شان ہو گی اور وہ ایک ایسی منزلت پائے گا جو نہ پہلے کسی عربی کو نصیب ہوئی ہے اور نہ آئندہ نصیب ہو گی......!

سیدہ آمنہ کی آنکھوں میں چمک آ گئی اور کہنے لگیں:

ابوالحارث! یہ تو میرا "احمد" ہے مجھے تو ہاتف غیبی نے یہی نام بتایا تھا......

اور عبدالمطلب نے خوشی اور اعتماد سے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا:

ہاں بہو! تیرا احمد ہی تو میرا محمد (ﷺ) بھی ہے!

والدہ اور دادا کی یہ خوشیاں سن سن کر قلب مصطفیٰ پر نقش ہو گئی تھیں، پھر انہیں یہ بھی یاد تھا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کا فرزند ارجمند مکہ مکرمہ کی جن گلیوں میں گھومتا پھرتا تھا ان کی خاک آمنہ بنت وہب کی آنکھوں کا کاجل تھا، وہ کبھی اپنے لخت جگر کو اکیلا نہیں چھوڑتی تھیں بلکہ ہمیشہ انہیں اپنی نگاہ کریمانہ میں رکھتی تھیں!

مصطفیٰ ﷺ کے قلب و ذہن پر سیدہ آمنہ کے مبارک چہرہ کے اضطراب اور مسرت کے وہ ملے جلے جذبات بھی نقش تھے جب بنوسعد کی عورتیں شرفائے مکہ کے فرزندوں کو دودھ پلانے اور کھلی فضا میں تربیت دینے کی تلاش میں آئی تھیں! سیدہ آمنہ کی آرزو تھی کہ ان کا در یتیم باپ والے قرشی بچوں سے پیچھے نہ رہ جائے اور بنوسعد کی کوئی خاتون محمد و احمد ﷺ کو سینے سے لگا لے، یتیم جان کر جب بنوسعد کی قسمت کی کھوٹی ہر عورت در یتیم سے بے رخی اور اعراض کرتی دکھائی دی تو اس وقت سیدہ آمنہ کے دل پر کیا گزری ہو گی؟ غالبا نہیں بلکہ اغلبا صبر و ہمت کے کوہ گراں آمنہ بنت وہب نے اسے سہہ لیا ہو گا مگر ہماری تاریخ اس بارے میں خاموش ہے اور اس نے خاموش ہی رہنا تھا اس لئے کہ حوصلہ و استقلال کے پہاڑ کبھی اف کی آواز بھی نہیں نکالتے۔ ہاں بات بڑی صبر آزما تھی مگر جو پہاڑ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی اور گزر گئی! تاہم حلم و سعادت کا امتزاج حلیمہ سعدیہ کی قسمت جاگ اٹھی تھی، بنوسعد

کی سب عورتیں گوشت پوست سے عبارت قریشی بچے لے گئیں تو حلیمہ نے در یتیم کو سینے سے لگانے کے لئے اٹھالیا اور یوں کونین کی تمام سعادتیں سمیٹ کر ساتھ لے گئیں تو اس وقت بھی سیدہ آمنہ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا ہوگا اور یہ سب کچھ قلب مصطفیٰ ﷺ نے محسوس کیا ہوگا کیونکہ یہ معاملہ کسی تین سالہ عام بچے کا نہ تھا یہ تو اس ہستی کا معاملہ تھا جو پیدائش کے لحاظ سے سب سے پہلے اور ظہور کے اعتبار سے سب سے آخری نبی تھے اور جن کے نور کی تخلیق کائنات کی تخلیق کا نقطہ آغاز تھا رضاعت و تربیت کے لئے بنوسعد میں جانے سے لے کر پانچ چھ سال تک کی عمر میں سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے پاس لوٹائے جانے تک کے واقعات میں سراپا شفقت اور مجسم رحمت ماں کا ہر ہر لفظ، ہر ہر ردعمل اور ہر ہر اقدام حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے قلب و ذہن پر نقش تھا، سیدہ آمنہ فقط ایک ماں نہیں تھیں بلکہ ایثار و اخلاص اور شفقت و ہمدردی کا ایک مجسمہ تھا جس کا کام صرف قربانی، ہمدردی اور اپنے لخت جگر کا مستقبل سنوارنے کی سرتاسر تڑپ تھی۔ بھلا ایسی محسن ماں کی قدر شناسی کو کوئی بیٹا فراموش کر سکتا ہے؟ چہ جائیکہ یہ بیٹا مصطفیٰ ﷺ ہوں جنہوں نے بیٹوں کی تمام سعادتوں کو ماں کی ممتا سے وابستہ کر دیا اور انسانیت کی تمام خیر خواہی اور کامیابی کو ماں کے قدموں میں ڈال دیا!

"ابواء" کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کی درد بھری آہ اور امڈتے ہوئے آنسوؤں کے سیل رواں نے ہمراہی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی رلا دیا تو سوال کے جواب میں یہ جو فرمایا گیا کہ مجھے اپنی والدہ ماجدہ پر ترس آ گیا! تو یہ آہ، آنسو اور یہ ترس کس بات پر تھا؟ یہی نا کہ مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے صبر و ہمت سے اپنے لخت جگر کی پرورش اور تربیت فرماتی رہیں اور اس حال میں ایک جواں سال بیوہ اپنے جواں مرگ شوہر سے جا ملیں! اگر آج زندہ ہوتیں اور اپنے لخت جگر کو تاج ختم نبوت سجائے مدینہ منورہ کی نوزائیدہ اسلامی ریاست کی سربراہی کرتے ہوئے دیکھتیں تو قلب و نظر کی ٹھنڈک کا سامان ہوتا اور اپنے اس خواب کی تعبیر بھی دیکھتیں جو انہوں نے پیدائش سے پہلے ہی اپنے فرزند ارجمند کے متعلق

دیکھا تھا اور جس خواب کا تذکرہ آپ دعائے خلیل اور نوید مسیح علیہما السلام کے ساتھ ملا کر فرمایا کرتے تھے! اس وقت آقا ﷺ کو یثرب سے واپسی اور ابواء میں والدہ ماجدہ کی وفات حسرت آیات کا منظر تو ضرور یاد آیا ہوگا۔ جب ام ایمن کی زبانی یہود کے برے ارادوں کا علم ہوتے ہی سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہو گئی تھیں اور پھر ابواء کے مقام پر دم واپسیں اپنے جگر گوشے کے لئے نیک تمناؤں، دعاؤں اور نصائح کے ساتھ رخصت ہوئی تھیں! یہ سب کچھ ہر نیک بیٹے کو اپنی محسن ماں پر ترس کھانے، آہیں بھرنے اور آنسو بہانے پر مجبور کر دیتا ہے پھر یہ نیک بیٹا اگر محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہوں تو پھر تو احسان شناسی اور محسن نوازی کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے! آقا ﷺ کا یہ منظر ہمدردی و احسان شناسی ہمیں ایک سچے عاشق رسول علامہ محمد اقبال کے ماں کے لئے احساس غم اور تعبیر جذبات تشکر کی یاد دلاتا ہے جنہوں نے اپنی والدہ محترمہ کی یاد میں فرمایا تھا کہ:

کس کو اب ہو گا وطن میں میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار؟
خاک مرقد پر تری لے کے یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا؟
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی!!

مسلم طور پر تاریخ انسانی کے سب سے بڑے آدمی جو بقول اقبال اول بھی تھے اور آخر بھی ہیں، ظاہر بھی ہیں باطن بھی اور جو رسول اعظم بھی ہیں اور نبی خاتم (ﷺ) بھی، ان

کے پاک اور مبارک سینے کی گہرائی سے اٹھنے والی یہ آہ جو ابواء کے مقام پر اپنی محسن اور شفیق ماں، تاریخ انسانی کی خوش نصیب ترین و عظیم ترین ماں، کے غم میں اور سفر کی بے سروسامانی میں ان کی وفات کے منظر پر ترس کھاتے ہوئے اور از راہ ہمدردی دل سے بلند ہوئی تھی وہ ایک آہ ان تمام آہوں سے برتر، زیادہ اثر انگیز اور سب سے زیادہ تڑپا دینے والی تھی جو آدم کے تمام نیک و سعادت مند فرزندوں کے دلوں سے اپنی اپنی ماں کے غم اور اس کے دکھوں پر ترس کھاتے ہوئے بلند ہوئی یا قیامت تک ہو گی بلکہ یہ آہ تو ان تمام دل دوز و جگر سوز اور عقیدتوں سے لبریز مرثیوں سے بھی زیادہ رقت آمیز و پرسوز تھی جو اقبال جیسے ماں کے فرماں بردار و غمخوار فرزند شاعروں نے اپنی امہات طیبات کی قدر کرتے ہوئے بلند کیں یا کرتے رہیں گے!!

اور وہ آنسو جو چشم مصطفیٰ ﷺ سے امڈ آئے تھے اور جنہوں نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وفادار و غمخوار آنکھوں کو رونے اور آنسو بہانے پر مجبور کر دیا تھا وہ مصطفوی آنسو بھی اللہ کے نزدیک ان تمام آنسوؤں سے برتر، زیادہ رقت انگیز اور زیادہ جاں سوز تھے جو تمام سعادت مند ابنائے آدم نے اپنے خلوص و وفا کی ترجمانی کے لئے اپنی اپنی محسن و شفیق ماں کے دکھوں پر ترس کھاتے ہوئے بہائے یا قیامت تک بہائیں گے!

یہ آہ اور یہ آنسو کسی معمولی انسان کے آنسو نہ تھے اور نہ یہ کسی عام قسم کی ماں کے دکھوں پر ترس کا نتیجہ تھے بلکہ یہ آہ اور یہ آنسو تو تاریخ کے مسلم طور پر سب سے بڑے آدمی کی آہ اور آنسو تھے! یہ اس نبی اور رسول ﷺ کے آنسو اور ان کی آہ تھی جو اول و آخر اللہ کے حبیب اور رسول اعظم و آخر ہونے کا شرف رکھتے ہیں اور جنہوں نے ماں کے شرف و احترام کو فرش سے عرش تک بلند کر دیا کیونکہ سیدہ آمنہ کا حسن سلوک اور عظیم الشان کردار ان کے سامنے تھا!

سرزمین حجاز کے ایک مقام "ابواء" کے اس منظر کو ذرا چشم تصور میں لایئے جو آج سے سوا چودہ صدیاں قبل زمانے نے دیکھا اور تاریخ کی عظیم ترین ماں کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تاریخ انسانی کا سب سے بڑا آدمی اپنی ماں سے سرگوشیاں کر رہا تھا اور اپنے دست

مبارک سے ادھر ادھر گرتے سرکتے پتھروں کو درست کر رہا تھا! یہ ایک ایسی جواں سال خاتون کی قبر تھی جو ایک طرف تو اپنے جواں مرگ شوہر کی جدائی میں دل ہی دل میں تڑپتی رہی تھی اور چھ سال تک مسلسل یثرب میں اس قبر کو دیکھنے جاتی رہی تھی جس نے اس کے حسین وجمیل جواں مرگ شوہر کو چھپا رکھا تھا مگر دوسری جانب، حوصلے، ہمت صبر اور استقلال کا کوہ گراں بن کر اپنے قلق واضطراب کو ہمہ وقت اپنے اکلوتے لخت جگر اور در یتیم سے چھپائے رکھا تھا اور اپنی تمام تر توجہات، اپنی تمام تر صلاحیتوں اور اپنی نظر شفقت کو اپنے فرزند عظیم پر مرکوز رکھا تھا تاکہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے اور اسے یتیمی کا احساس تک نہ ہونے پائے۔ اس پختہ یقین وایمان کے ساتھ کہ اس کا یہ ہونہار فرزند عظیم کوئی معمولی قریشی بچہ نہیں بلکہ اس کے سچے خواب کی تعبیر بن کر دعائے خلیل ونوید مسیح کا مظہر و مراد بننے والا ہے! اور اب وہ اپنی ماں کے سچے خواب کی تعبیر بن کر، دعائے خلیل ونوید مسیح علیہما السلام کا حقیقی مظہر اتم اور مراد اولین وآخرین کی حیثیت سے تاج ختم نبوت اور تاریخ انسانی کا بے مثال و بے نظیر اور زندہ و پائندہ نمونہ بننے والی پہلی وآخری حقیقی فلاحی جمہوری شورائی ریاست مدینہ منورہ کا بے تاج بادشاہ ہی نہیں بلکہ شہنشاہوں کا شہنشاہ بھی بن چکا ہے مگر آج اس کے تمام دکھوں کو خندہ پیشانی سے گلے لگانے والی اور اپنے تمام سکھ اس پر نچھاور کر دینے والی محسن وسراپا شفقت ماں اس دن دنیا میں موجود نہیں!

خدا لگتی کہیے کہ ایسے میں احسان شناسی اور لجپال نبی رحمت کو اپنی ماں کے احسانات یاد آئے ہوں گے اور اس کے احسانات کا بدلہ اس کی خدمت کر کے ان احسانات کا بدلہ نہ چکانے کا خیال آیا ہوگا یا شدید احساس ہوا ہوگا اور ایک درد بھری آہ کے ساتھ آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا ہوگا یا یہ معلوم کر کے یہ کیفیت پیدا ہوئی ہوگی کہ عمر بھر تمام آلائشوں سے پاک رہنے والی جواں سال بیوہ اور جواں مرگ ماں جو بعثت سے قبل ہی اپنے در یتیم کی نبوت پر یقین وایمان کا اظہار کرتے ہوئے دم واپسیں اسے دین توحید پر ثابت قدم رہنے کی آخری تلقین کرنے والی ماں کو اللہ تعالیٰ نے بخشا نہیں اور اب وہ کسی ناکردہ گناہ کی وجہ سے معاذ

اللہ معاذ اللہ پکڑ میں آئی ہوئی ہے اور یہ بھی کہ شفیع المذنبین خلق خدا کو بخشوانے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب نبی اپنی اس ماں کو اپنے رب سے بخشوا بھی نہیں سکتا اس لئے خدانخواستہ اپنی بے بسی کی آہ اور امڈتے ہوئے آنسوؤں سے اپنے ساتھیوں کی عظیم وجلیل جماعت کو بھی رلانے اور آنسو بہانے پر مجبور کر دیتا ہے!! مایوسی پر درد بھری آہ نہیں نکلا کرتی اور نہ آنسوؤں کے سیلاب امڈتے ہیں بس چہرے مرجھا جاتے ہیں اور انسانی قوی جواب دے جاتے ہیں اور یہ بات شان مصطفیٰ ﷺ کے خلاف ہے بلکہ اس درد بھری آہ اور ہمدردانہ آنسوؤں کا سبب یہ تھا کہ سیدہ کا خواب پورا ہو چکا تمام عظمتیں اور تمام رفعتیں ان کے فرزند ارجمند کے قدموں میں آچکی ہیں مگر آہ! یہ سب شان وشوکت دیکھنے اور اپنے احسان شناس فرزند سے خدمت لینے کے لئے وہ اس دنیا میں موجود نہیں اور بقول اقبال

میں جب تیری خدمت کے قابل ہوا تو چل بسی!

سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ ایسے میں اپنی محسن ومربی اور سراپا شفقت ورحمت، تاریخ کی عظیم ترین ماں کا احسان شناس وقدردان اور تاریخ انسانی کا مسلم عظیم ترین فرزند اپنی ماں کی تکالیف اور مشکلات یا خدمات جلیلہ کو یاد کر کے اور خود کو اپنی ماں کے سچے خواب کی صحیح تعبیر کی شکل میں پا کر اپنی ماں پر ترس نہیں کھائے گا، درد بھری آہ نہیں نکالے گا اور ہمدردی کے آنسوؤں کا سیلاب نہیں بہائے گا تو اور کیا کرے گا! مگر حیف صد حیف ہے تو ان اہل دانش پر جو والدین کریمین خصوصاً سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے متعلق بھی یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے باز نہ آئے حالانکہ خدا کے یہ نیک و پاک طیب بندے دونوں میاں بیوی جوانی میں ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اور ان سے جاہلیت کی کوئی بات بھی منسوب نہیں بلکہ اس کے برعکس ان کے توحید پرست اور حنیف ہونے اور جاہلانہ رسوم وآلائشوں سے پاک ہونے کے ثبوت بھی ملتے ہیں! نہایت ضعیف روایات اور بے حد موہوم باتوں سے ان نام نہاد دانشوروں نے سیدنا مصطفیٰ ﷺ کی روح اطہر واشرف کو اذیت پہنچا کر اپنی عاقبت برباد کی ہے! یہ بڑے تاسف اور شرمندگی کا باعث ہے کہ مسلم اہل قلم خصوصاً سیرت

نگاروں نے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ انصاف نہیں کیا بلکہ ان کی حق تلفی ہوئی ہے، ملا علی قاری، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ جیسے بزرگوں نے بھی گستاخانہ رویہ اپنایا اور حد سے تجاوز کر گئے جس سے مصطفی ﷺ کی روح پاک کو اذیت پہنچی ہو گی اور عشاق ومحبان رسول اللہ ﷺ کی روح پاک کو تو یقیناً اذیت پہنچی اور ایک ایسی بے نیازی کی سی فضا پیدا ہوئی جس کے باعث سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا صحیح حق ادا ہونے میں تاخیر ہوئی! اب بھی گمراہ لوگ باز آجائیں اور تلافی مافات کی کوشش کرتے ہوئے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے حقیقی مرتبہ ومقام کا اعتراف ہو جائے اور صحیح حقائق جمع کر کے ان کی سیرت پاک اور عظیم شخصیت کو شایان شان اہمیت دی جائے کیونکہ دیگر اولوالعزم وجلیل القدر انبیائے کرام کی امہات طیبات میں تاریخ انسانی کے عظیم ترین رسول اللہ ﷺ کی عظیم ترین ماں کی عظمت وشان کم کرنا دراصل مقام مصطفی ﷺ کو کم کرنے کے مترادف ہے والعیاذ باللہ! جب کہ سیدۂ آمنہ سلام اللہ علیہا واقعی اور حقیقت میں دیگر اولوالعزم نبیوں کی امہات طیبات پر فوقیت رکھتی ہیں!!

سوال یہ ہے کہ ہماری تاریخ نویسی اور سیرت نگاری یا کتب سوانح حیات نے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کو فراموش کرنے یا ان سے اعراض کرنے کی جسارت کیوں اور کیسے کی؟ جب کہ جواں سال بیوہ نے اپنے لال اور در یتیم کی حفاظت، نشوونما، تربیت اور خیر خواہی میں انتہا کر دی تھی! کیا ایک خبر واحد کے ضعیف ترین درجہ کی ایک حدیث (میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہیں!) اتنا حتمی کام کر گئی؟ یا یہ سیاست کا کھیل ہے؟ خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد اموی ملوکیت وآمریت نے شورائی جمہوری مسلم فکر کے ہوش تو نہیں بھلا دیئے تھے؟ حتی کہ اہل علم وقلم بھی آزادی رائے سے محروم کر دیئے گئے! یہ تو ظاہر اور باہر ہے کہ اموی عہد میں باستثنائے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ، وغیرہ، بحیثیت مجموعی حکمران طبقہ اور خوشحال لوگ اسلام کے سماجی انصاف، مساوات، جذبہ اخوت اور وحدت نسل انسانی کے تصور کو تو بھول ہی گئے تھے زمانہ جاہلیت کا قبائلی تعصب وتفاخر عرب وغیر

عرب کا امتیاز اور دین کے بجائے دنیا ہی دنیا کی روش واپس آ گئی تھی حتیٰ کہ صوبوں کے حکام مقامی لوگوں کے قبول اسلام کو بھی ناپسند کرنے لگے تھے کیونکہ اس سے جزیہ وخراج میں کمی واقع ہوتی تھی اور سرکاری خزانہ نہیں بھرتا تھا! ایک ایسے ہی صوبائی حاکم کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سرزنش کے انداز میں فرمایا تھا کہ ''کم بخت! حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور داعی حق بنا کر بھیجے گئے تھے مالیہ اور جزیہ وصول کرنے کے لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے!!'' ایسے میں تاریخی سچائیوں کا دب جانا اور حقائق کا فراموش کر دیا جانا تو آمریت کا معمولی سا شاخسانہ ہے!

چند سال قبل اللہ تعالیٰ کی توفیق اور بعض احباب کی حوصلہ افزائی سے راقم نے ''سیدہ آمنہ'' کے عنوان سے جو کتاب لکھی تھی وہ ایک نہایت مختصر اور متواضع قسم کی کوشش تھی تاہم اس سے والدہ ماجدہ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی حق تلفی کا ازالہ اور تلافی مافات مقصود تھی، اسی ''کوشش'' کو اب از سر نو لکھنے اور مکمل نظر ثانی کے بعد پیش کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے، اس سے بھی مقصود صرف رضا اور شفاعت مصطفیٰ ﷺ ہے اور بس!!

ان ہر دو عقیدتمندانہ کاوشوں کا پس منظر اور پیش نظر بھی قابل توجہ ہے پس منظر کا ایک حصہ تو ''سیدہ آمنہ'' کی طبع اول کے دیباچہ میں آ گیا ہے جو'' والدہ ماجدہ سیدنا مصطفیٰ ﷺ'' میں شامل اشاعت ہے، اس کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ حج کے موقع پر قیام مدینہ منورہ کے دوران میں راقم کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ خواب میں زیارت مصطفیٰ ﷺ کا شرف نصیب ہو (جو متعدد بار پہلے حاصل ہو چکا تھا) چنانچہ مطلوبہ شرائط و آداب کے ساتھ چھ سات دن کی کوشش سے بھی مراد پوری نہ ہو سکی تو دل میں یہ خیال گزرا اور ضمیر نے ملامت کی کہ ''سیدہ آمنہ'' کے چند صفحات لکھ کر یہ آقا ﷺ پر احسان جتانے کی جسارت نہیں!! پھر آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور زبان پر استغفار تھا اور یادوں کی سکرین پر ان اعرابیوں کا نقشہ ابھر آیا جو سورت حجرات کی آیات کے مطابق اپنے قبول اسلام کا احسان جتانے آقا ﷺ کی خدمت میں آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے سرزنش کے انداز میں فرمایا کہ تم احسان مت

جتاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان مانو جس نے تمہیں اسلام کی توفیق بخشی ہے! پھر ندامت اور شرمندگی کے ساتھ مواجہہ شریف میں خوخہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے دیوار کے ساتھ بیٹھ گیا۔ غنودگی کے عالم میں یوں لگا جیسے کتاب "سیدہ آمنہ" میرے ہاتھوں میں ہے مگر جب آنکھ کھلی تو کچھ بھی نہ تھا! راقم نے اسے اس موضوع پر مزید کاوش کرنے کا اشارہ سمجھا اسی لیے چند نئے ابواب کے ساتھ نظر ثانی شدہ کتاب کا یہ نقش ثانی پیش خدمت ہے۔ گر قبول افتد زہے عزوشرف!

ظہور احمد اظہر

11-11-06

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اول

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ اس لحاظ سے وہ تاریخ انسانی میں ایک عظیم ماں بلکہ عظیم ترین اور خوش نصیب ترین ماں ہونے کا شرف رکھتی ہیں لیکن ان کی زندگی اور شخصیت کو تصنیف و تالیف کی دنیا میں وہ مقام و اہمیت نہیں دی گئی جس کی وہ مستحق ہیں اور جو ان کے شایانِ شان ہے کیونکہ وہ سیرت طیبہ کا نقطہ آغاز اور پہلا باب ہیں! یہ حق تلفی کیوں ہے؟ تاریخ کے ناقابل فہم سوالات میں سے ہے! مصر کے عظیم نابینا دانشور ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے تاریخ کو ایک ایسے ارستوقراطی (ارسٹوکریٹ) دانشور سے تشبیہ دی ہے جو ہمیشہ بڑوں کو ہی قابل توجہ سمجھتا ہے اور چھوٹوں کو حقیر جان کر نظر انداز کرتا رہتا ہے!

تاریخ اپنے صفحات میں ظالم بادشاہوں، بے رحم وخوں خوار فاتحین حتیٰ کہ بددیانت حکومتی کارندوں کو بھی بڑی خوشی سے جگہ دیتی رہی ہے لیکن انسانیت دوست کارکنوں، خاموشی سے تاریخ ساز قسم کے اقدام کرنے والوں اور گمنام رہ کر بڑے بڑے کارنامے سرانجام دینے والے عام آدمیوں سے اس تاریخ نے ہمیشہ بے رخی، چشم پوشی اور بے نیازی کا برتاؤ کیا ہے، تاریخ کی یہی روش ہے جو حق شناسی کی جستجو کرنے والے صاف دل اور صاف گو لوگوں کے نشتر تنقید کا نشانہ بنی ہے!

دراصل یہ معاملہ ہے مؤرخ کے قلم کا! جو قلم دور اندیش دماغ، انسان دوست دل اور بلند نظر آنکھ کی معاونت سے محروم ہو وہ یہی کچھ لکھ سکتا ہے! مؤرخ کا ایسا قلم جب یہ لکھتا ہے کہ "تاج محل کا بانی شاہ جہان تھا" یا یہ کہ "نہر سویز شاہ مصر اسماعیل پاشا کا کارنامہ ہے" تو وہ اس وقت لاکھوں باجگزاروں، ہنرمندوں اور اپنی جانیں گنوانے والے گمنام مزدوروں کی

حق تلفی کرتا ہے بلکہ ان کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے!

اسلامی تاریخ کی روش بھی اس سے مختلف نہیں رہی، ہمارے مؤرخ ایک حقیر سے موضوع پر تو معلومات کے انبار لگا دیتے ہیں جنہیں سمیٹنا بھی مشکل ہو جاتا ہے جب کہ اہم موضوع کا سرسری ساذکر ہی کافی سمجھ لیتے ہیں اور سنگدلانہ چشم پوشی میں ہی عافیت محسوس کرتے ہیں، آپ کھوج لگائیں، کھدائی کریں یا ٹکریں ماریں کچھ ملنے والا نہیں حتیٰ کہ سیرت نبوی ﷺ بھی اس سنگدلانہ روش اور بے دردانہ چشم پوشی کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکی چنانچہ سیرت طیبہ کے بعض نہایت اہم گوشے تشنۂ تحقیق ہیں اور جدید محققین کی نظروں سے بھی اوجھل چلے آتے ہیں مثلاً مکی عہد سیرت میں دار ارقم اور مدنی عہد نبوی میں صفہ مسجد نبوی تعمیر معاشرہ اور تشکیل امت میں مرکزی اور تاریخ ساز کردار رکھتے ہیں اس لئے کہ یہ دونوں محض مقامات نہیں بلکہ تاریخ ساز ادارے ہیں مگر ہمارے مؤرخ انہیں صرف دو مقامات سمجھ کر نظر انداز کرتے رہے ہیں! اسلامی تاریخ کے صفحات نے حکمرانوں کی فتوحات، اموال غنیمت اور عیش پرستی کو تو دل کھول کر جگہ دی ہے مگر انسان سازی کی تربیت گاہوں اور اسلامی شورائی جمہوری نظام کے مراکز کو بالکل فراموش کر دیا ہے!

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سیرت پاک کا ایک نہایت ہی اہم موضوع ہیں مگر دار ارقم اور صفہ کی طرح اسے بھی فراموش کیا گیا ہے بلکہ حضرت عبدالمطلب کے ہاشمی گھرانے خصوصاً حضور کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کو تو ہماری پرانی اور نئی تحقیق نے یکساں طور پر فراموش کیا ہوا ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے دفاع اور تحفظ میں بنو ہاشم نے اپنی جانوں کی بازی تک لگا دی اور دعوت اسلامی کے سلسلے میں بڑی مشکلات کا سامنا کیا اور بڑی بڑی قربانیاں دیں بالکل اسی طرح جس طرح آج کے دور میں علماء کرام نے ختم نبوت کا تحفظ کر کے امت پر بہت بڑا احسان کیا ہے اسی طرح بنو ہاشم کے گھرانے نے بھی نبی اکرم ﷺ اور نبوت کے دفاع کے لئے قربانیاں دے کر بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے مگر اس کارنامے کو قابل اعتناء نہیں سمجھا گیا اور نہ سمجھا جا رہا ہے! ان خدمات سے چشم پوشی احسان

فراموشی ہوگی اور رضائے مصطفیٰ ﷺ کا تقاضا ہے کہ یہ بے اعتنائی نہ برتی جائے "تاریخ انسانی کی خوش نصیب ترین ماں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا" کی شخصیت اور سیرت کے حوالے سے اس مختصری کتاب "سیدہ آمنہ" کی شکل میں یہ چند سطور حق تلفی کے تدارک کی معمولی سی کوشش کے طور پر پیش ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین!

اظہار تشکر اور اعتراف حقیقت کا تقاضا ہے کہ محترم الحاج میاں محمد حنیف، چیئر مین بی او جی یونیورسٹی آف فیصل آباد کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کیا جائے کیونکہ موضوع کے لحاظ سے اہم مگر کاوش کے اعتبار سے اس متواضع کوشش کے اصل محرک وہی ہیں، جن کے بارے میں یہ سنا تھا کہ فیصل آباد کے وہ داڑھی منڈے ولی اللہ ہیں اور میرا مشاہدہ بھی یہی ہے میاں صاحب اس عہد جوانی میں بھی ایک سچے عاشق رسول ﷺ ہیں اور سیرت پاک کا مطالعہ ان کا مرغوب ومحبوب مشغلہ ہے!

ظہور احمد اظہر

ڈین/ڈائریکٹر ادارۂ سیرت

یونیورسٹی آف فیصل آباد

نبوت ورسالت کا نظام ربانی

سیدہ آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا کی سیرت پاک کے مطالعہ اور آپ کی عظیم وجلیل شخصیت کے تاریخ ساز کردار سے آگاہی کا اصلی اور حقیقی مقصد یا بنیادی غرض وغایت یہ ہے کہ سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ جس طرح اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ میں تمام زمانوں میں منتقل ہوتے رہے اور بالآخر اپنے والدین کریمین طیبین کے ہاں ولادت باسعادت سے کائنات کو روشن اور مزین فرما دیا، اس کے نقوش کی واضح نشاندہی کی جائے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو جائے کہ تمام انبیاء کی بعثت ایک ایسے نظام ربانی کے مطابق ہوتی رہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کے لئے مقدر فرما دیا تھا، اسی نظام ربانی کے مطابق آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک اور پھر ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے حضرت محمد ﷺ تک اللہ کے یہ برگزیدہ بندے میثاق ازل کے مطابق اپنے اپنے وقت میں دنیا میں تشریف لاتے رہے اور یہ تمام بندگان حق بھی مختلف مراحل میں پاک اصلاب سے پاک ارحام میں اسی طرح منتقل ہوتے رہے جس طرح سیدنا مصطفیٰ ﷺ تمام آلائشوں سے پاک منتقل ہوئے تا آنکہ سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب اور سیدہ آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا کے گھر میں تولد ہو گئے۔ ان سب کے آباء وامہات کبائر سے پاک و محفوظ رہے، اسی مقصد اور غرض وغایت تک پہنچنے کے لئے تقدیم وتعارف کے طور پر یہ دو تمہیدی باب شروع میں لانا ضروری سمجھا گیا ہے!

''کتاب زندہ قرآن حکیم'' کی رو سے اس کائنات کی تخلیق کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت مطلقہ اور حکیمانہ تدبیر محکم کی پیداوار ہے، اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کائنات میں احسن تقویم میں ڈھل کر اشرف المخلوقات کا لقب پانے والا حضرت انسان اس کائنات کا مرکزی کردار بلکہ اس تمام قصہ کا اصل ہیرو ہے اور

اس کی تخلیق بھی ایک دقیق ومحکم ارادۂ ربانی کا نتیجہ ہے، چنانچہ قرآن کریم تخلیق کائنات اور تخلیق آدم کے عبث ہونے یا یونہی وجود میں آجانے کے تصور کو مسترد کرتا ہے۔(1)

لہٰذا یہ وسیع وعریض ہر دم وسعت پذیر کائنات ہو یا اس میں ودیعت ربانی کے لامحدود جوہر دکھانے والا "ہیرو" حضرت انسان ہو، یہ دونوں ہی اللہ رب العزت کی حکیمانہ مشیت، مدبرانہ ارادہ کا بے بہا شاہکار اور اعجاز تخلیق ہیں، البتہ یہ لازم ٹھہرایا گیا ہے کہ یہ ہیرو حضرت انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ اور مطیع بن کر رہے، اس میدان عمل میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق جولانیاں دکھلائے اور اپنے رب کریم کے ان مقاصد جلیلہ کی تکمیل کرے جو اس نے انسان سے وابستہ فرمائے ہیں۔(2)

قصۂ وجود کائنات اور تخلیق انسان کا ایک مرحلہ تو وہ ہے جب آدم کو پیدا کیا گیا، دوسرا مرحلہ اس بندۂ خاکی کو اس خاکداں پر اتارنا اور میدان عمل کی راہ پر ڈالنا ہے، قرآن کریم ان ہر دو مراحل کو اجمالی انداز میں بیان کر دیتا ہے اور ازل وابد کے ربانی کرشموں کی طرح ان دونوں مراحل کے متعلق بھی کسی مفصل گورکھ دھندے میں نہیں ڈالتا، البتہ تیسرے مرحلے۔ یہ میدان زندگی ایک امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے اور چوتھے مرحلے یعنی اس میدان زندگی کی کمائی کے حساب کتاب اور جواب دہی۔ کے متعلق کتاب عزیز میں تفصیلی ہدایات موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کے نظام نبوت ورسالت کا مقصد بھی ان تفاصیل سے آگاہی ہے۔

ارشاد نبوی کے مطابق یہ دنیا چونکہ آخرت کی کھیتی ہے اس لئے ازروئے قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کا یہ سلسلہ صرف یہ دیکھنے کے لئے بنایا ہے کہ انسانوں میں سے کون ہے جو یہاں حسن عمل کا مظاہرہ کرتا ہے(3) اس دنیا کی عملی زندگی میں حسن عمل کی فصل کاشت کرنا چاہیے تاکہ آخرت میں اچھے پھل کا حق دار ٹھہرے اس دنیا میں ابن آدم کا عمل حسن عمل تبھی کہلائے گا جب وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا کے مطابق ہو، انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا سے انسان کو آگاہ کرنا تھا اس لئے نظام کائنات اور نظام زندگی سے زیادہ اہم وہ نظام ربانی ہے جو نبوت ورسالت کے لئے وضع کیا گیا ہے اس

لئے یہ سب سے برتر اور سب پر فوقیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے وہ منتخب اور برگزیدہ بندے جو نبوت ورسالت کے مناصب پر فائز ہوتے رہے اور جن کے اول وآخر سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں، ان بندگان حق نے قافلہ انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کا ایسا سامان کیا جو شکوک وارتیابات کی دلدل سے نکال کر عقیدہ، ایمان اور یقین کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے، فلاسفہ اور ان کے نفوس ناطقہ شعراء حضرات انسانوں کی رہنمائی کیا کرتے وہ تو خود اپنا آگا پیچھا ڈھونڈھنے میں لگے رہے ہیں (4) ظلمات حیرت میں ایسے الجھے کہ آج تک کتاب کائنات کے پہلے اور آخری ورق کی تلاش میں ہی گم ہیں:

''اول وآخر ایں کہنہ کتاب افتاد است!''

یہ بے چارے ''خود گم کردہ راہ است کرا رہبری کند'' کے مصداق عقل وخرد کے سرپٹ گھوڑے پر کائنات کے گوشوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں! دراصل ان کے ذریعہ اپنی اشرف المخلوقات کو راہ دکھانے کے لئے رب جلیل وجبار نے کوئی نظام ہی نہیں بنایا! باقاعدہ، صحیح، پختہ اور ہر قسم کی غلطی سے پاک نظام ہدایت تو صرف نبوت ورسالت کا ربانی نظام ہے! یہ نظام قادر مطلق کی نگرانی میں انسانی قافلہ منزل حق کی طرف رواں دواں ہے، اس لئے کہ بندگان حق سبحانہ وتعالیٰ منبع وحی ربانی کے تابع ہیں، وہ حیران وششدر کھڑے ہو جانے یا ادھر ادھر بھٹکنے کے بجائے ایک ہی جست میں کائنات کے آغاز وانجام کی خبر لے آتے رہے ہیں، انہوں نے علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے تمام مراحل سے گزر کر قافلۂ انسانیت کو ایمان صادق کے صراط مستقیم پر ڈال دیا ہے!

نبوت ورسالت کے تاج ہدایت سے سرفراز ہونے والی برگزیدہ ہستیوں، جن کے اول وآخر سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ نے دنیائے انسانیت کو واضح طور پر سمجھا دیا ہے کہ یہ ہماری کائنات لامحدود اور ہر دم وسعت پذیر اللہ قادر مطلق نے ایک اشارہ کن فیکون ''ہو جا سو وہ ہو گئی'' سے پیدا فرمائی ہے اور اسی ذات پاک کے اسی اشارۂ کن فیکون سے ہی اس کی بساط لپیٹ دی جائے گی یوں اس پرانی کتاب کائنات کا پہلا اور آخری ورق

سامنے آ گیا اور اس کے آغاز و انجام کی گتھی بھی سلجھا دی گئی، بقول مولانا ظفر علی خان (5)

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور عقدہ وروں سے کھل نہ سکا

وہ راز اک کملی والے نے سمجھا دیا چند اشاروں میں!

سو یہ حقیقت کھل کر واضح ہو گئی کہ ہماری یہ حسین و جمیل اور بوقلموں وسیع و عریض ہر دم وسعت پذیر کائنات نہ تو کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ ہے اور نہ یہ عبث و بیکار پیدا کی گئی ہے بلکہ یہ ابراج و افلاک اور چاند ستاروں سے عبارت کائنات رب جلیل و جبار کی مشیت و ارادہ اور قدرت مطلقہ کی حسین تخلیق ہے جو حکیم و خبیر بھی ہے اور بصیر و علام الغیوب بھی! اس کا ہر کام سراپا حکمت ہوتا ہے اور وہ ہر ہر بات کی خبر رکھتا ہے کائنات کا کوئی گوشہ اس سے مخفی نہیں اور وہ ہر شے کا صحیح اور کامل علم رکھتا ہے، وہ ہر شی پر قادر و مقتدر ہے، وہ صمد اور بے نیاز بھی ہے، وہ کسی کا محتاج بھی نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں، اس لامحدود اور ہر لحظہ متغیر و وسعت پذیر کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب کچھ اس علیم و قدیر کے علم میں ہے۔ یہ سب کچھ اس کی قدرت مطلقہ اور طے شدہ نظام کے مطابق عمل میں آ رہا ہے۔ (6)

اگر حقیقت یہی ہے اور اس کے حقیقت ہونے میں ذرا بھر بھی شبہ نہیں ہے۔ تو پھر بھلا نبوت و رسالت کا یہ مہتم بالشان سلسلہ اور خدا اور بندے کو قریب لانے والا یہ صراط مستقیم اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تدبیر اور اہتمام کے بغیر کیسے ہو سکتا تھا؟ جس طرح حضرت انسان اس کائنات کا ہیرو اور مرکزی کردار ہے اور یہ سب کچھ اس قادر مطلق اور رحیم و کریم نے اپنے اسی اعجاز تخلیق حضرت انسان کے لئے پیدا کیا ہے، تو اسی طرح اپنی اس اشرف المخلوقات کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے نبوت و رسالت کے محکم نظام کو بھی اس نے ہی مرکزی کردار سونپا ہے! پھر نبوت اور رسالت کے اس نظام ربانی کا مرکز و محور اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب پاک حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو بنایا ہے! یہ سلسلۂ تخلیق اسی کے نور پاک اور روح مقدس کی تخلیق کے بعد سے شروع کیا گیا اور قادر مطلق کے اعجاز کرشمہ ساز کا آخری معجزہ بھی اس کے اسی حبیب پاک کی بعثت اور ظہور ہے کیونکہ یہ سب کچھ اس نے اسی شہ

لولاک کی خاطر پیدا فرمایا ہے! یہ نظام ربانی پختہ و محکم ہے اس میں کوئی خلل اور نقص ہے نہ کوئی ڈال سکتا ہے! ناقص و ناکام تو فانی انسانوں کے نظام ہوتے ہیں! یہ انسانی نظام اللہ تعالیٰ کے محکم، ہر حال میں نافذ و غالب نظام کے سامنے کچھ بھی نہیں ہوتے! یہ فانی وضعیف انسان یہ گمان لیے بیٹھے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے منصوبہ کو عملی شکل دے رہے ہیں اور اس کے مطابق ان کا چلایا ہوا نظام نافذ و کامیاب جارہا ہے مگر دراصل وہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق کے غالب اور قاہر نظام کے لئے رستے بنا رہے ہوتے ہیں مگر یہ بات ان پر بہت دیر میں اور آخر میں جا کر کھلتی اور واضح ہوتی ہے!!

یہ سچ ہے کہ یہ کائنات حق تعالیٰ نے حضرت انسان کے لئے بنائی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی درست ہے کہ اس نے اس انسان کو صرف اسی کا اپنا "بندہ" بنے رہنے کے لئے پیدا کیا ہے! ''احسن تقویم'' (بہترین سانچے) میں ڈھلنے والی اس اشرف المخلوقات ہستی کو تسخیر کائنات کا حق تو حاصل ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کے ساتھ انجام پائے، کائنات کی تسخیر اور عناصر فطرت کو قابو میں لانے والی ہر کوشش اور اس راہ میں اٹھنے والا ہر قدم خالق کائنات کی اطاعت اور اس کے اعتراف نعمت کے ساتھ اظہار تشکر کے رنگ میں اٹھے اور آگے بڑھے، بصورت دیگر یہ انسان کبر و غرور کا لباس پہن کر فرعون و نمرود کا روپ دھار کر اپنے ہی ابنائے جنس اور اپنی ہی دنیا کی تباہی اور بربادی کا باعث بن سکتا ہے!

لیکن سوال یہ ہے کہ تسخیر کائنات کے سلسلے میں انسان کو اپنی اس فرعونی اور نمرودی روش سے کیسے محفوظ رکھا جا سکتا ہے؟ رسالت و نبوت کا سلسلہ انسان کو اسی روش سے بچانے کے لئے ہے! اطاعت و عبادت الٰہی کا صراط مستقیم وہی ہے جس کی نشاندہی اور تعلیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول بھیجے، یہ تمام نبی اور رسول قدرت خداوندی کے محکم و مربوط نظام کے مطابق مبعوث ہوتے رہے اور انسانی تمدن کو صحیح رخ پر آگے بڑھاتے رہے! ہبوط آدم کے مرحلہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان کی رہنمائی کے لئے

یہ نبی اور رسول بھیجے جاتے رہیں گے، حضرت آدم اور نوح علیہما السلام سے لے کر سیدنا موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ علیہما السلام تک اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے قافلہ انسانیت کی رہنمائی کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر بھیجے جاتے رہے تا آنکہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی تشریف آوری کے ساتھ یہ نبوت و رسالت کا طویل سلسلہ مکمل ہو گیا، اس تکمیل کا ثبوت کتاب زندہ قرآن حکیم اور نظام شریعت کا وجود ہے، ایک محفوظ کتاب اور قابل عمل شریعت! اسی کا نام ختم نبوت ہے! گویا اس سلسلہ نبوت کا نقطہ آغاز اور اختتام وہی ہیں۔(7)

"انا اول النبیین خلقاً و آخرھم بعثا کہ میں تخلیق کے لحاظ سے سب سے پہلا نبی ہوں اور بعثت و ظہور کے لحاظ سے سب سے آخری نبی ہوں"۔

ہماری اس دنیاوی زندگی کا معاشرتی نظام ایک توازن، ایک ترازو اور ایک میزان کا محتاج ہے، یہ ترازو یا میزان عدل و انصاف کی ترازو ہے، اس میزان عدل میں خلل سے انسانی معاشرہ میں بے چینی اور ابتری پھیلتی ہے، اس لئے اس میزان عدل و انصاف کو ہر خلل سے محفوظ اور پاک رکھنا ضروری ہے، اسی طرح ہماری اس لامحدود و وسعت پذیر کائنات کا نظام بھی ایک ترازو یا میزان کا محتاج ہے، اسی ترازو کا نام اعتدال اور توازن کی ترازو ہے۔ اعتدال و توازن کا محتاج یہ نظام کائنات بے حد پختہ اور محکم دکھائی دیتا ہے، مگر یہ نظام معقد یا گرہ در گرہ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا نازک اور دقیق بھی ہے، یہ نزاکت اور یہ دقت اگر کسی خلل سے دوچار ہو جائے تو یہ نظام درہم برہم ہو سکتا ہے، اسی کا نام قیامت ہے!

ہمارے معاشرتی نظام کو خلل سے بچانے اور نظام کائنات کے اعتدال اور توازن کو برقرار رکھنے کے لئے شر و فساد کے عناصر کا قلع قمع ضروری تھا، اسی شر و فساد سے انسان کو باز رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا نظام قائم فرمایا، یہ نظام نبوت و رسالت بھی بہت دقیق اور محکم ہے، اس کا ایک نقطہ آغاز بھی ہے اور نقطہ اختتام بھی! لیکن نبوت و رسالت کا یہ دقیق اور محکم نظام بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت و تدبیر کے تابع ہے اور بہت طویل بھی

ہے اور اس طویل سلسلے کو صرف اللہ ہی جانتے ہیں (8) بس اس نے اتنا بتایا ہے کہ ہر قوم، ہر جگہ اور ہر زمانے کے لئے وہ نبی اور رسول بھیجتا رہا (9)، حتیٰ کہ آخرکار وہ نبی اور رسول دنیا میں تشریف لائے جو تمام اقوام، تمام مقامات اور تمام زمانوں کے لئے ہیں اس لئے کہ وہ رسول ازلی بھی ہے اور ابدی بھی، نبوت کا نقطۂ آغاز اور مرحلہ کمال و اختتام اللہ تعالیٰ نے انہی کو بنایا ہے۔ بلکہ یہ نظام کائنات اور انسانی معاشرہ کا نظام اس نے اپنے اسی محبوب نبی کے لئے بنایا ہے! اگر یہ محبوب نبی نہ ہوتا تو وہ یہ کائنات کا نظام بھی نہ بناتا اس لئے کہ اسی محبوب نبی نے تو کائنات اور رب کائنات کی پہچان کروائی ہے، اگر یہ محبوب خدا نبی نہ آتا تو نہ کوئی خدا کو پہچانتا اور نہ کائنات کی حقیقت کو کوئی جانتا پھر یونہی فرعون اور نمرود پیدا ہوتے رہتے اور خدائی کے دعوے کرتے رہتے اس لئے کہ انسانیت سے اسی محبوب نبی نے خدا کی پہچان کروائی ہے، اب فرعون اور نمرود تو پیدا ہوتے ہیں مگر خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں کیونکہ عقل بالغ کا مالک انسان خود کو، اپنے خالق کو اور اپنے گردو پیش کی اس کائنات کو اچھی طرح پہچان چکا ہے اور یہی کمال ہے خاتم الانبیاء رسول اعظم و آخر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا! وہی جو اللہ تعالیٰ کے محکم و دقیق نظام نبوت کے مطابق تخلیق میں سب سے اول اور بعثت میں سب سے آخر ہیں (10)! لہٰذا سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے لال کے مرتبہ و مقام سے آگاہی کے لئے اس محکم و دقیق نظام نبوت سے آگاہی ضروری ہے! نبوت و رسالت کا یہ ازلی و ابدی نظام ربانی حیرت انگیز حد تک باقاعدہ، منظم اور مربوط ہے، اس روئے زمین پر اولاد آدم کا ورود یا ہماری اس لامحدود اور ہر دم وسعت پذیر کائنات کا نظام فلاسفہ، مفکرین اور شعراء کے ایک گروہ کے نزدیک ایسی کتاب سہی جس کا پہلا اور آخری ورق گم ہیں مگر نبوت و رسالت کا نظام ربانی جہاں کتاب زندگی اور کتاب کائنات کے اولین اوراق کی نشاندہی کرتا ہے وہاں اس نظام ربانی کا اولین و آخرین ورق بھی ہمارے سامنے یوں واضح کرتا ہے جس پر "اظہر من الشمس" (یعنی سورج سے بھی زیادہ ظاہر) کے محاورے کا صحیح اطلاق ہوتا ہے، اس مربوط، مسلسل اور معلوم نظام ربانی کا پہلا ورق نور مصطفیٰ ﷺ

کی تخلیق ہے اور آخری ورق ان کی بعثت وظہور قدسی ہے! قرآن کریم اور ارشادات نبوی اس حقیقت کو روز روشن سے بھی زیادہ واضح اور عیاں کرتے ہیں!

اس نظام ربانی کا اولین نقطہ نور مصطفیٰ ﷺ کی تخلیق ہے، اسی لئے ارشاد ہوا کہ (11)

''اول ما خلق اللّٰہ نوری یعنی اللہ جل شانہ نے جو چیز سب سے پہلے تخلیق فرمائی وہ میرا نور ہے''۔

اور اس کی تائید مزید اس ارشاد نبوی سے بھی ہوگئی ہے:

''انا اول النبیین خلقًا و آخرھم بعثۃ یعنی تخلیق کے لحاظ سے میں سب سے پہلا نبی ہوں اور بعثت کے لحاظ سے میں سب سے آخری نبی ہوں!!''

''کتاب زندہ قرآن حکیم'' اس اولیت وآخریت مصطفیٰ ﷺ کا بڑے واشگاف الفاظ میں اعلان کرتا ہے اور اس محفل ربانی کا نقشہ پیش کرتا ہے جس میں اللہ جل شانہ ارواح انبیاء کرام سے عہد ازل لیتے ہیں اور انہیں نظام رسالت کے اولین و آخرین نقطے سے آگاہی دیتے ہیں۔ (12)

''اور (ازل کا وہ لمحہ ناقابل فراموش ہے) جب اللہ جل شانہ نے (اپنے ازلی اور ابدی نظام نبوت ورسالت کے لئے تمام ارواح) انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر میں تمہیں (منصب نبوت کے لوازمات) کتاب وحکمت عطا کروں اور پھر تمہارے پاس وہ (عظیم القدر رسول اول وآخر) آجائے جس نے تم سب کی نبوتوں کی تصدیق (کر کے شان کو بلند کرنا ہے) تو تم نے اس پر ایمان لانا ہے اور (اپنی اپنی امت کے لوگوں کے ذریعہ) ان کی مدد کرنا ہے، (رب العزت نے) فرمایا: تو کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کا بھاری بوجھ اٹھانا قبول کرتے ہو؟ (تب تمام ارواح انبیاء نے) کہا: ہم اس کا اقرار کرتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو پھر تم سب اس پر گواہ رہنا اور میں خود بھی تمہارے ساتھ (اس اقرار وتائید پر) گواہ رہوں گا''۔

نبوت ورسالت کے پختہ ومربوط نظام ربانی کے باب میں یہ آیت مبارکہ ایک غیر مبہم

اور ایمان افروز شہادت ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ برگزیدہ پیغمبر جو حضرت آدم سے سیدنا مسیح بن مریم علیہم السلام تک مبعوث ہوتے رہے ان سب کے ذمہ دو کام تھے: ایک کتاب وحکمت سے عبارت پیغام ربانی کو خلق خدا تک پہنچاتے رہنا اور دوسرے اس عظیم القدر رسول اول وآخر کا جہاں کہیں اور جب بھی سامنا ہو اس پر ایمان لانا، اتباع کرنا اور اس کی تائید وحمایت کرنا، چنانچہ ان بندگان حق نے اپنے اپنے وقت میں اس جلیل القدر اول وآخر رسول اعظم ﷺ سے ملاقات کی آرزو کی، اس کی امت پر رشک کیا اور تائید وحمایت کا اعلان کیا۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس کی بعثت وظہور کی دعا فرمائی، موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا اعلان فرمایا کہ وادیٔ فاران میں اس جلیل القدر رسول کا ظہور ہوگا اور وہ شریعت کے ہزاروں قدسیوں کے جلو میں جلوہ فرما ہوگا، وہ رعب وجلال میں موسوی شان لیے ہوگا اور فتح مکہ کا تاریخ ساز واقعہ ایسا ہی تھا! یہ ایک ایسی فتح مبین تھی جس کی بشارت صلح حدیبیہ تھی اور اس میں یہ پیغام بھی دے دیا گیا تھا کہ انسانی مسائل کا حقیقی حل صلح وآشتی اور امن وسلامتی میں پنہاں ہے نہ کہ تیر وتفنگ اور جنگ وجدل میں، یہ ایک ایسا فاتحانہ داخلہ تھا جو بیک وقت پیغمبرانہ وشاہانہ شان لیے ہوئے تھا، مفتوحین تو قدسیوں کے فاتحانہ لشکر سے لرزہ براندام تھے کہ وہ سب روم وایران کے فاتحین اور ان کے سلوک سے آگاہ تھے۔ مگر ان فاتحین کے سر عجز ونیاز سے رب کعبہ کے حضور جھکے ہوئے تھے اور ان کی زبانوں پر حمد وشکر کے ترانے تھے! فاتحانہ غرور وتکبر کے بجائے ان کی پیشانیوں سے مؤمنانہ تواضع وانکساری جھلکتی تھی! یہ رعب وجلال محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام تو موسوی پیشین گوئی کا ایک منظر ہے لیکن سیدنا مسیح علیہ السلام کی بشارت عظمیٰ کا ظہور تو پیشین گوئی کی طرح حرف بحرف بھی ہے اور آفتاب نصف النہار کی طرح روشن بھی، سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کو بھی ہاتف غیبی نے ''احمد'' نام رکھنے کو کہا تھا اور انجیل برناباس کے علاوہ سورۃ الصف میں بھی احمد ﷺ وارد ہوا ہے۔ ولادت کے وقت جس روشنی نے اپنے گرد وپیش کو منور کر دیا تھا وہی روشنی ورفعنا لک ذکرک ''اے حبیب

صادق وامین! تیری خاطر ہم نے تیرے ذکر پاک کو بلندیوں پر پہنچا دیا ہے"۔ کا وعدہ ربانی بن کر عظمت مصطفوی کو چہار سو بلند کر چکا ہے اور ہر آنے والے دن میں ان بلندیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، یوں جو الفاظ زبان مصطفیٰ ﷺ پر رواں ہوئے تھے وہ ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آ گئے ہیں کہ انا دعوۃ ابراھیم و بشری ابن مریم و رؤیا امتی التی رأت و کذلک امھات النبیین یرین "میں تو ابراہیم علیہ السلام کی دعا، سیدنا عیسیٰ بن مریم کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں اور نبیوں کی مائیں تو یہی خواب دیکھتی رہی ہیں!!(13)

اس آیت کریمہ سے یہ بات بھی واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کی حکمت و تدبیر کے مطابق نافذ و جاری ہونے والے نظام نبوت و رسالت کا سر عنوان اور نقطہ آغاز بھی ہیں کہ ازل ہی میں ارواح انبیاء سے ان پر ایمان لانے اور تائید وحمایت کرنے کا عہد لیا گیا تھا اور اس نظام نبوت کی تکمیل واختتام بھی آپ پر ہی ہوتا ہے اس لئے کہ آپ ہی نے تمام انبیائے سابقین کی نبوتوں کی تصدیق کرنا تھی جو آپ نے بطریق احسن فرما دی، وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ "کوئی بھی ایسی قوم نہیں ہوئی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خبردار کرنے والا نبی ان میں مبعوث فرمایا"۔ میں ہر ہر نبی کی تصدیق ہوتی ہے، مگر اولوالعزم انبیائے کرام کی عظمت وتکریم کی تو انتہا کر دی گئی ہے، خصوصاً سیدنا مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی عظمت وتکریم تو کتاب زندہ قرآن حکیم کا موضوع خاص ہے، یہ کام نبوت مصطفوی کا منصبی فریضہ تھا بالکل جیسے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا منصبی فریضہ رسالت مصطفیٰ ﷺ کے ذمہ صرف نبوت مصطفوی کی تصدیق ہی نہیں تھی بلکہ اتباع وایمان اور تائید وحمایت بھی تھی اس لئے کہ تصدیق تو ہمیشہ بڑی ہستی کا کام ہوتا ہے، دوسروں کا کام تو اطاعت وحمایت ہوتی ہے یہاں سے اس فرمان مصطفوی کی حقیقت و اہمیت بھی اجاگر ہو جاتی ہے جب آپ فرماتے ہیں کہ "اب اگر سیدنا موسیٰ بن عمران علیہ السلام بھی دوبارہ آ جائیں تو انہیں بھی میری اتباع وپیروی کرنا پڑے گی (14)۔ لہٰذا اب اگر

انبیائے سابقین میں سے کوئی ہستی دوبارہ دنیا میں آبھی جائے تو اس کی حیثیت تابع و مطیع کی ہوگی نہ کہ متبوع و مطاع کی! آپ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نظام رسالت و نبوت کی پختہ و عالی شان عمارت کی خشت اول بھی ہیں اور خشت آخر بھی، اس لئے آپ خاتم النبیین بھی ہیں اور لانبی بعدی ''میرے بعد اور کوئی نبی نہیں'' کا فرمان بھی آپ ہی کو زیب دیتا ہے!!

نبوت و رسالت کا یہ نظام ربانی، جو بے حد محفوظ و مصئون اور بے انتہاء مربوط اور مسلسل ہے، ہر عیب سے پاک اور ہر خلل سے مبرا ہے، اس نظام ربانی کا اول و آخر اور مرکزی کردار اور بطل جلیل حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں، ہر کہانی اور ہر نظام کی طرح قصہ نبوت و رسالت اور نظام نبوت و رسالت کا بھی نقطہ آغاز ہے اور مرحلہ اختتام بھی ہے، نبوت و رسالت کا نقطہ آغاز وہی ہیں جن کا نور نبوت سب سے پہلے وجود میں آیا اور پھر ازل میں ان کے لئے تمام ارواح انبیاء سے یہ عہد لیا گیا کہ وہ ہر حال میں ان پر ایمان لاتے ہوئے ان کی پیروی و حمایت کریں گے اور اپنے پیروکاروں سے بھی ان کی مدد اور حمایت کروائیں گے، یوں آفتاب رسالت مصطفیٰ ﷺ کے طلوع ہوتے ہی ان کی نبوت و رسالت کا دور مکمل ہو جائے گا اور ان کا کام صرف یہ رہ جائے گا کہ وہ آنے والے بطل نبوت کو قیادت کی ذمہ داری سونپ کر ان کی رہنمائی میں دین حق (اللہ کے دین) اور اسلام (اللہ کے سامنے جھک جانے والی روش) کو اپنا لیں گے، وہی دین اور وہی روش جسے وہ اپنے پیروکاروں کے لئے پسند کر رہے تھے، یہ ایک عام فہم سی بات ہے کہ جس طرح طلوع آفتاب کے بعد تمام چاند ستارے ہوتے ہوئے بھی غائب ہوتے ہیں، کسی نظام کے بڑے ذمہ دار کی آمد پر اس نظام کے تمام چھوٹے ذمہ داروں کو بڑے کی اطاعت و ہدایت میں کام کرنا ہوتا ہے یا جس طرح پانی کی آمد پر تیمم کا دور ختم ہو جاتا ہے اسی طرح نبی الانبیاء رسول اعظم و آخر کی آمد کے بعد سب کا کام اب ان پر ایمان لانا اور ان کی نصرت و تائید کرنا رہ جاتا ہے!

ارواح انبیاء کو ازل میں وجود عطا ہونے سے کروڑوں سال پہلے حضرت محمد ﷺ کا نور نبوت تخلیق فرما دیا گیا تھا (15)، ازل میں ارواح انبیاء سے اسی نور نبوت مصطفوی ﷺ

کی اطاعت و پیروی کا عہد لینے کے بعد طویل مدتوں اور لاتعداد صدیوں تک یہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے مبعوث ہو کر اپنی اپنی قوم تک پیغام حق پہنچاتے رہے! اللہ کے یہ برگزیدہ بندے آپس میں بھائی بھائی تھے اور ایک ہی پیغام جو ایک ذات پاک کی طرف سے تھا اپنی اپنی قوم کو اپنے اپنے وقت میں پہنچاتے رہے، ان کے لئے دو باتیں لازم تھیں (۱) ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق کرنا ہے (۲) اگر حکم ربانی ہو تو اپنے سے بعد آنے والی بھائی کی نبوت کا اعلان بھی کرنا لیکن ایک تیسری بات حسب موقع اور حسب ارشاد لازم تھی اور وہ یہ کہ اگر کسی کے دور میں وہ رسول اعظم ﷺ آجائے تو قیادت و ہدایت کا کام اسے سونپ کر اس کا تابع و مطیع بن جانا ہے، ان میں سے بعض کو یہ حکم بھی تھا کہ رسول اعظم و آخر ﷺ کی آمد کا اعلان بھی کریں اور اس کی علامات بھی لوگوں کو بتائیں خصوصاً سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو تو حکم تھا کہ ان کی بعثت و ظہور کے لئے دعا بھی فرمائیں اور ان کے منصب کے اوصاف خصوصی بھی واضح فرمائیں، سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو حکم تھا کہ وادیٔ فاران سے طلوع ہونے والے آفتاب عالمتاب کا اعلان فرمائیں اور بتائیں کہ نبی عربی امی ﷺ بھی موسوی رعب و جلال کے ساتھ تشریف لائیں گے، مگر سیدنا مسیح بن مریم علیہما السلام نے تو اپنی نبوت و رسالت کا خلاصہ ہی تین مقاصد بیان فرمائے: یعنی تورات اور انبیائے بنی اسرائیل کے صحف کی تصدیق، بنو اسرائیل کی منتشر بھیڑوں کو اکٹھا کرنا اور اپنے بعد آنے والے رسول اعظم و آخر ﷺ کی آمد کی بشارت اور اعلان!

یوں نبوت و رسالت کا یہ نظام ربانی از ازل تا ابد مربوط و مسلسل بھی ہے اور محفوظ و مضبوط بھی! اس نظام کے تمام ذمہ دار اور کارکن پاکیزہ نسب، پاک سیرت اور پرکشش کردار کے حامل تھے، اس نظام ربانی کا مرکزی کردار اور کہانی کا بطل یا ہیرو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں جو تخلیق میں سب سے پہلے مگر بعثت و ظہور میں سب سے آخر ہیں، وہ اول الانبیاء بھی ہیں، خاتم الانبیاء بھی اور اسی لئے وہ نبی الانبیاء ہیں! اللہ تعالیٰ کی صحیح اور محفوظ نبوت و رسالت کے اسی ازلی و ابدی نظام ربانی کے کچھ پہلو اور بھی ہیں جو کتاب

اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، یہ پہلو اہم بھی ہیں اور اس نظام ربانی کے خط وخال بھی اجاگر کرتے ہیں اس لئے ان سے آگاہی بھی فوائد سے خالی نہیں ہوگی!

اللہ تعالیٰ کے فرمان: کن فیکون سے نبوت ورسالت کا جو نظام ربانی وجود میں آیا اس کے قابل توجہ اور خصوصی افادہ کے حامل پہلوؤں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورۂ آل عمران کی آیات 81-82 میں تو نبی الانبیاء رسول اعظم وآخر ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایمان لانے اور ان کی تائید وحمایت کرنے کا عہد لیا گیا، مگر سورۂ اعراف کی آیت 172 میں تمام ارواح بشریت سے ایک عہد لینے کا ذکر ہے، دراصل یہ عہد وہ فطری شعور ہے جو رب کائنات نے اپنی ذات والا صفات کے حوالے سے ہر روح بشر میں ودیعت فرمایا ہے، گویا ہر فرد بشر فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت یا اس کے خالق ورازق ہونے کا اعتراف کرنے والا بنایا گیا ہے۔ انسان اپنی اصل میں فطری طور پر اطاعت کرنے اور سر تسلیم خم کرنے والا بنایا گیا ہے اسی کو الفطرۃ یا فطرۃ الاسلام کہا گیا ہے اگر انسان پر کوئی خارجی عنصر اثر انداز نہ ہو تو وہ اسی فطرت کے باعث اپنے خالق ورازق کا بندہ بننے اور اس کے سامنے سرنگوں رہنے پر مجبور ہوگا! انسان اگر اپنی ذات پر، کائنات پر اور سب کے خالق ورازق پر آزادانہ غور کرے تو وہ حق تعالیٰ شانہ کو پہچان سکتا ہے اور اس کے اعتراف پر اپنے اندر سکون اور اطمینان محسوس کرسکتا ہے اور اس کے بغیر وہ بے چین رہتا ہے، یہی بے چینی تلاش حق کا رستہ بتاتی ہے اور انسان آخر کار حق کو پاسکتا ہے کیونکہ خود انسان کے اندر اور اس کائنات میں ایسے شواہد موجود ہیں جو معرفت حق میں مدد دیتے ہیں اور وہ اطمینان اور دولت ایمان سے بھی نوازا جاسکتا ہے (16):

"جو ایمان لاتے ہیں اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان ملتا ہے ہاں سن لو! اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی ربوبیت کا اعتراف انسان عاقل اپنی فطرت کے طفیل بھی کرسکتا ہے مگر اس نے اپنے بندوں کو اتنی مشکل آزمائش میں ڈالنا پسند نہیں فرمایا بلکہ اپنے

بندوں کی ارواح سے ازل میں لیے جانے والے عہد کو یاد دلانے کا سامان کیا اور حسب اعلان اپنے برگزیدہ بندوں کو اس مقصد کے لیے مبعوث فرمایا وہ اعلان یہ تھا کہ (17):

"اے ابنائے آدم! اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے چنے گئے رسول آئیں، تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں تو اب اس کے بعد جو بھی تقویٰ اختیار کرے گا اور اصلاح احوال کرے گا تو ایسے لوگوں کے لئے تو نہ خوف ہوگا نہ غم ہوگا"۔

نظام نبوت و رسالت کا یہ عمومی پہلو ہے، اللہ جل شانہ نے اپنی کتاب عزیز میں کثرت سے مختلف اسالیب کے ساتھ اسی عمومی پہلو کو واضح کیا ہے، اللہ کے لاتعداد برگزیدہ بندے منصب نبوت و رسالت پر فائز ہونے کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر مبعوث ہو کر پیغام حق پہنچاتے رہے، کسی خطے یا کسی قوم کو اس نعمت سے محروم نہیں رکھا گیا (18):

"وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ یعنی کوئی بھی ایسی قوم نہیں گزری جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ بھیجا گیا ہو"۔

"ولکل امة رسول یعنی ہر قوم کے لئے رسول ہے"۔ (19)

اللہ تعالیٰ کے اس نظام نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ لگاتار جاری رہا، یکے بعد دیگرے اللہ کے نیک بندے نذیر و بشیر (ڈرانے والوں خوشخبری دینے والوں) کا کردار ادا کرتے رہے، مگر رب العزت کو شکوہ یہ ہے کہ اس کے ان برگزیدہ بندوں کو ستایا اور ٹھکرایا گیا مگر وہ ہر حال میں اپنا اپنا منصبی فریضہ ادا کرتے رہے سورۃ المومنون کی ایک آیت میں اسی احسان اور کفران کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جو کفایت کرتا ہے (20):

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

"یعنی پھر ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے۔ جب بھی کسی قوم کے پاس اس کا رسول آیا اسے اس نے جھٹلایا تو ہم بھی ان قوموں کو ایک کے پیچھے دوسری کو ہلاکت

کی راہ پر ڈالتے رہے اور ہم نے ان سب کو اب کہانیاں بنا دیا ہے۔ سو جو لوگ
ایمان نہیں لاتے ان کے لئے بربادی ہے"۔

تکذیب اور قتل انبیاء میں قوم یہود یا بنو اسرائیل کی تاریخ بڑی ہولناک ہے اگرچہ بدنامی میں نمرود و شداد اور فرعون کے نام بھی کسی طرح کم نہیں!

اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں کے نام اور تعداد کسی کو معلوم نہیں صرف وہی جانتا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو بھی یہی بتایا گیا کہ ہم نے آپ کو اپنے بعض رسولوں سے آگاہ کیا ہے مگر بعض سے آگاہ نہیں کیا (21)۔

اس معرکۂ حق و باطل میں فتح و غلبہ ہمیشہ حق اور اہل حق کا ہی رہا ہے، آخری فتح اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کا مقدر رہا ہے اور یہ خود اللہ کا فیصلہ اور اس کا وعدہ ہے (22)۔

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۞ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۞ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۞

"یعنی ہمارا فیصلہ پہلے ہی ہمارے بندوں یعنی رسولوں کے حق میں ہو چکا ہے، بلاشبہ وہی فتح و نصرت پانے والے ہیں اور یہ کہ غالب تو ہمارے لشکر ہی نے آنا ہے!"۔

اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام نبوت و رسالت کی منظم، مربوط اور مسلسل حیثیت کا یہی تقاضا تھا کہ معرکۂ حق و باطل میں نہ صرف انبیائے کرام کی نجات اور فتح کی ضمانت ہو بلکہ ان مؤمنین صادقین کو بھی یہ شرف حاصل ہو اور ان کی فتح و نجات کی بھی ضمانت ربانی میسر آئے جو ان پر ایمان لاتے اور ان کا ساتھ دیتے ہیں چنانچہ سورۂ یونس میں نبی اور اس کے سچے پیروکاروں کے لئے بھی یہی وعدہ ہے کہ (23):

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

"یعنی پھر ہم اپنے رسولوں کے لئے فتح و نجات کا سامان کرتے ہیں اور اسی طرح ان پر ایمان لانے والوں کو بھی یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کی فتح و نجات کا سامان کریں"۔

نظام نبوت ورسالت کا یہ عمومی پہلو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ انبیائے کرام اور ان کے پیروکار منکرین حق اور متکبرین وقت سے جب کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں تو اس کا اگلا قدم ہجرت ہے، ہجرت نہ صرف یہ کہ ایک جذبہ ایثار وقربانی ہے بلکہ یہ نبوت ورسالت کا خاصہ اور ایک اٹل سنت انبیاء بھی ہے، ہر نبی کو اپنا وطن چھوڑ کر راہ حق میں ہجرت کرنا پڑی، دراصل وقت کے اشرار اور متکبرین انبیائے کرام اور ان کے ماننے والوں کو ایسا کرنے پر مجبور کر دیتے رہے ہیں، حضرت ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور نبی آخر الزمان علیہم الصلوٰات والسلامات کو ترک وطن کا تلخ گھونٹ پینا پڑا اور متکبرین نے انہیں ہجرت پر مجبور کر دیا (24):

"اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال باہر کریں گے اور یا پھر تم ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ گے مگر ان کے رب نے ان پر وحی نازل کی کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور پھر تمہیں اس زمین میں آباد کر دیں گے!"

نبوت ورسالت کے اس نظام ربانی میں مساوات اور اخوت ہے تفریق اور امتیاز نہیں ہے لا نفرق بین احد من رسلہ "ہم اللہ کے کسی رسول میں فرق یا امتیاز نہیں کرتے" (25) کسی ایک کا انکار سب کا انکار ہے اور کسی ایک کی توہین سب کی توہین ہے، قوم نوح نے صرف ایک نبی کو جھٹلایا لیکن قرآن کریم نے اسے تمام رسولوں کی تکذیب قرار دیا ہے (26)، کسی نظام کے ایک فرد کا انکار وتوہین دراصل اس پورے نظام کا انکار اور توہین ہوتی ہے، یہاں سے یہ حقیقت بھی کھلتی ہے کہ نبوت ورسالت کا یہ سلسلہ واقعی ایک نظام ربانی سے منسلک ہے جو مربوط، مضبوط اور مسلسل ہے، کسی ایک نبی ورسول کا انکار یا توہین اللہ کے نزدیک سب کا انکار اور توہین ہے بلکہ یہ تو اس پورے نظام ربانی کی توہین اور انکار کے مترادف ہے۔

نبوت ورسالت کا سلسلہ چونکہ ایک ایسے نظام کے تابع ہے جو اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ ہے اس لئے اس میں کسی انسان کی خواہش، آرزو یا ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے، یہ کبھی نہیں ہوا

کہ کسی کو محنت ومشقت اور زہد وعبادت کے نتیجہ میں نبوت عطا کی گئی ہو اور نہ ایسے ہو سکتا ہے کہ کوئی عابد سے زاہد، زاہد سے ولی اور پھر ولی سے ترقی کرتے کرتے نبی بن گیا ہو، زہد وتقویٰ کے نتیجہ میں ایک جن ابلیس فرشتہ بن کر عزازیل کا لقب پانے کا غلط تجربہ ہو چکا ہے، یہی عزازیل دوبارہ ابلیسیت کا لباس اوڑھ کر شیطان مردود کا لقب پا کر ملعون قرار پا چکا ہے، بقول سعدی:

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندان لعنت گرفتار کرد!

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ نبوت ورسالت کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے یعنی محنت یا کوشش سے نہیں کمائی جا سکتی بلکہ سراسر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی، عطا اور بخشش ہے، یہ تو ایک حکیمانہ ومدبرانہ نظام ربانی ہے، جس کا فیصلہ ازل میں ہو چکا، تمام ارواح انبیاء سے ازل میں عہد لیا جا چکا، اسی لئے یہ ارواح طیبہ اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتی رہیں اب اگر کوئی دوڑ بھی لگائے تو اللہ تعالیٰ کے ازلی فیصلے اور قطعی حکم کو تبدیل نہیں کرا سکتا! ارشاد ربانی ہے(27):

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ

"یعنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ اپنی رسالت کا منصب کسے عطا فرمائیں"۔

قریش مکہ کے مغرور سرمایہ دار اور متکبرین کو اس بات پر تعجب اور اعتراض تھا کہ قرآن کریم مکہ یا طائف کے کسی "بڑے" پر کیوں نہ نازل ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ان کا منہ توڑ جواب دیا کہ یہ نبوت ورسالت کا منصب تو اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت ہے اس نے اپنا یہ فضل ورحمت بانٹنے کا اختیار کسی اور کو کب دیا ہے؟ ارشاد ربانی ہے(28):

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ

"یعنی وہ کہتے ہیں کہ کاش یہ قرآن دو بستیوں مکہ اور طائف کے کسی عظیم آدمی پر

نازل ہوتا؟ تو کیا اے حبیب! یہ کفار قریش اللہ تعالیٰ کی رحمت بانٹنے کا بھی ٹھیکہ لے چکے ہیں؟"۔

نبوت ورسالت کوئی معمولی کام نہیں بلکہ یہ تو اللہ رب العزت کے نظام کے تابع ایک عظیم الشان منصب ہے اسی نے یہ نظام قائم فرمایا ہے اور یہ اسی کے فضل وکرم کے تابع ہے، اس نے اپنے جن برگزیدہ ومنتخب بندوں کو یہ منصب عطا فرمانا تھا ان کا تعین ازل ہی میں ہو گیا تھا اور ازل ہی میں ان کی مقدس ارواح سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ انہوں نے اس رسول اعظم وآخر ﷺ پر ایمان لانا اور حمایت کرنا ہے جس نے تمام انبیاء کرام کی تصدیق کرنا ہے اور ان کے تقدس وعظمت کو تسلیم کروانا ہے۔ اسی لئے یہ ہستیاں ہر قسم کے عیوب ونقائص اور کبائر وصغائر سے پاک رہیں، یہاں سے نبوت ورسالت کا ایک اور اہم پہلو سامنے آتا ہے اور وہ ہے "عصمت انبیاء" یعنی تمام نبی معصوم ہوتے ہیں اور اس عصمت وحفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے!

اہل السنہ والجماعت کا عقیدہ ہے کہ نبی بعثت سے قبل اور بعد بھی معصوم ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کے والدین اور اس کے سلسلہ کے آباء واجداد بھی کبائر سے پاک اور عیوب ونقائص سے منزہ ہوتے ہیں (29)۔ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے حوالے سے نبوت ورسالت کا یہ پہلو خصوصیت سے قابل غور وفکر ہے کیونکہ بعض علمائے حدیث نے ایک خبر واحد کی بنیاد پر ان کی بخشش کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے حالانکہ یہ حدیث خود اپنی سند اور متن کے لحاظ سے تضاد اور تناقض کا شکار ہے لیکن اس پر مفصل بحث آگے آتی ہے۔ اس وقت نبوت ورسالت کا ایک اہم ترین پہلو عصمت انبیاء زیر بحث ہے، چونکہ نبوت ورسالت ایک وہبی چیز اور عطیۂ خداوندی ہے جس کا فیصلہ ازل میں فرما دیا گیا تھا لہٰذا اللہ کا ہر نبی اس کی خصوصی نظر کرم اور نگاہ محافظ میں رہا، اللہ نے ہر عیب سے اسے پاک رکھنے اور ہر عصیان سے محفوظ رکھنے کا انتظام فرمایا تھا، عین ارتکاب برائی کے مرحلہ میں یوسف صدیق علیہ السلام کو برہان رب دکھائی دے جاتی رہی (30)۔ عیوب ونقائص سے مبرا اور ذنوب وخطایا سے نہ صرف

نبی منزہ ہوتا ہے بلکہ اس کے نسب میں بھی کوئی عیب نہیں ہوتا جو اس کی شخصیت پر اثر انداز ہو سکے یا جس سے انسانی طبائع کراہیت و انقباض محسوس کریں اور پیروی و اتباع میں ہچکچاہٹ پیدا ہو، چنانچہ ہر نبی معصوم ہوتا ہے اور اس کی عصمت و حفاظت کا ضامن خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کے سلسلہ نسب اور والدین میں بھی کوئی نقص یا عیب ایسا نہیں ہوتا جو خود نبی کی شخصیت پر اثر انداز ہو، چہ جائیکہ کسی ایسی بات کا تصور رسول اعظم و آخر ﷺ کے والدین کریمین کے حوالے سے ممکن ہو! اگر یہ ممکن مان لیا جائے تو نبوت و رسالت کے نظام ربانی پر حرف آتا ہے اور یہ بات تو ناممکن اور محال ہے اس لئے کسی نبی یا اس کے سلسلہ نسب میں کسی عیب یا نقص کا تصور ممکن نہیں تو پھر سرکار دو جہاں ﷺ کے حوالے سے تو ایسا بدرجہ اولیٰ ناممکن اور محال ہوگا!۔

نبوت و رسالت کے منظم، محکم، مربوط اور مسلسل نظام ربانی کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جس طرح ہر سلسلے اور ہر نظام کا ایک آغاز ہوتا ہے اور پھر ایک ایسا مرحلہ بھی آتا ہے جب وہ سلسلہ یا نظام اختتام کو پہنچتا ہے، جب ضرورت پوری ہو جائے اور مقصد پا لیا جائے تو سلسلے اور نظام کا اختتام معقول بات ہے بلکہ اس کا جاری رہنا بھی عقل کے تقاضوں کے خلاف ہے، اسی طرح یہ نظام نبوت و رسالت بھی اپنا ایک نقطہ آغاز رکھتا ہے اور یہ قدرتی بات ہے کہ اس کا مرحلہ اختتام بھی آئے، اسی مرحلے کو "ختم نبوت" کہا گیا ہے اور یہ مرحلہ مقصد کے حصول اور غرض و غایت کی تکمیل کا قدرتی نتیجہ ہے۔

پہلے انبیاء کرام کی تعلیمات بھلائی جاتی رہیں، تغیرات و انقلابات کے باعث یہ تعلیمات محفوظ بھی نہ رہ سکیں، ان کی حفاظت کا معقول اور تسلی بخش انتظام بھی نہ تھا، زبانی وعظ و ارشاد ہوتا تھا جو جلد ہی نسیان کی نذر ہو جاتا تھا، یا تحریری صورت میں ہوتا تھا جب کہ ان زمانوں میں تحریر و کتابت کے وسائل انتہائی ناقص ہوتے تھے اس سے تحریر یا تو مفقود ہو جاتی تھی یا تحریف و تغیر کے ہاتھوں انجام کار غیر معتبر ہو جاتی تھی، تورات و انجیل سمیت تمام دیگر صحف سماویہ کے متعلق یہی بات درست ہے اس کے برعکس قرآن کریم کی حفاظت و

اشاعت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے اس کتاب زندہ قرآن حکیم کی حفاظت کے تین چینل یا واسطے کام میں آئے سب سے پہلا یقینی چینل زبانی حفظ کرنا یا اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہونا ہے اور سب سے پہلا سینہ نبی کریم ﷺ کا اپنا سینہ مبارک تھا پھر آپ نے اپنی زندگی میں ہی سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی پختہ حافظ بنا دیا تھا، صحابہ کے گھرانے حفظ قرآن کے مدارس تھے جہاں صبح وشام قرآن کریم حفظ کرنے والے ایک دوسرے سے سنتے اور سناتے تھے، دوسرا واسطہ یا چینل تحریر کا تھا چالیس سے زائد کاتبان وحی مقرر تھے اس کے علاوہ تمام کبار صحابہ سب اپنا اپنا نسخہ قرآن کریم تیار کرتے تھے، مزید برآں یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں ایک خاص کمرہ ان قرآنی تحریروں کا مرکز تھا اور تیسرا چینل عرش اور فرش کا وہ مسلسل تعاون ہے جس کے مطابق جبرئیل امین اور ہادئ برحق ﷺ کے درمیان ہر سال رمضان المبارک میں نازل شدہ قرآن کا دورہ ہوتا تھا، اس قسم کا آخری اور مکمل دورہ وصال نبوی سے پہلے والے رمضان المبارک میں ہوا تھا جس میں بعض صحابہ کرام بھی شریک ہوئے تھے، آج بھی حفظ، تحریر، کتابت، طباعت اور ریکارڈنگ کے وسائل چودہ صدیوں سے تسلسل کے ساتھ جاری ہیں، گویا آخری شریعت کا اصل منبع اور اصل مصدر قرآن کریم انتہائی قابل یقین حد تک محفوظ ہے، یہ شریعت بھی معتبر، جامع، معتدل، قابل عمل اور آسان ہے، یہ سب اس لئے ہے کہ نبی الانبیاء ﷺ اول النبیین بھی ہیں اور آخر النبیین بھی ہیں، قرآن نے آپ کو خاتم النبیین فرمایا ہے خود آپ کا ارشاد ہے کہ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، آپ پر نبوت و رسالت کا نظام ربانی مکمل ہو گیا!۔

یہ تمہیدی بات پانچ باتیں واضح کرتا ہے:

(۱) انسانیت کی حقیقی عظمت اور بڑائی علم کی روشنی سے وابستہ ہے، اس علم کے ذرائع دو ہیں، ایک بذریعہ عقل سلیم اور فہم درست اکتساب علم، علم کا یہ ذریعہ استنتاجی واستخراجی ہے جو معلوم کے ذریعہ غیر معلوم تک رسائی کا راستہ بتاتا ہے، تجربہ واستخراج سے حاصل ہونے

والا یہ کسبی یعنی کمایا ہوا علم انسانیت کا بہت بڑا سرمایہ ہے تاہم اس کا دائرہ کار عالم طبیعیات اور مادی دنیا ہے، مابعد طبیعیات اور روحانی دنیا اس کے دائرۂ عمل میں نہیں آتی، اگرچہ اس پر قطعی بھروسہ نامناسب ہے۔

علم کا دوسرا ذریعہ وحی ربانی ہے، مابعد طبیعیاتی دنیا کے متعلق اس ذریعہ علم کی ہر بات یقین واعتماد پر قائم ہوتی ہے اور اس کی صحت و درستی پر کبھی کوئی حرف نہیں آتا، نبی اور رسول جو بات لاتا ہے وہ یقین اور اعتماد کی دولت سے مالا مال ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے صدق وامانت کے مجسمے ہوتے ہیں اور وحی صادق کو امانت خداوندی سمجھ کر خلق خدا تک اسے پہنچاتے ہیں بلکہ اسے پہنچانے کے پابند ہوتے ہیں!

(۲) نبی ورسول کے علم کا ذریعہ اور سرچشمہ وحی ربانی ہوتی ہے اور یہ وہ علم ہے جو انسان تک پہنچانے کا اللہ رب العزت نے وعدہ فرما رکھا ہے، اسی لئے اس نے ہر جگہ ہر زمانے کے انسانی گروہ کے لئے کوئی نہ کوئی بشیر ونذیر بھیجنا تھا اور وہ بھیجا گیا۔

(۳) نبوت ورسالت کسبی نہیں وہبی ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنے جس جس برگزیدہ بندے کو یہ منصب سونپنا تھا اس کا فیصلہ ازل میں ہو گیا تھا اور اسی فیصلے کے مطابق ہر قوم میں ہر زمانے میں ہر جگہ نبی اور رسول آتے رہے۔

(۴) جس طرح نظام کائنات ہے اور انسانی معاشرہ کا بھی ایک نظام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کا بھی نظام قائم فرمایا، یہ نظام ربانی سب سے زیادہ پختہ، محکم، مدبرانہ اور انسانیت کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش تھا، جو برگزیدہ ہستیاں اس نظام کا حصہ بنی ہیں ان سب کی ارواح مقدسہ سے اللہ تعالیٰ نے ازل میں یہ عہد لیا تھا کہ اس نظام کا نقطہ آغاز اور نقطہ اختتام بھی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ جنہوں نے تمام نبوتوں کی تائید وتصدیق کرنا ہے اور سب نبیوں کی عظمتوں کو منوانا ہے اس لئے ان کے ظہور اور بعثت کے بعد کسی اور نبی کی نبوت ورسالت کا دور نہیں چلے گا۔ جس طرح آفتاب عالمتاب کے بعد تمام چاند ستاروں کا دور ختم ہو جاتا ہے اسی طرح بعثت نبوی اور ظہور قدسی کے بعد تمام انبیائے کرام

کے مناصب نبوت ورسالت تکمیل کو پہنچ گئے، ان کے ادوار تبلیغ رسالت پورے ہو گئے کہ ان کے کام کی تصدیق کرنے والے، ان کی صداقت وامانت کی شہادت دینے والے اور اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریق سے نباہ دینے کی سند جاری کرنے والے آ گئے ہیں!

(۵) جس طرح ہر شئی کا آغاز ہوتا ہے، اس نے ارتقائی منازل طے کرنا ہوتی ہیں اور بالآخر اس نے تکمیل کے مرحلے کو بھی پہنچنا ہوتا ہے بعینہ اسی طرح نبوت ورسالت کے نظام ربانی کا بھی ایک نقطہ آغاز تھا اور ارتقائی منازل کے بعد اس کے اختتام اور تکمیل کا مرحلہ بھی تھا، اس نظام ربانی کا نقطہ آغاز اور نقطہ اختتام بھی محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، نور مصطفوی نہ صرف تمام نبیوں اور رسولوں سے پہلے تھا بلکہ وہ تو تخلیق کائنات کا بھی نقطہ آغاز اور خشت اول ہیں بلکہ وہ تو تخلیق کائنات کا مقصود حقیقی بھی ہیں!

ختم نبوت دراصل نظام نبوت کا طبعی تقاضا ہے، ہر سلسلہ جو شروع ہوتا ہے اس نے کہیں نہ کہیں ختم ہونا ہوتا ہے لیکن خاتمہ اور تکمیلی مرحلہ ہمیشہ سب سے اعلیٰ بھی ہوتا ہے اور اس سلسلے کی غیر فانی ہمیشہ باقی رہنے والی شاندار نشانی بھی ہوتا ہے! حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ عظمت شان میں جس مقام پر ہیں وہ نہ پہلے کسی کو کبھی نصیب ہوا اور نہ اس پر کبھی کوئی فائز ہوگا! آپ نے تمام نبیوں کی تصدیق بھی فرمائی، صفائی بھی پیش کی، شان بھی بلند کی اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کو جیسا کہ وہ اپنے اسماء اور اپنی صفات کے مطابق ہے انسانیت سے واضح طور پر منوایا ہے اور وہ شریعت جو بھی کسی شک وشبہ سے برتر ہے، محفوظ کر گئے وہی جس کے لئے سب نبی آتے رہے تھے!

اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ سیدہ آمنہ کے لال نے شریعت حق اور دین اسلام تو انسانیت کے لئے قابل یقین، قابل عمل اور سب کے لئے قابل قبول حالت میں پہنچا دیا ہے مگر اب اس کا مکمل نفاذ اور تمام انسانیت کے لئے اس کا نفع اور فائدہ کس طرح عام ہو سکے گا؟ یہ جاننے کے لئے اگلا اور دوسرا تمہیدی باب پیش کیا جا رہا ہے، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ تو خواہی نہ خواہی دنیا قبول کر چکی ہے اور سب کے لئے یہ قابل عمل بھی مان لیا گیا ہے!

یہ روشنی تو اب پھیل کر ہی رہے گی!

از روئے قرآن کریم اللہ جل شانہ کائنات کا نور ہی نور ہیں (1)، اس ذات پاک نے اپنے برگزیدہ بندوں، رسل و انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اپنی مخلوق کی رہنمائی کی خاطر جو پیغام حق بھیجا وہ بھی سراپا نور ہی نور ہے روشنی ہی روشنی ہے! یہ نور اور یہ روشنی دراصل وہ دین حق ہے، جس کی دعوت و اشاعت کے لئے نبی و رسول بھیجے جاتے رہے، سیدنا نوح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ہوتے ہوئے یہ نور نبوت ہمارے آقا ﷺ پر آ کر نہ صرف ختم ہو گیا بلکہ اپنی تکمیل کو بھی پہنچ گیا (2)، اب یہ نور ربانی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے اور مکمل و محفوظ شکل میں نہ صرف چمک دمک کے ساتھ موجود ہے بلکہ عام بھی ہو رہا ہے اور چار دانگ عالم میں پھیل رہا ہے، اس نور نبوت کا نقطہ آغاز اور مرحلہ تکمیل و اختتام حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں اسی لئے آپ رسول اعظم و آخر بھی ہیں، اب یہ نور نبوت عام ہوگا اور یہ روشنی پھیل کر ہی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام رسل و انبیاء کو ایک ہی دین حق کا پیغام ملا جسے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں ان الفاظ میں پہنچایا "اے میری قوم! صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں" (3)۔ اسی کا دوسرا نام اسلام (یعنی اطاعت گزار ہونا، اللہ کے سامنے سر جھکانا Surrender to God ہے)، انبیائے سابقین جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے لا کر پہنچاتے رہے وہ بوجوہ محفوظ و سلامت نہ رہ سکا جس میں سب سے بڑی وجہ اللہ جل شانہ کی مرضی اور مشیت تھی مگر اللہ تعالیٰ کا یہی دین حق اور اسلام جب اول النبیین اور خاتم الرسل ﷺ کو عطا ہوا تو اس کی حفاظت و سلامتی کا بھی انتظام ہو گیا اور یہ بھی اسی ذات پاک کی مشیت اور ارادہ سے ہوا اگر وہ "اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" بلاشبہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں (4)) کا اعلان نہ فرماتا تو اسے بھی کوئی محفوظ و سلامت نہیں رکھ سکتا تھا! یہ وہ شرف

ہے جو رب العالمین نے اپنے محبوب نبی رحمۃ للعالمین ﷺ کے لئے مختص فرمادیا تھا کہ وہی اول النبیین خلقًا و آخرھم بعثًا "تخلیق میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب سے آخر) ہیں بقول اقبال (5)

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسٓ وہی طٰہٰ!

وہی دین حق جو انبیائے سابقین اپنے اپنے وقت میں عام کرتے رہے جب مصطفیٰ ﷺ کو سونپا گیا تو اس اعلان واجب الاذعان کے ساتھ کہ بقول ظفر علی خان (6)

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

قرآن کریم کی وہ آیت مبارکہ جو اس نور اللہ کا اعلان کرتی ہے وہ معمولی سے فرق کے ساتھ تین سورتوں میں نازل فرمائی گئی: توبہ، فتح اور صف (7) میں

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

"یعنی یہ دشمنان حق یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور نبوت کو اپنی پھونکوں سے بجھا ڈالیں حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے اس نور نبوت کی تکمیل کرنے والے ہیں خواہ حق کے منکر اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں، حق تعالیٰ تو وہ ذات ہیں جس نے اپنے رسول مصطفیٰ ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے تاکہ اسے دنیا کے ہر ضابطۂ زندگی پر غالب اور فاتح بنادیں خواہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے"۔

کتاب اللہ کے اس تکرار اور تاکیدی ارشاد پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ساڑھے چودہ سو سال سے دشمنان حق نور اللہ کے اس چراغ اسلام کو گل کرنے میں لگے ہوئے ہیں سازشوں کے جال بچھائے جارہے ہیں، افتراء پردازی، بدخواہی اور جھوٹ کے ہر ہتھیار کو

آزمایا جا رہا ہے، تیرہ سالہ مکی دور میں علم کی شیخی بگھارنے والے یہودی اور ظلم و اذیت کا ہر حربہ استعمال کرنے والے مشرکین اس دین حق کا راستہ روکنے کی ناپاک سازشیں کرتے رہے، کبھی مکہ مکرمہ کے جاہلوں کو مشکل سے مشکل سوالات گھڑ کر بھجواتے رہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر سوال کا جواب دنداں شکن ہوتا تھا ہجرت کے بعد دونوں طرف کے سازشیوں نے اہل حق کو چین سے نہ جینے دیا، بار بار مدینہ پر چڑھائی ہوئی اور یہود کی غداری اور داخلی سازشیں بھی شامل حال رہیں مگر آخر کار فتح دین حق کی ہی ہوئی حتیٰ کہ یہودیوں اور مشرکین کی مشترکہ کوششوں سے پورا جزیرۂ عرب مدینہ منورہ کی ننھی سی اسلامی ریاست پر ٹوٹ پڑا مگر اس غزوۂ خندق میں بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید، حکمت و تدبیر نبوی اور اہل حق کے بے مثال اتحاد و تعاون سے یہ لشکر طوفان بلا بھی ناکام و نامراد ہو کر بکھر گیا، بادصبا اور رعب مصطفیٰ ﷺ نے اس طوفان کفر و شرک کا منہ پھیر دیا، جزیرۂ عرب سے جلاوطن ہونے والے انہی یہودیوں نے روم و ایران کو لرزہ براندام کر دیا اور وہ اسلامی ریاست کے مقابل آ گئے، جھوٹے مدعیان نبوت کھڑے کیے گئے، وفات نبوی کے بعد ارتداد کا ہولناک فتنہ کھڑا کیا گیا پھر نوخیز اسلامی خلافت راشدہ کے خلاف روم و ایران کے لشکر آگ بگولے بن کر حملہ آور ہوئے ان کے پس منظر میں بھی وہی یہودی چیخ و پکار تھی مگر نتیجہ فتوحات اسلام اور وقت کی دو بڑی سلطنتوں کا کچومر نکلنے کی صورت میں سامنے آیا، دار ارقم اور صفہ مسجد نبوی میں نور نبوت کے زیر سایہ تربیت پانے والوں نے صرف ربع صدی کے اندر اندر بیک وقت تین براعظموں، ایشاء افریقہ او یورپ، میں ایک ایسی مثالی سلطنت اور ایک ایسے روح پرور و پرکشش تمدن کی بنیاد رکھی جو رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے قابل تقلید مثالیں ہیں!

پھر صلیبی جنگوں کا طوفان بلاخیز اٹھایا گیا مگر آخر کار ظلم و نامرادی کی چند مثالیں چھوڑ کر خائب و خاسر یہ طوفان بھی لوٹ گیا، اس کے بعد استشراق و استعمار کے دور بھی اپنے افتراء اور ظلم کے نشان چھوڑ کر قصہ ماضی بن گئے، پھر اپنے عہد کے دو شیطانوں میں سے چھوٹا شیطان۔ سوویت یونین۔ گرم پانیوں تک رسائی کے پرانے زاروں کے خواب لے کر

افغانستان پر چڑھ دوڑا مگر پورے عالم اسلام کے نمائندہ مٹھی بھر مجاہدین کے سامنے ریت کے گھروندوں کی طرح بکھر کر رہ گیا! اس کے بعد شیطان بزرگ امریکہ کو اسلام کے ازلی دشمنوں اور عالمی صیہونیت نے تہذیبوں کے تصادم کا ڈھکوسلا پیش کر کے ایک منظم عالمی سازش کے بعد نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نعرہ دے کر میدان میں اتارا اور اسرائیل کے شائی لاک اور بھارت کے بت پرستوں نے انکل سام کی پوری پوری مدد کی مگر نام نہاد نائن الیون اور تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے جھوٹے نعروں کے باوجود انکل سام کے زوال کی بنیاد پڑ چکی ہے اور سب سے آخر میں حزب اللہ کی چند ابابیلوں نے بدمست یہودی کے ناقابل شکست ہونے کے زعم باطل کو توڑ کر خاک میں ملا دیا تو یہ ہے ایک اجمالی خاکہ اسلام کے خلاف ڈیڑھ ہزار سالہ یہودی سازش اور اس کے توڑ کا۔

ایک طرف تو یہ ہو رہا ہے اور دوسری جانب نور حق کے ضابطہ زندگی پر مہذب اور روشن دنیا خود بخود عمل پیرا ہوتی جا رہی ہے، نور اسلام جو کچھ انسانیت کی فلاح کے لئے لایا اسے چار و ناچار انسانی دنیا خود بخود ماننی چلی جا رہی ہے! یہی اللہ تعالیٰ کو منظور و مقصود ہے اسلام دین امن و سلامتی ہے اور امن سے ہی پھیلا ہے اور امن و سلامتی کے لئے امن سے ہی پھیلے گا!!۔

بعثت نبوی کے بعد سے اٹھنے والا یہ شیطانی طوفان بلاخیز ہے جو اسلام کی بیخ کنی، آثار نبوی کو بزعم خویش مٹا دینے اور مسلمانوں کو دنیا سے نابود کرنے پر کمربستہ ہے اور جس کی خفیہ باگ ڈور حسد و بغض اسلام میں ہمیشہ سے جلنے والے یہود کے ہاتھ میں ہے مگر دوسری جانب یہ کاروان اسلام ہے جو اپنی منزل حق کی طرف رواں دواں ہے اور بالآخر عالم انسانیت کو اسی منزل کی طرف لا رہا ہے چنانچہ دین حق کے عطا کردہ اصول و ضوابط عالم انسانیت کا معمول بنتے جا رہے ہیں، اسلام کے مثبت اثرات نے اور اس کے سچے پیروکاروں نے اپنے قول و عمل سے دنیا کا چلن ہی بدل ڈالنے، انسانیت کا مقدر سنوارنے اور اسے بہتر مستقبل کی طرف مائل کرنے کی سعی مشکور انتہائی خاموشی کے ساتھ جاری رکھی ہوئی ہے اس کے آثار و نشانات کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

جنیوا کنونشن تو بہت بعد کی بات ہے مگر رحمۃ للعالمین محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ نے سب سے پہلے جنگ اور امن کے اصول مقرر فرمائے تھے، ان پر خود بھی عمل کیا اور اپنے پیروکاروں کو بھی ان پر پوری طرح عمل کرنے کی سختی سے تاکید فرمائی۔ جنگی قیدیوں کو غلام ہرگز نہیں بنانا بلکہ فدیہ اور تاوان لے کر آزاد کر دینا ہے یا جنگ کے خطرات ٹل جانے کے بعد ان پر احسان کر کے چھوڑ دینا ہے(8)، ان کی جان لینا یا انہیں غلام بنانا قطعی حرام و ممنوع قرار دے دیا گیا، صلح اور قیام امن سب پر مقدم ہے، صلح حدیبیہ اس پر شاہد ہے، مفتوحین کو غیظ وغضب سے بچانا ہے، جذبہ انتقام کے سرکش گھوڑے کو لگام دینا ہے، فتح مکہ کا تاریخی بلکہ تاریخ ساز واقعہ اس پر گواہ ہے، رحمۃ للعالمین ﷺ کے عفو عام کا ایسا عملی مظاہرہ ہوا جس کی تاریخ میں پہلے کوئی مثال نہ تھی مگر بعد میں ایک عملی نمونہ بن گیا، اس سے پہلے تاریخ نے مفتوحین کے ساتھ یہ حسن سلوک کبھی نہیں دیکھا تھا مگر بعد میں کم سے کم مسلم فاتحین کے لئے تو یہ معمول بن گیا، مفتوحین کے ساتھ رحمت و شفقت کا سلوک اسلامی فتوحات کا ماٹو بن گیا!!

فتح بیت المقدس کو ہی لے لیجئے، یہ شہر مقدس یہودیت، مسیحیت اور اسلام سب کے لئے برابر محترم اور مقدس ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کے مفتوح یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ جس شفقت اور فراخ دلی کا سلوک کیا اس کے نقوش آج بھی شہر کے در و دیوار اور تاریخ کے صفحات میں زندہ و پائندہ ہیں لیکن اس کے برعکس صرف چند صدیاں بعد اسی شہر کے مسلمان مفتوحین کے ساتھ جو سلوک صلیبی درندوں نے کیا اس کی تفاصیل سے انسان لرز جاتا ہے اور انسانیت ماتم کرنے لگتی ہے۔ خود عیسائی مؤرخ لین پول (جو ان صلیبی درندوں کے ہمراہ تھا) نے جو تفاصیل دی ہیں انہیں پڑھ کر سر شرم سے جھک جاتے ہیں، مسجد اقصیٰ میں مسلمانوں کا اتنا خون بہا کہ صلیبیوں کے گھٹنے ڈوبے نظر آتے تھے اور گلیوں میں مسلم خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا(9)!

اس کے بعد جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کرایا تو ایک بار پھر فتح مکہ کی سنت نبوی اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مفتوحین بیت

المقدس کے ساتھ مشفقانہ سلوک کی یادیں تازہ ہو گئیں! لیکن پھر یہی بیت المقدس جب برطانوی صلیبیوں نے دوبارہ فتح کیا تو پہلے صلیبیوں کے خونیں ڈرامے کو ایک بار پھر دہرایا گیا اور آج جب یہودی غاصبین کے "فاتحانہ قبضہ" کو دیکھتے ہیں تو اریل شیرون اور ایہود المرٹ کے ہوائی جہاز، ٹینک اور راکٹ نہتے فلسطینیوں اور لبنانیوں کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں اس پر مہذب انسانیت ماتم کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے مگر ان سب کے باوجود پاپائے روم بنی ڈکٹ صاحب کو یہی نظر آتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے اور جہاد اسلامی تشدد کی راہ ہے! مگر پاپا جی یہ نہیں بتائیں گے اور نہ بتا سکتے ہیں کہ مشرق بعید کے مسلم ممالک انڈونیشیا اور ملائیشیا وغیرہ میں تو کبھی کوئی مجاہد یا مسلم سپاہی داخل ہی نہیں ہوا؟! تو یہاں پر کون سی تلوار نے اسلام پھیلایا! دراصل پاپا جی کو بش اور بلیئر جیسے متعصب عیسائیوں کی افغانستان اور عراق میں درندگی تو نظر ہی نہیں آتی! ان کے کلسٹر اور ڈیزی کٹر بم تو انہیں پھول ہی نظر آتے ہیں!!

چلیے جنگ اور امن کی باتوں کو ایک طرف رکھتے ہیں اور علم وتہذیب کی باتیں کرتے ہیں، مغرب کو اپنی دو چیزوں پر بڑا ناز ہے، ایک اپنی سیکولرازم اور جمہوریت کی علمبردار تہذیب پر اور دوسرا علم یا سائنس اور ٹیکنالوجی پر مگر جمہوری تہذیب کو مصر میں اخوان کی جمہوری فتح، الجزائر میں اسلامی محاذ کی جمہوری کامیابی اور فلسطین میں حماس کی جمہوری حکومت گوارا نہیں، سیکولرازم کا یہ عالم ہے کہ بش اور بلیئر کو اپنے اپنے دارالحکومتوں میں بیٹھ کر مکہ، مدینہ، قاہرہ، دمشق، طہران، پشاور، لاہور اور کراچی میں امن وچین سے نماز روزہ کرنے اور قرآن کریم پڑھنے والے مسلمانوں سے ان کے مذہبی عقائد کی اصلاح کی فکر ستا رہی ہے، انہیں اپنے مذہبی تعصب کا احساس نہیں اور اپنے اپنے ملک کے تنگ نظر عیسائی بالکل نظر نہیں آتے اور دراصل یہ بے چارے اپنی تمام تر اسلحی برتری کے باوجود موت کو گلے سے لگانے والے اور لوٹ مار کے لئے سامراجی حملہ آوروں کو واصل جہنم کرنے والے اور خودکش بم بننے والے مسلمان بہت چبھتے ہیں!! وہ مسلمانوں کے دلوں سے حب رسول

ایمان، جذبہ جہاد اور شوق شہادت کھینچ نکالنا چاہتے ہیں، وہ انہیں عزت کی موت مرنے کے بجائے ذلت کی زندگی کا خوگر بنانا چاہتے ہیں، مسلمانوں سے ان کی دولت ایمان کے ساتھ ساتھ دولت غیرت بھی چھیننا چاہتے ہیں مگر انہیں غیر مسلح کر کے، انہیں دیوار سے بھی لگانے کا شوق فرماتے ہیں تاہم انہیں یہ گوارا نہیں کہ یہی مسلمان ان کے لئے موت کا پیغام بن جائیں لیکن:

ایں خیال است و محال است و جنوں!!

یہ بھی عجب سیکولرازم ہے کہ مشرقی یورپ کے مفلس و قلاش ملک تو یورپی یونین کے رکن بن سکتے ہیں کیونکہ وہ عیسائی ہیں مگر یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے سیکولر بنائے ہوئے کمالسٹ ترکی کو کبھی رکنیت نہیں دیں گے کیونکہ اس پر مسلمان کا لیبل لگا ہوا ہے! تو یہ ہے ان کی روشن خیال تہذیب اور یہ ہے ان کا سیکولرازم!!

اب ذرا ان کے ہاں علم کو دیکھ لیجئے، مسلمان ملکوں کے جو نوجوان مرد اور عورتیں مغرب کی درسگاہوں میں تعلیم کے لئے جاتے ہیں ان کے ساتھ بھی فریب کاری اور بدنیتی کے مظاہرے ہوتے ہیں، ایک طرف تو انہیں فحاشی و عریانی پر اکسا کر "مہذب" بنانے کے جتن کیے جاتے ہیں تا کہ وہ واپس جا کر اپنے وطن میں اجنبی لگیں، پھر ان سے ریسرچ ایسے موضوعات پر کروائی جاتی ہے جو خود مغرب کے لئے تو کارآمد ہو سکتے ہیں مگر ان غریب مسلمان ممالک کے کسی موضوع پر کام نہیں کرنے دیتے جو قیمتی زرمبادلہ خرچ کر کے انہیں وہاں بھیجتے ہیں، یہ نوجوان جب کار بیکار کر کے واپس آتے ہیں تو خود کو اپنے لوگوں میں اجنبی محسوس کرتے ہیں اس لئے "روشن خیال تہذیب" کی یاد ستانے لگتی ہے اب اگر وہ مغرب کو کسی کام کے قابل نظر آتے ہیں تو انہیں خوش آمدید کہا جاتا ہے بصورت دیگر ایک ناگوار بوجھ سمجھ کر ویزا تو مل جاتا ہے مگر باعزت کام نہیں دیتے، اس طرح غریب مسلمان ملک اپنے جوہر قابل اور اعلیٰ دماغوں سے محروم کر دیئے جاتے ہیں!

لیکن "علم و تہذیب" کے یہ علمبردار مسلمان سائنسدانوں کو وہ اعلیٰ اور مفید تر علوم اور

ٹیکنالوجی نہیں سیکھنے دیتے جس سے وہ مغرب کا مقابلہ کر سکیں، ایٹمی ٹیکنالوجی تو رہی ایک طرف وہ تو انہیں کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی مفید اور اعلیٰ اقسام تک بھی رسائی حاصل نہیں کرنے دیتے! مگر اس سب کچھ کے باوجود دعویٰ سیکولرازم اور جمہوریت کا ہے اور مسلمانوں کو سائنس کے میدان میں پسماندہ ہونے کا طعنہ بھی دیتے ہیں! علم کے باب میں یہ کھوٹ، یہ بخل اور یہ فریب کاری صرف ''علم وتہذیب کے نام نہاد سیکولر علمبرداروں اور روشن خیالوں'' ہی کو زیب دیتی ہے!

مگر اب ذرا اس علم وتہذیب کی روشنی کی بھی ایک جھلک دیکھ لیجئے، جو پندرہ سو سال پہلے غار حراء سے پھوٹی تھی! یہ مغرب کا علم وتہذیب بھی اگرچہ غار حراء کی اسی کرن کا تسلسل کہا جا سکتا ہے مگر اس میں کھوٹ، بخل اور فریب کاری کے عناصر ''علم وتہذیب'' کے ناخداؤں نے خود شامل کیے ہیں تاہم قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس کرن کی روشنی کا دائرہ پھیلتے پھیلتے بہت دور تک پہنچ گیا ہے اس دائرہ کے ابعاد واطراف کا صحیح اندازہ لگانا اور اس کا حقیقت پسندانہ بلکہ حق پرستانہ جائزہ تو صرف منصف مزاج انسان ہی لے سکتے ہیں جو یہ اچھی طرح جانتے ہوں کہ غار حراء میں ''اقرأ'' کے حکم ربانی سے پہلے علم کہاں تھا اور معرفت کا کیا حال تھا؟! یونان کے فلسفی کے نزدیک علم وفلسفہ اعلیٰ اور چند گنے چنے انسانوں کا حق تھا، رومنوں نے علم وحکمت کے دفاتر تہ خانوں میں بند کر چھوڑے تھے تاکہ ان کی ''نحوست'' انسانی معاشرہ کو پراگندہ نہ کرنے پائے، ہند کے برہمنوں نے پوتھی کو اپنی ذاتی جائیداد بنا رکھا تھا جس پر کسی اور کا کوئی حق نہ تھا حتیٰ کہ اگر کوئی شودر گلی میں سے گزرتے ہوئے برہمن کی ''عالمانہ آواز'' سن لیتا تھا تو اس کے کانوں میں سیسہ پلا دیا جاتا تھا، ایسے میں غار حراء سے پھوٹنے والی ''اقرأ'' کی کرن نے علم ومعرفت کو انسانیت کا زیور اور حق ہی نہیں بلکہ ہر مرد وعورت کا فریضہ قرار دے دیا تھا کہ حق سے تو دست بردار بھی ہو سکتے ہیں مگر فریضہ کا تارک مجرم اور گنہگار رہتا ہے!

''اقرأ'' کے حامل رسول عربی ﷺ نے آزادی، مساوات اور احترام آدمیت سے

آدمی کا بول بالا کر دیا، پہلے جنگی قیدی قتل کیے جاتے تھے، غلام بنائے جاتے تھے یا تاوان لے کر چھوڑے جاتے تھے مگر تاریخ انسانی میں یہ پہلی بار ہوا کہ علم جنگی قیدیوں کے لئے پروانہ آزادی بن گیا اور صرف یہ کہا گیا کہ ہر پڑھا لکھا قیدی دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے تو وہ آزاد ہے! یہ اسی رسول ﷺ کے پیروکار تھے جنہوں نے روم و یونان کے علوم و معارف کو ضائع ہونے سے بچا لیا، اپنے تجربات و تحریرات سے نئے سے نئے اضافوں کے ساتھ مسیحی مغرب کو جہالت سے نکالا اور موجودہ مغربی سائنس اور ٹیکنالوجی کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں مگر تاریخی حوادث نے علوم و معارف کا علم۔ مسلمانوں سے لے کر مسیحی مغرب کو تھما دیا لیکن ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ قافلہ علم سے بچھڑنے والے مسلمانوں کے پیغمبر نے تو علم نافع کی دعا مانگی اور تلقین فرمائی تھی مگر کاروان علم کے نئے علمبرداروں نے سائنس کو صرف مادی ضرورتوں تک محدود کر دیا اور یوں انسانیت علم نافع کو فراموش کر بیٹھی جو انسان کی مادی و روحانی، دینی اور دنیاوی تمام ضرورتوں کا ضامن تھا!

اس پھیلتی ہوئی بات اور لمبی گفتگو کو اگر ہم اختصار اور جامعیت کے رنگ میں سمیٹنے کی کوشش کرنا چاہیں تو یوں سمیٹ سکتے ہیں کہ:

(۱) وقت ایک سمندر ہے مگر ایسا سمندر کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں مگر خاموش ہے اس لئے کہ اس کو نہ کوئی دریا سیراب کرتا ہے اور نہ اس کا کوئی منبع ہے۔ ازل سے ابد تک پھیلا ہوا ہے، ازل کہاں تھا اور ابد کہاں ہوگا؟ یہ معلوم کرنا ہم فانی اور محدود صلاحیتوں کے مالک انسانوں میں سے کسی کے لئے ممکن نہیں، ہاں ہمارا کوئی قدم، کوئی کارنامہ اس خاموش مگر ناپیدا کنار سمندر کی خاموشی کو توڑ سکتا ہے مگر اس قدم یا کارنامہ سے ٹوٹنے والے خاموش پانی میں جو لہر پیدا ہوتی ہے اس کی زندگی اور بقا حسب طاقت اور تاثیر ہوتی ہے، جیسے آپ خاموش اور ساکت پانی میں کوئی پتھر پھینکتے ہیں تو لہریں پیدا ہوتی ہیں جو دائرہ بناتی ہوئی پھیلتی ہیں پھر ختم ہو جاتی ہیں پتھر جتنا بھاری ہوتا ہے اسی قدر اس کی لہریں بھی دور دور تک جاتی ہیں وقت اور زمانے کے اس خاموش سمندر میں تخلیق و ظہور مصطفوی سے جو لہریں اٹھی ہیں ان میں اتنی

طاقت اور ایسی تاثیر ہے کہ پھیلتی ہی چلی جارہی ہیں، یہ رکنے میں آئی ہیں نہ آئیں گی ان کا دائرہ دائم پھیل رہا ہے اور پھیلتا ہی چلا جائے گا، شاعر نے آپ ﷺ کے بارے میں کیا خوب کہا ہے(10):

لَهُ هِمَمٌ لَا مُنْتَهٰى لِكِبَارِهَا وَهِمَّتُهُ الصُّغْرٰى أَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ

یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ نے کتنے ہی عزائم اور ہمتیں عطا کی ہیں، ان میں سے بڑی بڑی ہمتوں کی تو کوئی حد ہی نہیں، ہاں آپ کی چھوٹی سے چھوٹی ہمت بھی زمانے بھر کی ہمتوں سے بڑی ہے!

ظہور مصطفوی نے وقت کے خاموش سمندر میں جو لہریں پیدا کی ہیں وہ پھیلتی ہی چلی جائیں گی اور ان کے اثرات ازل سے ابد تک ہیں کہ ازل میں سب سے پہلے نور مصطفوی پیدا فرمایا گیا اور کتاب زندہ قرآن حکیم کے معجزات تو ابد تک ظاہر ہوتے چلے جائیں گے اس لئے ازل بھی ان کا ابد بھی ان کا ﷺ۔

آپ نے کتنی زندگی گزار لی ہے؟ پیچھے مڑ کر تو دیکھیے گزرے ہوئے وقت کے خاموش سمندر میں آپ کیا کیا چھوڑ آئے ہوں گے؟ کچھ داغ! کچھ نقطے؟! مگر ان میں سے کتنے ہیں جو آپ کے لوح حافظہ پر ثبت ہیں؟! اکثر محو ہو گئے مگر کوئی ایک باقی بھی ہو گا بس اپنی اہمیت کے مطابق! یہی حال لوح تاریخ کا ہے جو وقت کے خاموش سمندر میں پیدا ہونے والی لہروں کو ریکارڈ کرتی ہے، کوئی لہر جس قدر طاقت ور اور اثر انگیز ہوتی ہے اسی قدر اس کو بقا اور دوام نصیب ہوتا ہے!

رب جبار و قدیر نے رمضان المبارک کی لیلۃ القدر میں قرآن کریم کو قلب مصطفیٰ ﷺ کی لوح مبارک پر نازل کرنا شروع فرمایا اس لیلۃ القدر کو ہزار مہینے سے افضل و بہتر قرار دیا مگر یہ صرف ایک ہزار نہیں بلکہ یہ تو زمانے کی ہزاروں کروڑوں راتوں سے بھی افضل و بہتر رات ہے، نہیں بلکہ اس کے برابر اور ہم پلہ تو کوئی اور رات ہو ہی نہیں سکتی! بھلا جس رات کو کتاب زندہ قرآن کریم کے نزول کا نقطہ آغاز ہونے کا شرف حاصل ہے اس کا احاطہ

کیسے ممکن ہے، کتاب زندہ جس نے انسانیت کا مقدر سنوار دیا اور وقت کا دھارا بدل کر رکھ دیا، یہی کتاب زندہ قرآن حکیم سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا زندہ و پائندہ معجزہ ہے مگر بہت سے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے!!۔

وہی کتاب لاثانی جس نے صحرانشینوں کو علوم و معارف کا مالک بنا دیا اور وہ بقول اقبال (11) ؎

"از کتابے صاحب دفتر شدند!"

وہی صحیفہ انقلاب جس نے تاریخ کا رخ ہی نہیں بدلا تاریخ کو راستہ بھی دکھایا ہے، اسی کتاب نے علم و تہذیب کا غلغلہ بلند کیا، علم آزاد ہو کر انسان دوست چراغ نور بن گیا اور انسانیت دوست تہذیب کی بنیاد پڑی جو انسانوں کو صرف مہذب ہی نہیں بناتی بلکہ ان کی دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی سنوار دیتی ہے، اعتدال و توازن کی ایسی صراط مستقیم روشن کی جو وحدت و مساوات اور احترام آدمیت اور آزادی سے بھی ہمکنار کرتی ہے مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ بندہ کو اپنے رب سے بھی ملا دیتی ہے، اعتدال اور توازن کی ایسی راہ جس میں موسوی قہر و جلال بھی ہے کہ مجرم کیفر کردار کو پہنچے مگر اس میں شفقت و رحمت عیسوی بھی ہے کہ عفو و درگزر سزا اور انتقام سے افضل و بہتر ہے! فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ "جس طرح اس نے تم پر جارحیت کی ہے تم بھی کرو مگر اتنی ہی جتنی اس نے کی ہے"۔ لیکن اگر عفو و درگزر سے کام لو تو هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ "وہ تمہارے لئے افضل اور بہتر ہے" اور مومن کی بھی یہی شان ہے اس لئے اس کے جلال سے ڈرتے رہو مگر اس کے جمال سے بھی توقع رکھو!!۔

(۲) شعراء اور فلاسفہ کتاب کائنات کے اول و آخر کے بارے میں اپنے اپنے خیال کے دائروں میں گم ہیں، کسی کو کچھ معلوم نہیں اسی لئے گزرے ہوئے کل کے بارے میں تو پردہ حیرت میں ہیں ہی آنے والے کل سے بھی وہ آگاہ نہیں اس لئے یہی کہتے سنے گئے ہیں کہ:

اول و آخر ایں کہنہ کتاب افتادہ است "اس پرانی کتاب کا پہلا اور آخری ورق کہیں کھو گیا ہے"۔

مگر ہم اس تحیر سے آزاد ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک اس کتاب کائنات کا حرف اول بھی اور ابتداء بھی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں اور اس کی انتہا اور حرف آخر بھی وہی ذات پاک ہے ﷺ! چنانچہ ان کا ارشاد گرامی ہے کہ اول ما خلق اللہ نوری " کہ میرے اللہ نے میرے نور نبوت کی تخلیق سے ہی اپنی مخلوق کا آغاز فرمایا"۔ یہ بھی ان کا فرمان ہے کہ "تخلیق کے لحاظ سے میں سب سے پہلا نبی ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری نبی ہوں" اور یہ بھی کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی پانی اور گارے کے درمیانی مرحلے میں تھے" اور سرکار ﷺ کا یہ ارشاد بھی بجا اور سب کو معلوم ہے کہ "میں اللہ کا آخری نبی ہوں میرے بعد اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا"۔

یوں آپ نبوت و رسالت کی خشت اول بھی ہیں اور آخری بھی، نبوت و رسالت کے نقطہ آغاز کا شرف بھی آپ ہی کو نصیب ہوا اور اس کا تکمیلی کردار بھی آپ کو سونپا گیا، اس لئے کلام نبوی میں منصب رسالت کو ایک عمارت سے تشبیہ دی گئی جو خشت اول کے بعد مکمل ہو گئی مگر ایک اینٹ کی جگہ رہ گئی تھی، میرے آنے سے یہ خالی جگہ پر ہوگئی اور نبوت و رسالت کی یہ عمارت مکمل ہوگئی!

تمام انبیائے کرام کی دعوت حق ایک ہی تھی کہ انہیں مبعوث کرنے والا رب ذوالجلال بھی ایک ہی ہے یہ دین حق اسلام ہی تھا جس کی ذمہ داری کبھی نوح، کبھی ابراہیم، کبھی موسیٰ اور کبھی عیسیٰ علیہم السلام کو سونپی گئی تاہم ان کی دعوت دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکی اور تحریف کی زد میں آتی رہی کہ اللہ کی حکمت ہی یہی تھی مگر یہی دعوت اسلام جب مصطفیٰ ﷺ کے سپرد ہوئی تو اس کی حفاظت کا سامان کیا گیا۔ قلب مصطفیٰ ﷺ کی لوح مبارک پر نقش ہوئی اور رب نے یوں نقش فرمائی کہ کبھی مٹ نہ سکی سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى "یہ قرآن تجھے ہم یوں سکھائیں کہ کبھی بھولنے کا نہیں)، چالیس سے زائد مقرر شدہ کاتبان وحی اسے الگ سے قلمبند کر رہے تھے۔ مرکز نبوت میں الگ سے محفوظ کیا جا رہا تھا مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ اہل علم کے سینوں میں مستقل طور پر محفوظ کیا جا رہا تھا، ان اہل علم کی تعداد کبھی سینکڑوں میں

تھی پھر ہزاروں لاکھوں سے ہوتے ہوئے آج کروڑوں میں ہے۔اس لئے شیطانی قوتیں اسے آگے سے نہیں روک سکتیں اور نہ اسے دائیں بائیں سے کوئی گزند پہنچا سکتی ہیں، یہ دعوت اسلام بالکل محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت بھی یہی ہے، اس لئے خود فرمایا کہ یہ کتاب حق ہم ہی نے نازل کی ہے اور اس کی حفاظت بھی ہم نے ہی کرنا ہے!!

''اقرأ'' کے علمبردار نبی العلم ﷺ پر نازل ہونے والی یہی کتاب علم تھی جس نے آدمی کے ساتھ ساتھ علم کا بھی بول بولا کر دیا اور اقبال نے کہا (12):

تو نمی دانی کہ آئین تو چیست؟ زیر گردوں سر تمکین تو چیست؟
آں کتاب زندہ قرآن حکیم حکمت او لا یزال است و قدیم
نسخۂ اسرار تکوین حیات بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرف او را ریب نے تبدیل نے آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
پختہ تر سودائے خام از زور او در فتد با سنگ جام از زور او
می برد پابند و آزاد آورد صید بنداں را بفریاد آورد
نوع انسان را پیام آخریں حامل او رحمۃ للعالمیں
ارج می گیرد ازو نا ارجمند بندہ را از سجدہ سازد سر بلند
گر تو می خواہی مسلمان زیستن نیست ممکن جز بقرآں زیستن!

ترجمہ: (۱) کیا تجھے پتہ ہے تیرا آئین کیا ہے! آسمان کے نیچے تیرے اقتدار کا راز کیا ہے؟
(۲) وہ زندۂ جاوید کتاب جسے حکمت بھرا قرآن کہتے ہیں وہ جس کی حکمت دائمی اور قدیم ہے۔
(۳) وہ قرآن جو زندگی کی تشکیل کا نسخہ ہے جس سے بے ثبات کو ثبات اور پختگی ملتی ہے۔
(۴) اس کے کسی حرف میں نہ شک ہے نہ تبدیلی ہوئی ہے اور اس کی آیات کو کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔
(۵) اس کی طاقت سے ناپختہ خیالات کو پختگی حاصل ہوتی ہے، اس کے زور سے جام کو پتھر

سے ٹکرانے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔

(۶) یہ قرآن کریم پابندیوں کو ختم کرتا ہے اور آزادی دلاتا ہے اور قید کا شکار انسانوں کی فریاد رسی کرتا ہے۔

(۷) یہ نوعِ انسانی کے لئے اللہ کا آخری پیغام ہے جس کے حامل نبی آخر الزمان ﷺ جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔

(۸) اگر کوئی بدنصیب ہو تو وہ اس کتاب حق سے خوش نصیب بن جاتا ہے اور یہ کتاب انسان کو وحدہ لاشریک کا بندہ بنا کر عزت و سربلندی سے ہمکنار کر دیتی ہے۔

(۹) ڈاکو اور راہ زن اسے حفظ کر کے قائد و رہنما بن گئے اور ایک کتاب کے طفیل ذخیرۂ علوم و معارف کے مالک بن گئے۔

(۱۰) اگر اے مسلمان تو اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی آرزو رکھتا ہے تو پھر یہ زندگی تجھے قرآن کریم کے بغیر نہیں نصیب ہو سکتی!!۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و کبریائی کو منوانے کے لئے اس کائنات اور مخلوق کو وجود بخشا، جیسا کہ بعض آثار و اقوال صوفیہ سے ثابت ہے، چنانچہ مبعوث ہونے والے ہر نبی و رسول نے اپنی قوم کو یہی پیغام دیا اور کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس لئے تم صرف اسی کی عبادت کیا کرو، مگر انبیائے سابقین کی اقوام و امم نے توحید باری تعالیٰ کو نہ مانا اور نہ سمجھا، سیدنا موسیٰ کلیم اللہ کی قوم فرعون سے آزاد ہونے کے احسان کو بھی بھول گئی اور اپنے دو نبیوں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام۔ کی موجودگی میں شرک و بت پرستی کے لئے دیوانے ہو گئے، سامری کے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی، کسی بت پرست قوم کے پاس سے گزرے تو اپنے نبی سے مطالبہ کیا کہ ان لوگوں جیسے بت ہمیں بھی لا دو تا کہ ہم انہیں پوج سکیں! سیدنا مسیح بن مریم علیہما السلام پر صرف بارہ یہودی ایمان لا سکے اور ان کے حواری بننے کی حامی بھری مگر ان میں سے بھی ایک غدار نکلا اور وعدہ معاف گواہ بننے کے لئے تیار ہو گیا، دوسری طرف نمرود، فرعون اور شداد جیسے حقیر حکمران خدائی کے

دعویدار بن گئے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں خدا کا صحیح تصور جاگزیں نہ ہو سکا تھا، جھوٹے دعوے سے خدائی مل جاتی تھی اور لوگ ان کے سامنے سربسجود ہونے لگتے تھے مگر وہ جو اول بھی ہے آخر بھی جو نبی الانبیاء ہے اور ختم الرسل ﷺ بھی ہے تو ان کی بعثت سے اللہ تعالیٰ کا وجود برحق اور شان توحید انسانوں کے لئے کھل کر واضح ہو گئی ہے، قرآن کریم نے معبودان باطل کے پول کھول دیئے، اللہ تعالیٰ کے وجود پر اور پھر اس کی وحدانیت پر ایسے ایسے قوی، عام فہم اور آسان دلائل قائم کیے گئے کہ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا وجود، عظمت اور کبریائی کھل کر واضح ہو گئی اور اب نمردوں، فرعونوں اور شدادوں جیسی بے بس اور حقیر مخلوق کے لئے خدائی کے دعوے ناممکن بلکہ شرمناک معلوم ہوتے ہیں قرآن کریم کے پیغام حق نے گوشت پوست کے انسانوں کو عقیدۂ توحید کے طفیل فولادی عزم عطا کر دیا! یہی عقیدہ توحید تھا جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے کسی طاقت کو نہ ٹھہرنے دیا، یہ عقیدہ انسان کو دو ہیبت ناک دشمنوں خوف اور لالچ سے بھی نجات دلاتا ہے اور وہ ایک ایسا موحد بن جاتا ہے جو کسی خوف یا لالچ کو خاطر میں نہیں لاتا اور وہ شیخ سعدی کی اس خوبصورت رباعی کی عملی تصویر بن جاتا ہے کہ (13):

موحد چہ در پائے ریزی زرش | چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نبا شدزکس | برین است بنیاد توحید و بس!

اور یہی وہ جواب تھا جو سیدنا مصطفیٰ ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں کفار کی اس پیشکش کے موقع پر دیا تھا کہ ہم آپ کو معزز سے معزز گھرانے کا داماد بنانے اور تمام دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر کے آپ کو اپنا حاکم ماننے کے لئے بھی تیار ہیں، پس آپ ہمارے بتوں کو برا نہ کہیں اور توحید حق کا پرچار چھوڑ دیں مگر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ چچا جان! یہ لوگ اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو تب بھی میں توحید باری تعالیٰ کے اعلان حق سے باز آنے والا نہیں ہوں!! تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و کامیابی سے سرفراز فرمایا اور آخری حج یا

حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں آپ کے ساتھ ایک لاکھ چالیس ہزار ایسے موحد جمع ہو گئے تھے جنہوں نے صرف ربع صدی کے اندر جزیرۂ عرب کو مشرکین سے پاک کر کے وقت کی دو سپر پاورز، روم و ایران کو الٹ پلٹ کر کے تین براعظموں پر ایک ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کر دی تھی جو آج بھی دنیا کے لئے بے مثال و بے نظیر نمونہ ہے! انہی توحید پرستوں نے علم کی ایسی شمع روشن کی جس نے دنیا میں اجالا کر دیا! انہی ہستیوں نے ایک ایسی تہذیب پیش کی جو اخوت و مساوات، آزادی، باہمی تعاون، ذمہ دارانہ رویہ اور خیر و فلاح پر قائم تھی! جہاں ہر ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونا اپنا ایمان تصور کرتا تھا! یہی وہ پس منظر ہے جس نے عصر حاضر کے ایک مستشرق مائیکل ہارٹ کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ آپ ہی تاریخ انسانی کے واحد مصلح ہیں جو مادی اور روحانی دونوں محاذوں پر یکساں طور پر کامیاب ہیں اس لئے تاریخ انسانی کا سب سے بڑا آدمی قرار پانے کا بھی وہی حق رکھتے ہیں۔(14)!!

4۔رسول اعظم و آخر ﷺ کی بعثت و ظہور سے رسالت اور نبوت کا مرتبہ و مقام بھی واضح طور پر متعین ہو گیا اور دنیا کو شان مصطفوی سے معلوم ہو گیا کہ نبی اور رسول کیا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نظام میں انبیائے کرام نے کتنا اہم اور کتنا بلند کردار ادا کیا، نبی کے ذمہ امت کی تعلیم اور تربیت ہوتی تھی اور انسان کا تعلق اس کے رب سے جوڑنا ہوتا تھا، یہ کام جس شان سے نبی آخر الزمان ﷺ نے انجام دیا، جو محبت و احترام آپ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو دیا وہ پہلے کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا، قرآن کریم نے انبیائے سابقین کی نبوتوں کی جس طرح تصدیق کی اس سے نبوت کا وقار اور احترام بہت بلند ہو گیا، سیدنا مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ پر یہود نے بے سروپا تہمتیں باندھ رکھی تھیں قرآن کریم نے ان کی عفت و پاکدامنی اور عصمت کی گواہی دے کر سیدہ مریم اور ان کے فرزند کی شان بلند کر دی! مقام رسالت کی اس قابل رشک بلندی اور عظمت نے خدائی کے دعووں کو تو مات کر ہی دیا تھا مگر اب لوگ نبوت کے جھوٹے دعوے بھی کرنے لگے تھے اس میں

یہودیوں کے حسد اور عداوت کو بھی بڑا دخل ہے تاہم رسالت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا اور نہ بگاڑ سکے گا!!۔

5۔ یہ حقیقت ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے احترام آدمیت کا نام بھی نہ تھا مگر حقوق انسانی کا جو ضابطہ اسلام نے دیا، بشریت کی جس وحدت، اخوت اور مساوات بلکہ مساوات مرد وزن کو جس طرح اسلام نے دنیا سے منوایا اور اس پر عمل کروایا، ولقد کرمنا بنی آدم "ہم نے اولاد آدم کو احترام دیا"۔ میں احترام آدمیت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ سے منسوب کیا ہے جس سے حقوق انسانی اور آدمیت کے احترام و آزادی کی اسلام میں جو اہمیت ہے وہ کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ "کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر بنایا ہے"۔ میں جمال انسانیت کے ساتھ کمال آدمیت کا اعلان بھی ہے! دنیا کے سائنس دان مانتے ہیں کہ کائنات میں انسان سے برتر، انسان سے خوبصورت اور اولاد آدم سے بہتر اور کوئی مخلوق نہیں ہے، مگر قرآن کریم صدیوں پہلے اس اشرف المخلوقات کی عظمت و تکریم کا اعلان کر چکا ہے، رسول عربی ﷺ نے اپنے قول و عمل سے اولاد آدم کا بول بالا کر دیا ہے! یہ قرآن ہی ہے جس نے لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ "دین اور عقیدہ کے معاملہ میں کسی پر کوئی جبر نہیں کیا جا سکتا" اور مسلمان از روئے قرآن آزادی رائے اور آزادی عمل کا پابند ہے!!۔

6۔ ظہور مصطفوی سے پہلے جس وحدت نسل انسانی، مساوات اور اخوت کا کسی نے نام بھی نہیں سنا تھا اسے عقیدہ و ایمان کا حصہ قرآن کریم کی تعلیمات نے قرار دیا، آج تو سائنسی تحقیق نے جینز کی بنیاد پر یہ ثابت اور تسلیم کر لیا ہے کہ تمام انسان، عرب و عجم، گورے کالے سب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اور ان کی اصل، نسل، زبان، خاندان اور جینا مرنا ایک ہی تھا مگر رسول عربی ﷺ نے تو چودہ صدیاں پہلے ہی حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں ہی یہ اعلان حق فرما دیا تھا! اس وحدت و مساوات میں مرد و زن سب برابر کے شریک ہیں، آج تو دنیا حقوق نسواں کو ایک نعرہ سمجھ کر اٹھائے پھرتی ہے اسلام نے تو صدیوں پہلے

عورت اور مرد کو حقوق و فرائض میں برابر قرار دے دیا تھا، عورت کی وراثت اور حق ملکیت اس وقت منوایا اور اس پر عمل کروایا جب لوگ اس سے آگاہ بھی نہ تھے، آج تو دنیا میں حقوق انسانی کا تحفظ کرنے والی انجمنوں کی تعداد ہی کسی حساب میں نہیں آتی مگر جب آزاد انسانوں کو پکڑ کر غلام بنا لیا جاتا تھا اور پھر بینڈ باجے بجوانے کے لئے ان کے ہاتھوں کے پنجے کاٹ دیئے جاتے تھے تاکہ ڈھول یا دف بجانے کے لئے کسی دستے کی ضرورت ہی نہ پڑے اور خوراک دیئے بغیر ان سے کام لیا جاتا تھا اس وقت غلام آزاد کرنے کو کار ثواب اور آزاد کو غلام بنانے والے کو ملعون قرار دینے والے رسول عربی ﷺ کو انصاف پسند دنیا کیا مقام دے گی؟ آج دنیا کے کونے کونے میں غار حراء سے پھوٹنے والی کرن کی روشنی تمام دنیا میں پھیل چکی ہے مگر ظہور مصطفوی سے پہلے تو دنیا حقوق انسانی کے نام سے بھی شناساں نہ تھی! علم و تہذیب کی اس روشنی کا اولین اور حقیقی کریڈٹ صرف اور صرف رسالت محمدی ﷺ کا حق ہے!!! اب تو دنیا خواہی نخواہی یہ سب کچھ کم سے کم زبانی حد تک تو قبول کر چکی ہے اگرچہ بعض شیطان روحیں ابھی بھی یہ سب کچھ دل سے ماننے کے لئے تیار نہیں مگر غیر ارادی طور پر یہ سب کچھ ماننا پڑ رہا ہے، اس لئے یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم اور اٹل ہے کہ اس سب کچھ کے عطا کنندہ اور اولین علمبردار تو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہی ہیں!

7۔ یہ دوسرا تمہیدی باب ختم کرنے سے پہلے ایک نہایت ناگزیر مگر بے حد تلخ حقیقت کا بیان واظہار بھی ہو جائے، تاکہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے براہ راست ذکر پاک سے پہلے آمنہ کے لال ﷺ کی حقیقی عظمت اور مقام کا ایک اندازہ بھی ہو جائے، یہ بات غلط نہیں کہ اضداد کا وجود، یعنی ایک شی اور اس کی متقابل ضد کا وجود۔ نظام قدرت کی حکمت بھی ہے اور ضرورت بھی بقول عرب شاعر ابو الطیب المتنبی "وبا ضدادھا تتبین الاشیاء" (یعنی چیزیں اپنی ضد اور مقابل سے زیادہ واضح ہو کر سامنے آتی ہیں!) رحمانی نظام کے مقابلے میں شیطانی شر و فساد کے موجود ہونے میں بھی شاید یہی حکمت یا راز مضمر ہو؟! رات کے مقابلے میں دن ہے، گرمی کی ضد سردی ہے اور راحت کے مقابل مشقت ہے یا مٹھاس کے

مقابل کڑواہٹ ہے تو اس لئے ان کا الگ الگ احساس اور مشاہدہ ہوسکتا ہے تو ہر ایک کی قدر و قیمت نکھر کر سامنے آتی ہے، حق کے مقابلے میں اگر باطل نہ ہوتا تو حق کی حقانیت اور آخری غلبہ و فتح کا صحیح اندازہ مشکل بلکہ ناممکن ہوتا، حق اور باطل اپنے اپنے نتائج و ثمرات سے پہچانے جاتے ہیں، باطل بظاہر کامیاب ہو کر بھی اپنے انجام اور ثمرات کی تلخی و فساد کے باعث نامرادی رہتا ہے مگر حق بظاہر شکستہ اور مغلوب ہو کر بھی درحقیقت باطل کی شکست و نامرادی اور انجام بد کا سامان کر جاتا ہے مولانا محمد علی جوہر کے اس شعر سے حق و باطل کی بامرادی و نامرادی کا راز کھلتا ہے اور کیا خوب کھلتا ہے:

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد!!

جس طرح اقبال کے الفاظ میں روز ازل سے آج تک "چراغ مصطفوی" اور "شرار بولہبی" کے درمیان "ستیزہ کاری" کا سلسلہ جاری و ساری ہے اسی طرح سیدنا مصطفیٰ ﷺ کے دین حق اسلام اور اس کے حاسدین و معاندین کے درمیان معرکہ آرائی کبھی کھلی اور کبھی پوشیدہ مگر ہمیشہ سے جاری و ساری ہے، لیکن ان دو اضداد فطری کے درمیان اس ستیزہ کاری و معرکہ آرائی میں بالآخر فتح مندی اور برتری دین مصطفوی کا مقدر رہی ہے اور آخری فیصلہ کن فتح تک یہ سلسلہ جاری رہے گا خواہ حاسدین و معاندین کے حملوں میں کتنی ہی شدت اور قوت پیدا ہو جائے کاروان مصطفوی منزل حق کی طرف پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ بڑھتا ہی رہے گا۔

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے!

بات یہ تھی کہ مسیح بن مریم علیہما السلام کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد کی پانچ چھ صدیوں کے زمانہ فترت میں ظلم و جہالت کی تاریکیوں اور وقت کی دو سپر طاقتوں، روم و ایران، کے درمیان بیس تیس سالہ جنگ نے بحر و بر میں وہ فساد مچا دیا تھا کہ انسانوں کے لئے عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا اور وہ نبی منتظر کی راہ کو بڑی بے قراری و اضطراب سے تکنے لگے تھے، نبی آخر الزمان ﷺ کے متعلق ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعائیں، تورات موسوی میں

محرف ہونے کے باوجود بھی پیشین گویاں باقی رہ گئی تھیں اور اناجیل یا بشارات مسیح علیہ السلام میں واضح خوشخبریاں موجود تھیں اور سب اہل کتاب کے علاوہ اہل عرب میں سے اصحاب فکر و دانش کو بھی یہ سب کچھ معلوم تھا بس فرق یہ تھا کہ احبار یہود نبی منتظر کے بارے میں بہت فکر مند تھے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ تورات میں موسوی پیشین گوئی کی رو سے آنے والا سرزمین حجاز کے کوہ فاران سے جلوہ گر ہوگا مگر بایں ہمہ آرزومند تھے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہو، جب کہ بشارات (اناجیل) میں چونکہ زبان عیسوی سے اسم پاک محمد ﷺ اور احمد ﷺ ادا ہوا تھا اور ابھی تک تحریف سے محفوظ تھا اس لئے مسیحی راہب آنے والے کے نہ صرف یہ نام لوگوں کو بتاتے تھے بلکہ ان کا وطن اور ان کی علامات بھی بتاتے تھے چنانچہ بعثت وظہور نبوی سے حجاز کے یہودیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور آرزوئیں حسرتوں میں بدل گئیں، یہاں سے وہ تصادم شروع ہوا جس کا سبب حسد و عناد ہے، یہ حسد اور عناد مشرکین مکہ کے اندر بھی تھا اور سرزمین عرب میں موجود یہودیوں کے دلوں میں بھی تھا قرآن کریم نے اس تاریخی تصادم اور حسد و عناد کی نشاندہی بھی کر دی تھی کہ (15):

> ''آپ یقیناً دیکھیں گے کہ اہل ایمان کے دو گروہ شدید ترین دشمن ہیں، ایک یہودی اور دوسرے بت پرست مشرکین!!''۔

اس عناد و مخاصمت کے واضح اسباب ہیں جن میں سے تین بہت نمایاں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ اسلام کی دعوت حق کا پہلا نقطہ توحید باری تعالیٰ ہے، دوسرا نقطہ رسالت مصطفوی ہے اور تیسرا نقطہ وحدت نسل انسانی ہے، یہ تینوں نقطے نہ یہود کو گوارا ہیں اور نہ بت پرست مشرکین کے لئے قابل برداشت ہیں چنانچہ بت پرست مشرکین اور یہودیوں کے درمیان اور توحید و مساوات کے قائل مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ تصادم اور ستیزہ کاری رہی ہے اور رہے گی، چنانچہ شروع میں مکہ کے بت پرست مشرکین اور سرزمین حجاز میں موجود یہودیوں کا اہل اسلام کے خلاف اتحاد و تعاون تھا اور آج بھی اسرائیل کے صیہونیوں اور بھارت کے بت پرستوں کے درمیان اسلام خصوصاً پاکستان کے خلاف اتحاد و تعاون موجود ہے!

گویا یہود اور مشرکین اسلام کی ضد ہیں اور یہی اس تاریخی تصادم کا سبب ہے اسلام نے ہر زمانے میں یہودیوں کو پناہ دی ہے اور انہیں مظالم کے خلاف سہارا دیا ہے ہندو بھی اسلام کے سایہ میں ایک ہزار سال تک عزت سے رہے جتنے مظالم بھارت میں ہندوؤں نے پچاس سالوں میں اپنی مسلم اقلیت پر کیے ہیں مسلمانوں نے ان پر اپنے ایک ہزار سالہ دور حکومت میں بھی نہیں کیے تھے۔ مگر اس سب کے باوجود یہ دو گروہ۔ بت پرست اور یہودی، خصوصیت کے ساتھ یہودی خفیہ اور علانیہ اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہے ہیں! یہ الگ بات ہے کہ ان کی ہر سازش اور ہر معرکہ کے بعد قدرت نے اسلام کو سرخرو کیا اور یہود و ہندو کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں ناکام ہوئی ہیں جیسے جیسے علم اور تہذیب ترقی کر رہے ہیں اور لوگ صرف سچ اور حق کے متلاشی بنتے جا رہے ہیں، اسی قدر یہ منصف مزاج لوگ ہر موڑ پر سچائی معلوم کر کے اسلام کی طرف راغب بھی ہوتے جا رہے ہیں!

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عصر حاضر میں معاندانہ طوفان بھی انہی لوگوں کا اٹھایا ہوا ہے، یہ دونوں گروہ، مشرکین و یہود، وقت کی واحد مسیحی طاقت، انکل سام کو عالم اسلام سے ٹکرانے پر اکساتے رہتے ہیں تاکہ اسلام کو نابود کرادیں اور مسلمانوں کو مٹا دیں مگر یہ طوفان بلاخیز اپنے اٹھانے والوں کے لئے حسرت بنتا جا رہا ہے، مکروفریب کے جال کا تار و پود بکھر کر رہے گا، مغرب اور امریکہ کی مسیحی دنیا پنجہ یہود سے رہائی پانے والی ہے اور علم و تہذیب کی روشنی سے منور مسیحی مغرب حقیقت حال معلوم کرنے کی طرف راغب نظر آتا ہے! تاریخ نے یہ منظر پہلے بھی دیکھا ہے کہ ناکام صلیبی مغرب کے اکسانے پر جس ہلاکو خان نے بغداد ویران کیا تھا اسی کا پڑپوتا غازان خان مسلمان ہو کر عالم اسلام کا پاسبان بن گیا تھا اور (اقبال کے الفاظ میں یہی منگول کعبہ کے وہ پاسبان ہیں جو صنم خانہ سے مل گئے تھے) اسی کے قبیلے کے عثمانی ترک چار صدیوں تک طوفان استعمار کے سامنے سد سکندری بن کر ڈٹ گئے تھے، کیا عجب کہ یہی مغرب اسلام کا علمبردار بن جائے!

ایک انوکھا فینامنا قابل غور ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسانیت کی بہتری کے لئے اسلام کی اعلیٰ اقدار کو تو دنیا بلا چون و چرا مان رہی ہے! عدل، آزادی، مساوات، انسانی حقوق وغیرہ یہی اصول تو اسلام کی بنیادوں میں سے ہیں، انہیں اگر اقوام متحدہ کے ذریعہ ہی دنیا اپنا لے تو اسلام کا کام تو ہو گیا! بالآخر دنیا یہ بھی مان ہی لے گی کہ یہ اعلیٰ اقدار انسانیت کو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے ہی سب سے پہلے عطا کی ہیں!!

تو جس رسول اعظم و آخر ﷺ نے انسانیت کو یہ سب کچھ دیا ہے، جس کی شان یہ ہے کہ وہی اول بھی ہیں اور وہی آخر بھی۔ جس کے لئے خدا نے ازل میں تمام ارواح انبیاءِ سے نصرت و اتباع کا عہد لیا تھا، جس کے طفیل اللہ تعالیٰ کی توحید اور مقام رسالت کی صحیح اور مکمل شناخت ہوئی، جو محبوب رب العالمین بھی ہے، رحمۃ للعالمین بھی، اول النبیین بھی وہی ہے اور خاتم النبیین بھی وہی، اس رسول اعظم و آخر ﷺ کو جنم دینے والی اپنی مقدس گود میں کھلا کر اسے محسن انسانیت، سردار انبیاء اور اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ہونے کے قابل بنانے والی ماں کی عظمت و خوش نصیبی کیا ہو گی؟ اس لئے اب لازم ہو گیا ہے کہ تاریخ کی اس عظیم ترین ماں اور خوش نصیب ترین خاتون کی پیاری شخصیت اور پاک سیرت سے آگاہی حاصل کی جائے!!

چار اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے آبائے عظام

ہماری اس مختصر سی کتاب کا اصل موضوع تو سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا، والدہ ماجدہ سیدنا مصطفیٰ ﷺ ہیں اور موضوع کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ براہ راست اسی پر ہی بات کی جائے، خصوصاً اس صورت میں کہ دو وافی و شافی تمہیدی ابواب بھی پہلے ضبط تحریر میں لا کر شامل کیے جا چکے ہیں، مگر بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے اور آگے بڑھانے کے لئے بعض متعلقات موضوع بھی افادیت سے خالی نہیں ہوتے، چونکہ تاریخ کے چار عظیم اور اولوالعزم انبیائے کرام، سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ، سیدنا موسیٰ کلیم اللہ، سیدنا عیسیٰ روح اللہ اور سیدنا محمد حبیب اللہ علیہم الصلوات والتسلیمات کی امہات طیبات کی سیر و شخصیات کا تقابلی مطالعہ پیش کرنا ضروری سمجھا گیا ہے تو اس لئے ان کے آبائے طاہرین کے مختصر اور اجمالی احوال سے بھی بات کو آگے بڑھانے میں یقیناً مدد ملے گی۔

اس کتاب کے تصنیفی نقطہ نظر کے بنیادی اسباب میں سے دو بہت اہم اور نمایاں ہیں، سب سے نمایاں اور پہلا سبب یہ ہے کہ تخلیق کے ضمن میں اللہ جل شانہ کی سنت یہ رہی ہے کہ اس نے حواء کی تخلیق پر آدم علیہ السلام کی تخلیق کو مقدم رکھا ہے، اس نظام قدرت کی بدولت عورت پر مرد کو فضیلت اور برتر درجہ عطا کیا گیا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی مفر نہیں اور اس کا انکار عقل و دانش کے بھی خلاف ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سیدنا آدم ابوالبشر کو پیدا فرمایا اور پھر اس کے بعد ان کی وحشت تنہائی کو رونق انسیت میں بدلنے کے لئے سیدہ حواء سلام اللہ علیہا کو پیدا کیا اس پر قرآن کریم سمیت تمام صحف سماویہ کا اتفاق ہے۔ تو یوں یہ حقیقت عقلاً اور نقلاً دونوں طرح ثابت ہو جاتی ہے۔

ہمارے اس تصنیفی نقطہ نظر کا دوسرا اہم اور نمایاں سبب یہ نظر آتا ہے کہ اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب زندہ قرآن حکیم میں یہ جو حکمت بیان فرمائی

ہے کہ بچے کی ولادت تک اور پھر ولادت کے بعد سے لے کر طفولت، جوانی اور پھر تا زندگی جو بوجھ، جو ذمہ داری اور جو شفقت ورافت والدہ کے حصہ میں آتی ہے وہ بے نظیر و بے مثال ہے اس لئے کتاب عزیز نے ماں کے اس امتیاز کو تفصیلی، مکرر اور تاکیدی انداز میں ذکر کیا ہے(1)، یہ سب کچھ والدہ کے مرتبہ کو بہت بلند کر دیتا ہے اور ماں کے اس مرتبہ و مقام کو جو نہیں مانتا وہ فاسق اور زندیق ہے۔ ہم اس حقیقت پر بھی غیر متزلزل ایمان رکھتے ہیں کہ سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے اپنے ارشادات میں ماں کی خدمت، احترام، دلجوئی، محبت اور اطاعت کے جو احکام دیئے ہیں وہ برحق اور ہمارے ایمان کا حصہ ہیں، ان سب کے سامنے ہمارا سر تسلیم خم ہے، ماں کی خدمت، خوشنودی اور دلجوئی باپ پر مقدم ہے! لیکن اس سب کے باوجود بھی باپ کی شان اور مرتبہ میں کمی ہرگز نہیں آتی اور نہ یہ دین فطرت اور شرع ربانی کا مقصد ہے، تہذیب مغرب کا ڈھنڈورا پیٹنے والے اس ارشاد ربانی کا جواب نہیں لا سکتے کہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ "مرد ہی عورتوں کے ذمہ دار و نگران ہیں"۔ مادر پدر آزادی نسواں اور نام نہاد روشن خیالی نے عورت کو شمع محفل بنایا پھر آزادی کے نام پر عورت سے سب کچھ چھین لیا ہے، عورت اگر شمع محفل ہی بنی رہتی تو شاید بات گوارا ہوتی مگر اس خوشنما مغرب نے عورت کو صرف شمع محفل نہیں رہنے دیا بلکہ اب وہ اسے "ہوس محفل" تک لے گئے ہیں اور اب تو بقول سید محمد قطب مغرب نے عورت سے ممتا کا حق بھی چھین لیا ہے ستر فی صد سے زائد غیر قانونی بچوں کو اب ممتا کی شفقت کون لا کر دے گا؟! ممتا کی ماری کو تو اب اکیسویں صدی پرانے جاہلیت کے دور میں لے گئی ہے! پچاس سے ساٹھ فی صدی تک مرد و زن ایک ساتھ رہتے اور زندگی گزارتے ہیں مگر وہ اپنے پیدا ہونے والے بچوں کے ماں باپ کہلانے کے لئے تیار نہیں! اتنی غیر ذمہ دارانہ روش تو جانور بھی اختیار نہیں کرتے!۔

روشن خیالی اور آزادانہ ہوس کاری کے علمبردار کچھ بھی کر لیں وہ برابری کے دعوے سے عورت کو مرد نہیں بنا سکتے! قانون فطرت کو کوئی نہیں بدل سکتا قدرت نے جانوروں کی مادہ کو بھی نرم و نازک اور نر کے مقابلے میں مادہ کو نرمی و نزاکت کے علاوہ حسن و کشش کا مالک بھی

بنایا ہے، اشرف المخلوقات میں تو قدرت نے اس فرق کو اور بھی زیادہ نمایاں رکھا ہے اور یہ فرق خوشنما نعروں اور پر کشش دعووں سے نہیں مٹ سکتا! بلاشبہ مرد اور عورت زندگی کے دو پہیے ہیں اور ہم بھی اسے مانتے ہیں مگر دونوں پہیے ایک طرف لگ گئے تو گاڑی کیسے چلے گی؟! اصل برابری حقوق و فرائض کی برابری ہے جو اپنی اپنی جگہ لینے سے پورے ہو سکتے ہیں ایک دوسرے کی جگہ چھیننے سے تو فساد ہی مچے گا!

اسی لئے سیدہ آمنہ کے لال ﷺ نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں اور اس سلسلے میں جو اصول دیئے ہیں وہ اپنی جگہ اٹل بھی ہیں، بے مثل بھی اور قابل عمل بھی! مگر دنیا والے عورت کو یہ حقوق تو دینے کے لئے تیار ہی نہیں البتہ روشن خیالی اور آزادی نسواں کے گمراہ کن اور کھوکھلے دعووں سے مسلمان عورت کو شمع محفل کے رستے ہوس محفل بنا کر اسے بھی اسی دلدل میں پھینکنا چاہتے ہیں جس میں مغربی عورت کو دھکیل دیا گیا ہے! مغرب کے دانا اور دانشور تو اپنی عورت کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے جتن کر رہے ہیں مگر یہ لوگ اب مسلمان عورت کو شمع محفل بنا کر ہوس محفل کا نخچیر بنانے کی سعی غیر مشکور کے مرتکب ہو رہے ہیں مگر حقیقت کو دیکھنے دکھانے کے لئے تیار نہیں! ہوس محفل کا شکار ہو کر مغربی عورت سب کچھ کھو چکی ہے اور اب شاید مشرق کی باری ہے!

یہ حقائق اس بات پر مجبور کر رہے ہیں کہ ہم محسن انسانیت رحمۃ للعالمین ﷺ کی والدہ ماجدہ محسنہ انسانیت سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے ذکر پاک کی بات کو آگے بڑھانے اور ان اولوا العزم انبیائے کرام کی امہات طیبات کے ذکر سے پہلے ان کے آبائے طاہرین کی زندگیوں کا اجمالی خاکہ بھی ذہن نشین کرادیں! یہ جانتے ہوئے کہ ہمیشہ سے غلبہ مردانہ کے خوگر انسانی معاشرہ میں ممتا کے مقام اور عورت کے مرتبہ کو منوانا کتنا مشکل کام تھا؟! یہ شریعت مصطفوی کا کمال ہے کہ یورپی مورخین کی زبان میں "تاریک زمانوں" میں بھی وراثت اور ملکیت کے حقوق سے لیکر مرضی کی شادی اور اپنا رفیق سفر چننے تک کے حقوق دیئے گئے مگر عورت پر کسی قسم کی ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالا گیا، عورت کو صرف حسن کائنات

ہی نہیں کائنات حسن بھی قرار دیا گیا! ماں کی ممتا کو مشفق و مہربان ہی نہیں مجسم شفقت اور مہربانی مانا گیا جو انسانی معاشرہ کے لئے سراپا راحت وسکون اور سرچشمہ رحمت وشفقت ہے! یہ سب کچھ اس لئے ممکن اور آسان ہوا کہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی شفقت بھری گود میں پرورش پائی تھی! اس آمنہ کے شوہر اور رحمۃ للعالمین ﷺ کے والد گرامی کون تھے اور دیگر انبیائے کرام کے آبائے عظام کے ساتھ وہ کہاں کھڑے ہیں!! یہ جاننے کے لئے یہ باب اپنی جس اہمیت کا حامل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے تاہم مذکورہ بالا دو اسباب کی بنیاد پر اس بات کو امہات طیبات کے تقابلی مطالعہ سے پہلے لانا زیادہ مناسب سمجھا گیا ہے!

والدہ ماجدہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے تذکرۂ طیبہ کے تمہیدی ابواب کے طور پر ہی سہی، تاریخ الرسل والانبیاء کے چار جلیل القدر و اولوالعزم انبیاء کرام، سیدنا اسماعیل سیدنا موسیٰ اور سیدنا مسیح علیہم السلام اور سیدنا مصطفیٰ ﷺ کی امہات طیبات کی زندگیوں کے ایک مختصر خاکہ کے ساتھ ان کے آبائے طاہرین کے احوال وآثار کا بھی ایک اجمالی نقشہ بات کو سمجھنے سمجھانے میں یقیناً مفید اور کارآمد ثابت ہوگا، ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے اجمالی مگر جامع احوال وآثار کا مطالعہ نہ صرف تسلی واطمینان کا باعث ہوگا بلکہ یہ ایک ضروری وناگزیر تقاضا بھی معلوم ہوتا ہے، اس سے جہاں سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت بطور تاریخ انسانی کی خوش نصیب ترین ماں کے نکھر کر سامنے آئے گی اور یہ حقیقت کھل کر جلوہ نما ہوگی کہ رسول اعظم و آخر ﷺ کی والدہ ماجدہ عظمت نسوانیت کا آئینہ ہیں بلکہ امومت یا ممتا کی ایک روشن علامت اور مثالی تصویر بھی ہیں! ام مصطفیٰ ﷺ کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا اور بحمد اللہ وہ ایسی ہی ہیں! بہر حال سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے مبارک تذکرہ کے ضمن میں چار اولوالعزم (عزیمت والے بڑے) نبیوں کی ماؤں کے تذکرہ کے ساتھ ان کے باپوں کا سرسری اور مختصر تذکرہ بھی نامناسب نہیں ہوگا اور تقابل وموازانہ میں ممد ومعاون بھی ثابت ہوگا۔

سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے والد گرامی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تو خود ایک جلیل القدر و اولوالعزم نبی و رسول ہیں، آپ جد الانبیاء بھی شمار ہوتے ہیں کیونکہ مشرق وسطیٰ کی سامی اقوام کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث ہونے والے انبیائے کرام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آئے، وہ تقریباً سب کے سب انہی کی اولاد سے تھے، ان کی اولاد میں نبیوں کے دو سلسلے چلے، ایک بنو اسرائیل جو حضرت یعقوب (جن کا لقب اسرائیل یعنی اللہ کا بندہ تھا اور وہ حضرت ابراہیم کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحاق کی اولاد ہیں)، حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر سیدنا مسیح علیہ السلام بن مریم تک مبعوث ہونے والے تمام نبی و رسول "انبیائے بنی اسرائیل" کہلاتے ہیں، نبیوں کا دوسرا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پلوٹھی کے اور سب سے بڑے بیٹے اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام سے تعلق رکھتا ہے، اس اسماعیلی سلسلے کے صرف ایک نبی و رسول ہیں اور وہ ہیں سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اس طرح گویا ورثہ نبوت ابراہیمی یا دوسرے لفظوں میں "حنیفیت بیضاء" کا روحانی ورثہ اگر دو حصوں میں تقسیم ہو تو اس کا نصف اسحاق کی اولاد کا حق بنو اسرائیل کے تمام انبیائے کرام، جن کی تعداد سینکڑوں میں ہوگی۔ کے حصے میں آتا ہے اور سب پر تقسیم ہوتا ہے جب کہ ورثہ حنیفیت ابراہیمی کا نصف باقی صرف رسول اعظم و آخر ﷺ کے حصے میں آتا ہے جو نبوت و رسالت کے فرد فرید بھی ہیں، اول و آخر بھی اور ختم نبوت کا تاج بھی انہی کے سر سجتا ہے بقول شاعر:

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری — آنچہ ہمہ خوباں دارند تو تنہا داری!!

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زندگی اور سیرت پر کتاب مقدس اور کتاب عزیز میں تفصیلی روشنی پڑتی ہے، البتہ کہیں کہیں اختلاف پایا جاتا ہے جس کی حقیقت پر اہل علم نے تنقیدی نظر کے بعد محققانہ تبصرے کیے ہیں جن میں ہمارے عظیم تفسیری سرمایہ ادب کے علاوہ عربی میں مصری عالم عبدالوہاب نجار اور اردو میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہما اللہ کی کتابیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں، یہاں چونکہ ہم نے انتہائی اجمال اور اختصار سے کام

لینا ہے اس لئے چند اشارات ہی کافی ہوں گے۔

1۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سرزمین عراق کے ایک پرانے شہر میں ہوئی جسے "اریاور" کہتے تھے، اب اس کے کھنڈرات سامان عبرت ہیں، والد کی وفات کے بعد ان کی پرورش ان کے چچا نے کی جو عہد نمرود کا خاص بت گر و بت پرست تھا، نبوت ورسالت کے خدائی نظام نے عصمت ابراہیمی کا سامان کیا اور وہ اپنے چچا، اپنی قوم اور بادشاہ وقت کے شرک و بت پرستی پر ضرب توحید کے ہتھوڑے برساتے اور اللہ کے فضل وکرم سے بت شکن وموحد اعظم بن کر فتح یاب نکلے پھر وہ مصر گئے جہاں بادشاہ نے ان کی کرامات ومعجزات سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی ہاجرہ کو حضرت سارہ زوجہ ابراہیم کی خدمت کے لئے پیش کیا اللہ تعالیٰ نے اسی ہاجرہ سے اسی (80) سال کی عمر میں اسماعیل علیہ السلام جیسا فرزند عطا فرمایا جب کہ وہ مصر سے جا کر فلسطین میں آباد ہو گئے تھے، پھر اللہ کے حکم سے اور اپنی بیوی سارہ کی خوشی کی خاطر ہاجرہ کو ان کے فرزند سمیت لا کر کوہ فاران کی وادیٔ بطحا میں بیت اللہ الحرام کے پاس آباد کر گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر فلسطین کے شہر الخلیل میں ہے۔

2۔ یوں تو ہر نبی لا الٰہ الا اللہ کا پیغام توحید لے کر آیا مگر شرک و بت پرستی پر پہلی ضرب کاری لگانے اور "حنیفیت بیضاء" کے مسلک توحید کے اولین علمبردار بننے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، اسی مسلک حنیفیت کا احیاء اور توحید ربانی کو مدلل ولاجواب انداز میں پیش کر کے شرک و بت پرستی کو شکست دینا رسول اعظم وآخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے مقدر تھا، اسی عقیدہ توحید نے آتش نمرود کو خلیل اللہ کے لئے گلزار بنا دیا، اپنے فرزند اسماعیل کو اپنے رب کے حضور منی میں قربانی کے لئے پیش کر کے خود کو خلیل اللہ اور اپنے بیٹے کو ذبیح اللہ کے القاب کا مستحق بنا دیا، قرآن کریم کی رو سے صرف دو رسولوں کی عملی زندگیوں کو ملت اسلامیہ حنیفیہ کے لئے اسوہ (نمونہ) قرار دیا گیا ہے، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور ان کے صحابہ اور پھر سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین!

3۔ یوں تو تمام اہل کتاب، یہودی، مسیحی اور مسلم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عقیدت

اور احترام کا تعلق رکھتے ہیں مگر یہود اور اہل اسلام کو تو ان کی قربت و قرابت کا دعویٰ ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ توحید ربانی اور مساوات انسانی کو قلبی اور عملی طور پر کون جانتا اور مانتا ہے، یہود کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا کے بیٹے اور محبوب ہیں اس لئے وہ اصلاً نسلاً اللہ کی منتخب قوم ہیں مگر ان دونوں باتوں، خدا کی فرزندی و محبوبیت اور نسلی طور پر چنے ہوئے ہونے سے شرک اور عدم مساوات لازم آتی ہے جو غرور اور تکبر کو جنم دیتی ہے جب کہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کو رب العالمین مانتے سب جہانوں کا پروردگار مانتے ہیں اور رنگ و نسل کی تفریق کے بجائے گورے کالے اور بڑے چھوٹے کی مساوات و برابری پر ایمان رکھتے ہیں، اسی وجہ سے دنیا میں حقیقی تصادم بھی یہودیت اور اسلام ہی میں جاری ہے!

4۔ تاریخ نے یہ کہیں نہیں بتایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند کی تربیت میں کیا اور کتنا حصہ ڈالا، تاہم ہمارا ایمان یہ ہے کہ جدالانبیاء خلیل اللہ علیہ السلام کی قلبی توجہ اور فیضان نظر نے اپنا کام دکھایا اور اسماعیل علیہ السلام وہی کچھ بن کر نکلے جو اللہ کا منشا تھا، بقول اقبال (2):

یہ فیضان نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی!

سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جنہوں نے ایک غلام قوم کو فرعون کے ظلم و جبر سے نجات دلائی، فرعون سے ٹکر لے کر اسے بحیرہ قلزم میں غرق کروایا اور تاریخ کا ایک انقلاب برپا کیا، ان کے والد نے بھی اپنے فرزند عظیم کی تربیت و حفاظت میں کوئی کردار نہیں ادا کیا بلکہ ان کا کردار تو واضح طور پر معدوم دکھائی دیتا ہے۔ بس اتنا معلوم ہے کہ ان کے والد گرامی عمران بن قامت کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام سے جا ملتا ہے اور یہ کہ ان کا تعلق بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ بنو لاوی سے تھا، تورات ان کے متعلق اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتاتی! موسیٰ علیہ السلام جو کچھ بھی بنے اور جس طرح بھی بڑھے پلے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت (جو نبوت و رسالت کے نظام ربانی کا مظہر ہے اور عصمت انبیاء کی نگران

ہے) کے بعد اس میں انسانی دخل صرف ان کی والدہ ماجدہ "یکابد" (یا یوکابد) کا ہے (3)!

سیدنا مسیح علیہ السلام کا معاملہ ہی انوکھا ہے، اناجیل (یا بشارات) ان کے ذکر مبارک سے بھری پڑی ہیں، قرآن کریم میں ان کا اور ان کی والدہ ماجدہ کا تذکرہ مفصل اور دلچسپ ہے اور ان دونوں کی سیرتوں اور شخصیتوں کے ایسے خوبصورت اور روح پرور پہلو سامنے لاتا ہے جو انسانی دلوں کو ان کے تقدس، عظمت، احترام اور محبت سے بھر دیتا ہے، قرآنی معلومات سیدہ مریم سلام اللہ علیہا کے اخلاص و ایمان تقوی، خدا شناسی، پاکیزگی، حسن کردار اور شان عظمت کو اس طرح پیش کرتی ہیں کہ یہودی تہمتیں اپنی موت آپ مر جاتی ہیں، سیدہ مریم نسوانی تقدس و عظمت کی بلندیوں پر نظر آتی ہیں اور انسانیت کی آنکھیں تعظیم کے لئے جھک جاتی ہیں! یہ سیدہ آمنہ کے لال ﷺ کا پہلی نبوتوں اور رسالتوں پر سب سے بڑا احسان ہے!!

سیدنا مسیح علیہ السلام کی بن باپ ولادت پر تعجب کرنے والوں اور سیدہ مریم سلام اللہ علیہا پر تہمت باندھنے والے بدزبانوں کو قرآن کریم نے دندان شکن جواب دے کر سب کے منہ بند کر دیئے ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے (4):

> "اللہ تعالیٰ کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال یونہی سمجھو جیسے آدم کی ہے، اللہ تعالیٰ نے آدم کو تو بن ماں باپ کے خاک سے پیدا فرمایا (جب کہ سیدنا مسیح کی کم سے کم والدہ تو ہیں) پھر اس سے کہا ہو جا سو وہ ہو گیا!!"۔

سیدنا مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قدرت کلام اور خطیبانہ بلاغت سے نوازا تھا، انبیائے کرام کا امتیاز بھی یہی ہے کہ وہ تمثیل و تشبیہ کے اسالیب میں ایسی بات کرتے ہیں جو دلوں میں اتر جاتی اور عقلوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیتی ہے اس باب میں سیدنا مسیح علیہ السلام کو کمال حاصل تھا عیون الاخبار میں ابن قتیبہ نے سریانی سے ان کے بہت سے اقوال عربی میں ترجمہ کیے ہیں (5) مثلاً: الدنیا قنطرۃ فاعبروھا "یہ دنیا ایک پل کی مانند ہے سوا سے سلامتی کے ساتھ عبور کر جاؤ"۔ کتاب زند قرآن حکیم کی ایک پوری سورت سیدہ مریم علیہا

السلام کے نام پر ہے، اس میں ولادت مسیح علیہ السلام پر حضرت مریم کے موقف اور گہوارہ میں سیدنا مسیح علیہ السلام کے کلام کو یوں نقل کیا گیا ہے(6):

"سوائے مریم! اگر کوئی بشر سامنے آئے تو کہہ دینا کہ میں نے تو اپنے رب رحمٰن ورحیم کے لئے روزہ رکھا ہوا ہے، اس لئے مجھے آج کے دن کسی انسان سے بات نہیں کرنا! پھر وہ اپنے بچے کو اٹھائے اپنی قوم (یہود) کے لوگوں کے پاس آئیں تو وہ پکار اٹھے: اری مریم! یہ تو نے کیا کر دیا؟ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں کوئی بدکردار عورت تھی! تب اس نے بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس سے سب کچھ سن لو! وہ بولے: جو بچہ ابھی گہوارہ میں ہے اس سے بھلا ہم کیسے کلام کریں؟! اس پر (سیدنا مسیح گہوارے سے) پکار اٹھے: سنو! میں تو اللہ کا بندہ ہوں، میرے رب نے مجھے کتاب دے کر نبی بنا دیا ہے اور میں جہاں بھی رہوں مجھے اس نے برکت والا بنا دیا ہے اور جب تک زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والا بنایا ہے اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کا حکم دیا ہے، اس نے مجھے سخت گیر بدبخت نہیں بنایا سو سلامتی ہے مجھ پر جب میں پیدا ہوا، جس دن میں مروں گا اور جس روز میں زندہ اٹھایا جاؤں گا!!"۔

یہودیوں کے بہکانے سے حضرت مریم کے منگیتر یوسف نجار بدگمان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیج کر انہیں حضرت مریم کی پاکدامنی کا یقین دلایا تو وہ ماں بیٹے کو مصر لے گئے جہاں سیدنا مسیح پلے بڑھے، آخری وقت تک والدہ ماجدہ اور یوسف نجار سایہ کی طرح ان کے ساتھ لگے رہے مگر جب سیدنا مسیح نے اپنی والدہ ماجدہ کو قہر یہود سے دور رہنے اور خود خطرات کا سامنا کرنے کا فیصلہ کر لیا تو بھی ماں کی ممتا دور دور سے ہی اپنے لخت جگر کو دیکھتی پھری تاکہ جوان فرزند کو بھی باپ کی کمی محسوس نہ ہو!!

والدہ ماجدہ سیدنا مصطفیٰ ﷺ اور سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے سرتاج سیدنا عبداللہ

بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما بھی، خوش درخشید و لے شعلہ مستعجل بود" خوب چمکے مگر ایک جلد بجھنے والا شعلہ ثابت ہوئے" کی عملی تصویر تھے۔

آب زمزم کا چشمہ سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی یادگار تھی مگر ان کی وفات سے کئی صدیاں بعد ان کے سسرالی قبیلہ بنو جرہم کی بگڑی ہوئی فسادی نسل جب مکہ مکرمہ سے بھاگی تو چشمہ کو پاٹ کر زمین برابر کر کے بھاگ گئے یہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے لئے مقدر تھا کہ وہ کئی لوگوں کی ناکام کوششوں کے بعد حضرت ہاجرہ و حضرت اسماعیل کی اس یادگار کو دوبارہ دریافت کرنے کا شرف حاصل کریں اور قبائل قریش پر بنو ہاشم کے تقدس و بزرگی کی دھاک بٹھا دیں (7)!

پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب ان کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ جوان ہو گئے تو عبدالمطلب کو اپنی ایک نذر یاد آ گئی جسے پورا کرنے کے لئے بار بار اشارات ملتے رہے چنانچہ تمام بیٹوں نے جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے سر تسلیم خم کر دیا تو قرعہ اندازی میں حضرت عبداللہ کا نام نکل آیا! پھر بعد میں مشاورت سے حضرت عبداللہ اور دس دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی شروع ہوئی، ہر دفعہ دس اونٹوں کے بجائے حضرت عبداللہ ہی کا نام نکلتا رہا مگر سو اونٹ پورے ہو گئے تو عبداللہ کے بجائے سو اونٹوں کے نام قرعہ نکل آیا اور یوں سو اونٹ ان کا فدیہ بن گیا جس طرح اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی جگہ ایک دنبہ فدیہ کے لئے لایا گیا تھا!! یوں حضرت عبداللہ بھی ذبیح اللہ کہلوانے کے حق دار قرار پائے اور رسول اعظم و آخر ﷺ کی مبارک زبان پر انا ابن الذبیحین "میں اللہ کی راہ میں دو قربان ہونے والوں کا فرزند ہوں" کے الفاظ جاری ہوئے!!۔

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے متعلق سیرت نگار اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ شہر مکہ مکرمہ میں ان کے حسن و معصومیت کے بڑے چرچے تھے، اپنے وقت میں وہ وادی بطحا کے حسین ترین نوجوان تھے مگر وہ جس قدر حسین تھے اس سے کہیں زیادہ بھولے اور معصوم تھے، کہا جاتا ہے کہ مکہ کی تمام دوشیزائیں انہیں اپنا رفیق حیات بنانے کی آرزومند

تھیں اور جس دن ان کی شادی ہوئی اس دن بہت سی دوشیزائیں بیمار پڑ گئی تھیں!!

چنانچہ عبداللہ جب "ذبیح اللہ" بن گئے تو ان کے فضل و کمال اور کشش میں اور بھی اضافہ ہو گیا، اس موقع پر حضرت عبدالمطلب کو ایک اور نہایت اہم بات یاد آ گئی اور وہ اسے حقیقت کا روپ دینے کے لئے تیار ہو گئے، کئی سال پہلے یمن کے ایک یہودی مذہبی پیشوا نے انہیں بتایا تھا کہ قیافہ شناسی یہ بتاتی ہے کہ آپ کی نسل میں نبوت و بادشاہت کا اجتماع ہونے والا ہے جو بنو زہرہ اور بنو ہاشم کے ملاپ سے وجود میں آئے گا اس لئے وہ اپنے بیٹے عبداللہ کی سیدہ آمنہ سے شادی کرانے کے ارادہ سے ان کے چچا وہیب کے پاس پہنچ گئے جب عبداللہ اور آمنہ سلام اللہ علیہا رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے تو اسی مجلس نکاح میں حضرت آمنہ کی چچا زاد ہالہ سے حضرت عبدالمطلب کا نکاح بھی ہو گیا چنانچہ اس کے نتیجے میں آمنہ سلام اللہ علیہا کی گود میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جب کہ ہالہ کی گود میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رونق افروز ہو گئے، لیکن حضرت عبداللہ اپنے فرزند کی پیدائش سے قبل ہی ایک تجارتی سفر کے دوران فوت ہو کر یثرب میں دفن ہو گئے تھے! جیسا کہ ظاہر ہے کہ ان چاروں اولوالعزم انبیائے کرام کے آبائے عظام میں سے حضرت عبداللہ عنفوان شباب میں اپنے بیٹے کی ولادت سے قبل ہی دنیا سے رخصت ہو گئے، ان کی زندگی اگرچہ بہت مختصر تھی مگر ان کے حالات زندگی مفصل ملتے ہیں اور ان کی شخصیت نکھر کر ہمارے سامنے آتی ہے! تاہم ان چاروں ہستیوں کی زندگی پر اگر نظر ڈالیں تو ان میں ایک بات مشترک نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ سیدنا مسیح ابن مریم کو چھوڑ کر باقی کے تین نبیوں کے آبائے عظام نے اپنے اپنے بیٹے کی نشوونما اور تربیت میں کوئی خاص کردار ادا نہیں کیا، اس کے بجائے چاروں اولوالعزم انبیاء کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری ان کی امہات طیبات نے اکیلے نبھائی، کسی ایک کے والد گرامی نے اپنے بیٹے کی ذمہ داری اٹھانے، نشوونما میں حصہ لینے یا ان کو عظیم بنانے میں بظاہر کوئی خاص کردار ادا نہیں کیا یا یوں کہہ لیجئے کہ اس کا موقع ہی نہیں پایا!

اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اولوالعزم انبیائے کرام، حضرت اسماعیل

ذبیح اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ روح اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی مقدس ماؤں نے اپنے جلیل و عظیم اور اولوالعزم فرزندوں کی پرورش کی ذمہ داری اکیلے نبھائی اور ان سب میں سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا کام بہت مشکل اور ذمہ داری بے حد بھاری تھی! جوانی اور بیوگی کا اکٹھا ہو جانا عورت کے لئے بڑا بوجھل اور مشکل کام ہوتا ہے مگر جس طرح سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا نے یہ بوجھل اور مشکل کام نبھایا اور اس عمل نے جو تاثر اپنے فرزند کے دل میں چھوڑا وہ بہت قیمتی سرمایہ تھا، جس جذبہ ایثار و محبت سے انہوں نے اپنے فرزند ارجمند ﷺ کا خاص خیال رکھا، انہیں ''خطرۂ یہود'' سے محفوظ رکھنے کے لئے جتن کرتی رہیں وہ نہایت قابل قدر اور بے مثال ممتا کا غماز ہے اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کے اسرار و رموز کا آئینہ دار بھی ہے!!

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما اور قبیلہ بنو ہاشم کے متعلق اس کتاب میں الگ ابواب ہیں جو آگے آتے ہیں اس لئے بغرض تقابلی مطالعہ یہاں پر ان کے اسی مختصر اور اجمالی ذکر پر اکتفا زیادہ مناسب ہے تاہم ان آبائے عظام اور ان کی ازواج طیبات و طاہرات کے ذکر کا اصل مقصد سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے مرتبہ کا تعین اور نبوت و رسالت کے ربانی نظام کی رو سے انبیائے کرام کی عصمت ثابت کرنا اور یہ بتانا ہے کہ رسول اعظم و آخر ﷺ اس طرح اپنے رب کی نظر کرم میں رہے اور اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتے رہے!!

چار اولوا العزم انبیائے کرام کی عظیم ومقدس مائیں

رسول اعظم وآخر ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا بابرکت وپاکیزہ تذکرہ اس بات کا بھی مقتضی ہے کہ ماں کے مرتبہ ومقام کی طرف بھی اشارہ ہو جائے اور دیگر اولوا العزم انبیائے کرام کی عظیم القدر مقدس ماؤں کے احترام وتقدیس کے متعلق ان حقائق کا بھی ایک جائزہ پیش کر دیا جائے جو اعظم الرسل اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی روشن تعلیمات اور پاکیزہ ارشادات پر مشتمل ہیں، آپ ﷺ نے انسانیت کو عورت کے حقیقی مرتبہ کا شعور بھی دیا ہے اور اس کے مقام کو بھی بے حد بلند کر دیا ہے، ماں کی تعظیم وتقدیس کا جو تصور دین مصطفیٰ ﷺ نے عطا کیا ہے اور جو واضح شعور آپ کی سنت طیبہ نے دیا ہے اس کی مثال اور کہیں نہیں ملے گی۔ لیکن سب سے نمایاں اور اہم بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اولوا العزم انبیائے کرام کی عظیم ومقدس ماؤں کے مرتبے کو بھی واضح فرمایا ہے اور ان کے احترام وتقدیس کو انسانیت سے منوایا ہے، یہ بات ہمارے نبی محتشم ﷺ کو تمام انبیائے کرام میں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے۔

قرآن کریم اور ارشادات نبوی نے نہ صرف وہ ابہام وغموض زائل کر دیا ہے جس نے ان عظیم وجلیل ماؤں کی سیرت وشخصیت کو گہنا رکھا تھا بلکہ ان کی شخصیات کو یوں نکھار کر پیش کیا ہے کہ کوئی بھی پاک طینت ونیک دل انسان پورے صمیم قلب سے ان کا احترام کیے بغیر نہیں رہ سکتا بلکہ ان کی تقدیس وتعظیم ہر مومن صادق کے لئے جزو ایمان قرار پا چکی ہے، یہ حقیقت جہاں رسالت ونبوت محمدی علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے ان ازلی وابدی مقاصد کا وہ شعور واضح کرتی ہے جو قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں (1)۔ وہاں اس سے یہ احساس بھی پوری قوت کے ساتھ نمودار ہوتا ہے کہ آمنہ کے لال نے یہ عظیم الشان فرض منصبی ایسے حسن وخوبی سے پورا کیا ہے کہ اس میں ان کی والدہ ماجدہ کی شفقت ورافت اور حسن

تربیت کے کردار سے چشم پوشی ممکن نہیں رہتی! سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی پر امن و پر شفقت گود میں کھیلنے والے درِ یتیم رسول اعظم و آخر ﷺ نے اپنے سے پہلے انبیائے کرام کی نبوت و رسالت کی تصدیق و تعظیم کے علاوہ ان کی محترم و مقدس ماؤں کی عظمت و شان کے جو نقوش انسانی ذہنوں میں ثبت کیے ان میں بنو زہرہ کی عظیم و جلیل خاتون اور تاریخ انسانی کی خوش نصیب ترین ماں کی تربیت کا بھی دخل ہے! یہاں بھی ان چاروں اولوالعزم انبیائے کرام سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ، سیدنا موسیٰ کلیم اللہ، سیدنا عیسیٰ روح اللہ اور سیدنا مصطفیٰ حبیب اللہ علیہم الصلوات والتسلیمات کی امہات طیبات کے مختصر تقابلی مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوگا کہ رسالت مصطفوی کے ازلی مقاصد کیا تھے اور اللہ تعالیٰ کے نظام ربانی نے نور نبوی کے تحفظ کا جو ذمہ لے رکھا ہے وہ کس طرح تکمیلی مراحل طے کرتا رہا اور تاریخ کے صفحات نے اس سلسلے کی معلومات کو کس طرح اپنے اندر سمو کر محفوظ کر رکھا ہے!

یہ سچ ہے کہ تاریک زمانوں میں قدرت ربانی نے نبوت و رسالت کا بار امانت بنت حوا پر کبھی نہیں ڈالا، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اولوالعزم انبیائے کرام کی پرورش، تربیت اور نگہداشت کی ذمہ داری صرف مجسمہ شفقت و رافت اور نزاکت میں ہمت کا امتزاج رکھنے والی ممتا کا مقدر رہا ہے، ان ہستیوں میں سے کسی کے باپ نے اپنے اپنے لخت جگر کی پرورش و تربیت تو دور کی بات ہے، اپنے فرزند کی نگہداشت کا موقع بھی نہیں پایا، سیدنا موسیٰ کلیم اللہ کے والد گرامی کے کسی عملی کردار کے بارے میں تاریخ بالکل خاموش ہے، سیدہ مریم سلام اللہ علیہا کے فرزند ارجمند سیدنا عیسیٰ روح اللہ تو کلمۃ اللہ (اللہ کا امر) تھے، سیدنا و مولانا مصطفیٰ ﷺ کے والد بھی ان کی ولادت سے قبل ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے، ایک جد الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہی ایسی جلیل القدر ہستی ہیں جو اپنے فرزند اور اولوالعزم نبی اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے بڑا ہونے تک زندہ رہے مگر انہوں نے بھی اپنے لخت جگر کی پرورش، تربیت اور نگہداشت ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو سونپ دی تھی!

عورت کے لئے سب سے بڑا سرمایہ فخر بھی یہی ہے کہ وہ ممتا کی جان ہے، اسی نے جلیل القدر انبیاء کی تربیت کا فریضہ انجام دیا ہے، یہ اتنی بڑی ذمہ داری تھی جسے اللہ جل شانہ نے صرف اور صرف عورت کی گود میں ڈالنا گوارا فرمایا، دراصل جس فرد کی تربیت میں اس کی ماں کی ممتا، اس کی رحمت وشفقت اور اس کی دل آویز نزاکت شامل نہ ہو وہ اور تو شاید سب کچھ کر سکے مگر انسانیت کی ہدایت ورہنمائی، اس کی تعلیم وتربیت اور اسے اللہ تعالیٰ کا بندہ بنانے کا کام نہیں کر سکتا، اچھے معلم ومصلح، خلق خدا سے پیار کرنے والے اولیاء کرام (جیسے بابا فرید اور سلطان باہو وغیرہ) اور اللہ تعالیٰ کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچانے والے انبیائے کرام نے اپنی امتوں کو نوازا وہ اپنی مقدس وشفیق اور نازک دل ماؤں کی تربیت کا ثمر تھا! لوگ کہتے ہیں کہ خالق ومربی نے عورت کو اس قدر نازک دناتواں کیوں بنایا مگر میں یہ کہتا ہوں کہ عورت کی حقیقی قوت اسی شفقت ونزاکت میں مضمر ہے، اسی لئے تو اللہ رب العزت نے جب اپنی شفقت اور رحمت کی مثال ذہن نشین کرانا چاہی تو اسے ماں کے شفقت ورحمت بھرے دل سے تشبیہ دی! یہی عورت کی حقیقی عظمت ہے، کیا خوب فرمایا ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی نے (2):

"نسوانیت اور ممتا کے متعلق حسین وجمیل چیز کا تذکرہ بھی ضروری ہے اور یہ حسین وجمیل چیز چار برگزیدہ پیغمبروں۔ حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور سیدنا مصطفیٰ ﷺ کی حیات طیبہ میں ان کی ماؤں کا کردار ہے۔ اس کے لئے ہمیں الہامی ادیان کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کی بچپن میں ان کی پرورش کی ذمہ داری ان کی ماؤں کے سپرد کی گئی اور اس سعادت میں ان کے آباء شریک نہیں ہوئے، کیونکہ ان میں سے بعض انبیاء کرام کے والد تو ان کی ولادت سے قبل ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے جب کہ بعض کے والد بچپن میں ان کے پاس موجود نہ تھے، تاہم یہ ایک قدرتی اور فطری معاملہ ہے، اس میں نہ تو کوئی تعجب کی بات ہے اور نہ اسے کوئی اتفاقی حادثہ

قرار دیا جا سکتا ہے، دراصل ماں کی ممتا میں محبت و ایثار کے وافر جذبات اس بات کے متقاضی تھے کہ ان جلیل القدر انبیائے کرام کی پرورش و تربیت کا فریضہ ان کی مائیں سرانجام دیتیں جنہیں بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کے لئے چنا گیا، چونکہ ان ادیان کے علمبردار اولوالعزم انبیاء کی پرورش ان کی ماؤں نے کی تھی اس لئے یہ ادیان ماں کے مقام و مرتبہ کو کسی طرح بھی گھٹا نہیں سکتے تھے"۔

(1) حضرت ہاجرہ

ترتیب زمانی کے لحاظ سے سیدہ ہاجرہ سلام اللہ علیہا، والدہ ماجدہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام ان امہات طیبات میں سرفہرست آتی ہیں، عبرانی میں ہاجرہ کا تلفظ؟؟ ہا، جار" ہے جس کے معنی ہیں" یہ تحفہ" ہاجرہ اس کی عربی شکل ہے، کہا جاتا ہے کہ فرعون مصر نے حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر بری نیت سے دست درازی کرنا چاہی مگر اس کا ہاتھ شل ہو گیا فرعون اس کرامت سے بہت متاثر ہوا اور اس نے اپنی ایک بیٹی بطور خادمہ حضرت سارہ کو پیش کرتے ہوئے کہا: میری بیٹی کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ کسی شاہی محل کی شہزادی بننے کی بجائے ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں سارہ کی خادمہ بن کر رہے(3)"۔

کتاب یہود تورات، جو تحریف اور تغیرات کے کئی مراحل سے گزری ہے، میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام سے کم تر دکھانے کے لئے جو تبدیلیاں کی گئی ہیں ان کی رو سے حضرت ہاجرہ ایک لونڈی تھیں جو فرعون نے حضرت سارہ کو تحفہ میں دی تھی، بعد میں یہ لونڈی انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں دے دی کہ ان کی ان سے اولاد ہو سکے اور وہ لاولد نہ رہیں مگر بعد میں جب وہ حاملہ ہو گئیں تو سوتنوں کے درمیان تلخی پیدا ہو گئی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش پر یہ تلخی مزید شدت اختیار کر گئی جو بالآخر بچہ اور زچہ کی جلاوطنی پر منتج ہوئی(4)، یہ جلاوطنی کس جگہ لے گئی؟ اس کے متعلق کچھ بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ تورات میں کی جانے والی تحریفات نے صورت حال کو کافی حد

تک الجھا دیا ہے لیکن پھر بھی "فاران" کا ذکر آ گیا ہے جو سرزمین حجاز میں ہے، اسی طرح "موریہ" پہاڑی کا ذکر بھی ہے جو "مروہ" کی بگڑی ہوئی شکل معلوم ہوتی ہے(5)، تاہم تورات میں باوجود تحریف کے دو باتیں واضح طور پر اب بھی موجود ہیں ایک یہ الفاظ کہ "وہ (اسماعیل) فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لئے بیوی لی(6)" اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا پانی کا کنواں دکھائی دینے سے قبل اپنے معصوم لخت جگر کو پیاس سے تڑپتا نہ دیکھ سکیں اور اس خیال سے دور جا بیٹھیں کہ میں اس معصوم کو یوں تڑپتے، ایڑیاں رگڑتے اور بلبلاتے نہیں دیکھ سکتی اس لئے بلند آواز سے رونے چیخنے لگیں، تب "خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی" اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا: اے ہاجرہ! تجھے کیا ہوا؟ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں تیرا لڑکا ہے اس کی آواز سن لی ہے اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیوں کہ میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا(7)"۔

بائبل کی محولہ بالا تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ فاران کے بیابان میں تھے جو سرزمین حجاز میں ہے اور جبال وادی بطحا کا حصہ ہے، دوسرے یہ کہ جہاں پر حضرت اسماعیل علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت نے وہیں پر ان کی پکار سنی اور حضرت ہاجرہ کو چشمہ دکھائی دیا، یہی چاہ زمزم ہے جس کا چشمہ ابلنے لگا تو مقدس خاتون نے پانی کو روکتے ہوئے کہا تھا زمزم یعنی رک رک، چنانچہ فراٹے مارتا ہوا پانی اس کنویں سے باہر نہیں نکلتا مگر اس کے سوتے پھوٹتے رہتے ہیں خواہ لاکھوں انسان روزانہ پیتے اور لے جاتے رہیں،...... نبوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اسی لئے تو فرمایا ہے کہ اگر وہ مقدس خاتون اس پانی کو نہ روکتیں تو یہ ایک چشمہ فوارہ کی شکل میں ہوتا(8)! تیسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی آل و اولاد کا بے اندازہ تعداد میں بڑھنا اور پھلنا پھولنا از روئے تورات ثابت ہے تاہم یہ ایک بے ربط جملہ کہ "اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لئے بیوی لی"

اگرچہ مجمل اور مبہم ہے مگر اس بات کی دلیل ہے کہ مصر کی شہزادی ہاجرہ سلام اللہ علیہا نے اپنے وطن اپنی قوم میں سے اپنے لخت جگر کے لئے رفیقہ حیات پسند فرمائی اور اس بات کا امکان ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی متعدد بیویوں میں سے ایک مصری بھی ہو، تاہم محرفین تورات کی یہ تحریف سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ان کے بغض اور تحقیر پر دلالت کرتی ہے کہ (9):

"اور خدا نے ابراہام سے کہا کہ تجھے اس لڑکے اور اپنی لونڈی کے باعث برا نہ لگے جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے، تو اس کی بات مان کیونکہ اضحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے!"۔

تورات کے یہ محرفین حضرات بھول گئے کہ جب سیدنا اسماعیل ابھی بچے تھے تو اس وقت تک تو حضرت اسحاق علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا تو صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہی تھا والدین کو تو ان کی پیدائش کی بشارت بھی ابھی نہیں ملی تھی، اسماعیل تو اسحاق سے 13 سال بڑے تھے اور جلا وطنی کے وقت تو وہ ابھی دودھ پیتے بچے تھے تو پھر بھرتی کے اس جملے کا کیا تک ہے کہ "جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تو اس کی بات مان کیونکہ اضحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا" لیکن اسماعیل علیہ السلام کو فرزند ابراہیم علیہ السلام مانے بغیر چارہ نہ تھا اور انہیں "ایک قوم" کا جد اعلیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل تو ماننا ہی پڑا"۔

تورات میں تو یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے جواب میں کہ کاش اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے" میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ: "اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا (10)"۔

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بے اولاد تھے اس لئے خانہ آبادی کی خواہش میں حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے انہیں ہاجرہ کو اپنی بیوی بنانے کا مشورہ تو دے دیا مگر اس کے

حاملہ ہونے اور پھر ماں بننے پر سوتن کے انسانی اور نسوانی جذبہ نے ماں بیٹے کو کہیں دور کر دینے کا مشورہ دینے کے لئے مجبور کر دیا۔ کتب حدیث میں بصراحت موجود (11) ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اور ان کے شیر خوار بچے اسماعیل علیہ السلام کو بحکم ربی بر زمین حجاز میں لے آئے، کعبہ شریف کے قریب والی جگہ پر ماں بیٹے کو چھوڑ کر واپس ہونے لگے تو کچھ کھجوریں اور کچھ پانی دے گئے، انہیں جاتا دیکھ کر حضرت ہاجرہ نے عرض کیا کہ آپ ہمیں ایک بے آب وگیاہ جنگل میں چھوڑ چلے ہیں جہاں نہ کھانے کو ہے نہ پینے کو، کوئی آدمی ہے نہ کوئی ہمدرد، حضرت ابراہیم علیہ السلام التفات کیے بغیر چلے جا رہے تھے شاید حکم ربانی کی حکمت یہی تھی اس لئے پوچھا کیا یہ خدا کا حکم ہے تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا، اس پر حضرت ہاجرہ کہنے لگیں کہ اگر حکم خداوندی یہی ہے تو پھر سر آنکھوں پر، وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا اور پھر وہ ایمان ویقین سے سرفراز اور غم واندوہ سے بے نیاز مگر سراپا طاعت و وفا بیوی اور مجسم شفقت وایثار ماں بڑے اطمینان وسکون سے میدان عمل کے لئے کمر بستہ ہو گئیں تا کہ تاریخ کی عظیم امہات انبیاء میں ایک منفرد ہستی قرار پا جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو وہ عظمت وتقدس عطا فرمایا جو کسی اور نبی کی بیوی یا والدہ ماجدہ کو نصیب نہیں ہوا! وہ اضطراب وبے قراری میں اپنے پیاسے فرزند ارجمند کی زندگی کی خاطر دوڑتی رہیں، کبھی کوہ صفا پر اور پھر کوہ مروہ پر جا کر آہ وفغاں اور دعا وفریاد کرتی رہیں، اضطراب وبے قراری میں حضرت ہاجرہ کی یہ دوڑ اور مسلسل گھبراہٹ حجاج بیت اللہ اور عمرہ ادا کرنے والے اہل ایمان کے لئے مناسک حج وعمرہ میں شامل ہو گئی، اب کسی عمرہ کرنے والے یا حج کرنے والے کا اجر وثواب اس وقت تک نامکمل رہتا ہے جب تک وہ صفا ومروہ کے درمیان سات چکر نہیں مکمل کرتا اور ان قدموں پر تیز رفتاری سے نہیں دوڑتا جن پر حضرت ہاجرہ تیز تیز دوڑی تھیں، اس عمل کو مناسک حج وعمرہ میں ''سعی'' کہا جاتا ہے!

والدہ ماجدہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو جب منہ موڑ کر جانے والے عظیم شوہر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یہ (12) معلوم ہو گیا کہ انہیں اور ان

کے شیر خوار فرزند معصوم کو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے اس بے آب وگیاہ وادیٔ بطحا میں چھوڑا جارہا ہے اور اس میں کسی قسم کی ناراضگی یا سزا کو دخل نہیں ہے تو وہ بالکل مطمئن ہوگئیں اور پریشانی و بے قراری دولت یقین وایمان میں ڈھل گئی، انہیں یہ تسلی ہوگئی کہ اگر اس ویرانے میں یوں بے سہارا و بے آسرا چھوڑا جانا رب جلیل وعظیم کی ناراضگی کے باعث یا سزا نہیں تو پھر اس آزمائش کے بعد اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان بھی یقینی ہے کیونکہ وہ جس طرح اپنے نبی شوہر پر کامل ایمان رکھتی تھیں اسی طرح انہیں اپنے فرزند ارجمند اور ہونے والے نبی کے مستقبل کے بارے میں بھی یقین تھا، نبی کی بیوی اور نبی کی ماں کو ایسے ہی ہونا چاہیے تھا اور وہ ایسی ہی تھیں!!! ان کا ایمان تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مبارک زبان سے ادا ہوتی ہاں بھی سچ ہے اور ایمان کا تقاضا کرتی ہے، انہیں یہ بھی یقین تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے جس فرزند کو انہوں نے جنم دیا ہے وہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہے بلکہ ہونے والا اللہ کا نبی ہے جیسا کہ فرشتے نے پیدائش سے قبل انہیں اس بات کی خوشخبری سنا دی تھی چنانچہ تورات کی کتاب پیدائش کے سولویں باب میں ہے کہ (13):

"ابرام نے ساری سے کہا کہ تیری لونڈی تیرے ہاتھ میں ہے جو تجھے بھلا دکھائی دے سو اس کے ساتھ کر، تب ساری اس پر سختی کرنے لگی اور وہ اس کے پاس سے بھاگ گئی اور وہ خداوند کے فرشتہ کو بیابان میں پانی کے ایک چشمہ کے پاس ملی، یہ وہی چشمہ ہے جو شور کی راہ پر ہے، اور اس نے کہا اے ساری کی لونڈی ہاجرہ تو کہاں سے آئی اور کدھر جاتی ہے! اس نے کہا میں اپنی بی بی ساری کے پاس سے بھاگ آئی ہوں، خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو اپنی بی بی کے پاس لوٹ جا اور اپنے کو اس کے قبضہ میں کردے اور خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب اس کا شمار نہ ہو سکے گا اور خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسمٰعیل رکھنا اس لئے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا، وہ گورخر کی طرح آزاد مرد

ہوگا، اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا"۔

یہ سب باتیں سیدہ ہاجرہ کو یاد تھیں، اپنے جلیل القدر شوہر کی نبوت کی صداقت پر ان کا پختہ ایمان تھا، اور اللہ وحدہ لاشریک کے وعدہ پر بھی غیر متزلزل یقین تھا، وہ جان گئی تھیں کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، وہ اپنے نیک بندوں کی آزمائش تو کرتا ہے مگر نہ تو انہیں ضائع ہونے دیتا ہے اور نہ ان کی رسوائی گوارا کرتا ہے، حضرت ہاجرہ کا یہ یقین اور یہ ایمان بھی سیدہ یکابد والدہ ماجدہ موسیٰ، سیدہ مریم والدہ ماجدہ سیدنا مسیح ناصری اور سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا والدہ ماجدہ مصطفیٰ ﷺ کے یقین اور ایمان کی یاد دلاتا ہے۔ ہر ایک ماں کو رب جلیل نے بشارت دی تھی اور ان میں سے ہر ماں کو اپنے لخت جگر کی عظمت و نبوت کا یقین تھا، رسول اکرم ﷺ نے انسان کے پختہ یقین و ایمان کو ایک بوڑھی عورت کے یقین و ایمان سے تشبیہ دی ہے جو غیر متزلزل ہوتا ہے، وہ اپنے مسلک سے اپنے موقف سے اور اپنے ایمان سے کبھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی، یہیں سے عورت کی عظمت شروع ہوتی ہے اور اس عظمت کی پہلی امین سیدہ ہاجرہ والدہ ماجدہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہیں جو ایک ایسے بے آب و گیاہ ریگستان میں ہے جہاں ہو کا عالم ہے مگر وہ نہ تو وحشت زدہ ہے اور نہ اسے تنہائی کا احساس ہے بلکہ اسے تو یقین ہے کہ سب اس کے ساتھ ہیں کیونکہ اس کا رب اس کے ساتھ ہے (14)!

دین توحید نے وحدت نسل انسانی کے تصور کو بھی دنیا سے منوا کر چھوڑا ہے، رنگ و نسل کا امتیاز مسترد کر دیا گیا ہے، آقا و غلام کا فرق مٹا دیا گیا ہے اور جدید سائنسی تحقیق نے بھی واضح دلائل کے بعد تسلیم کیا ہے کہ روئے زمین پر آباد انسانی نسلوں کے جینز (Jeans) یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی باپ اور ایک ہی اصل سے تعلق رکھتی ہیں لیکن نسل پرست صہیونی حضرت ہاجرہ کو لونڈی بنا کر پیش کرتے رہے ہیں، محرفین تورات نے اس صہیونی تصور کے لئے بنیاد فراہم کی ہے مگر وہ یہ بھول گئے کہ موحد اعظم جد الانبیاء ابراہیم خلیل اللہ

نے ہی دین توحید کو پروان چڑھایا تھا جو وحدت نسل انسانی اور مساوات کی اساس ہے!

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بعثت کا زمانہ اور میدان عمل ایسا تھا جہاں کسی بادشاہ وقت کے ظلم و جبر سے ٹکرانے والا انجام کار پاش پاش ہو کر ہی رہتا تھا مگر کسی کا اس انجام سے بچ نکلنا ایک ایسا معجزہ ہوتا تھا جس کی شہرت اس وقت کے مشرق وسطی کے شہروں میں دور دور تک پھیل جاتی تھی لیکن جو ہستی آتش نمرود کو گلزار و برفستان میں بدل کر سامنے آئی ہو اس کی شہرت اور عظمت کا اندازہ کچھ مشکل نہیں، اس زمانے کے مصری بدکاری کے خوگر تھے اور پردیسی یا بے سہارا عورتوں کا استحصال ان کے لئے ایک مرغوب کھیل تھا، شوہروں کو قتل کر کے ان کی بیویاں ہتھیانا ان کے قابل فخر کارناموں میں شامل تھا، زوجہ خلیل اللہ حضرت سارہ کسی شاہی خاندان کی شہزادی بتائی جاتی ہیں لہٰذا ان کے حسن و جمال کی بات کا سب سے بڑے مصری بدکار فرعون تک پہنچنا اور دلچسپی کا باعث ہونا ایک قدرتی بات تھی تاہم ہوس کے اس کھیل میں سیدنا ابراہیم اور حضرت سارہ کی کرامات کا ظہور ایک اعصاب شکن بجلی سے کم نہ تھا، ظاہر ہے اس دست درازی کا تدارک محض چند ہاتھی گھوڑوں اور زر وزن کے تحائف سے نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ فرعون مصر پر جب ابراہیمی گھرانے کا راز کھلا تو اس نے اپنی لخت جگر کو اس خانہ نبوت کی خدمت کے لئے وقف کرنا ایک اعزاز تصور کیا، خصوصاً اس لئے بھی کہ اس وقت کا فرعون مصر سامی نسل سے تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسلی تعلق بھی رکھتا تھا!

مگر یہود کے حسد و تکبر کا کیا کیجئے! محرفین تورات نے یہ بڑ ہانکی کہ ہاجرہ اصل میں ایک مصری لونڈی تھیں، خادمہ کو لونڈی بنا دیا بھلا کوئی باپ اپنی بیٹی کو کسی کی لونڈی بنانا گوارا کر سکتا ہے؟ ہاں کسی نیک پاک گھرانہ کی خادمہ بنانا فخر کی بات تھی، جدید تحقیق نے اس یہودی کاوش کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے ہیں اور تحریف شدہ تورات کے بچے کھچے الفاظ میں اولاد اسماعیل علیہ السلام کو نسل ابراہیم اور ابراہیمی برکت و عظمت کا وارث مانتے ہیں چنانچہ مصری شہزادی ہاجرہ سلام اللہ علیہا کی ذریت، بنو کنانہ، ورثہ ابراہیمی و اسماعیلی کی مالک

اور رسول اعظم و آخر ﷺ کی امت متوسطہ ہیں، والد کے فیضان نظر نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اقبال کے الفاظ میں وادی بطحا کا باشندہ ہونے کے طفیل خود بخو دلالہ کی حنا بندی کرتے ہوئے بیک وقت مرد کہستانی اور بندۂ صحرائی کی سی قائدانہ صفات کا حامل بنا دیا تھا، توراتی پیشین گوئی کے مصداق (15)، وہ گورخر کی طرح آزاد مرد تھے مگر بایں ہمہ وہ والدین کی اطاعت گزار و فرمان بردار اولاد بھی تھے اور صادق الوعد رسول اور نبی بھی بنائے گئے تھے (16)، والد گرامی نے جب تومند کڑیل جوان کو اپنے خواب نبوی سے آگاہ کیا تو بیٹے نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس شرف و اعزاز پر اپنے رب کا شکریہ بھی ادا فرمایا تھا (17)، کیا خوب برمحل ارشاد کیا شاعر مشرق نے (18):

یہ فیضان نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی!!

(2) والدہ ماجدہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سیدہ یُکابد

اولوا العزم اور اصحاب شرائع انبیاء، حضرت موسیٰ علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کی طرح سب کے سب تاریخ میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ جو فریضہ مقدر فرمایا تھا وہ بھی منفرد اور انوکھا تھا، ایک اکیلا نبی برحق اپنے ایک بھائی کی رفاقت و معاونت سے تاریخ کی ایک قاہر و جابر بادشاہت سے ٹکرا جاتا ہے، ایک محکوم و مظلوم قوم کو برسر اقتدار ظالم و جابر فرعون اور اس کی ظالم و جابر قوم سے آزادی دلاتا ہے اور اس کے طفیل اللہ تعالیٰ فرعون کو مع لشکر بحیرہ قلزم کی موجوں کی نذر فرما دیتے ہیں اور یوں ایک قوم ضعیف اوپر آجاتی ہے اور ایک مغرور و متکبر قوم اپنے حکمران سمیت معدوم ہو جاتی ہے (19)، یہ ایک بالکل انوکھا اور منفرد انقلاب تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کی حکمت سے برپا ہوا اس انقلاب کو برپا کرنے والے فرزند بنی اسرائیل کی تربیت کی اصل نگران ایک عظیم خاتون تھیں مگر تاریخ نے اس خاتون کے ساتھ انصاف نہیں کیا، تورات نے بھی اتنا بتایا ہے کہ اس کا نام یوکابد یا یکابد تھا اور وہ بنی اسرائیل کے لاوی خاندان سے تھی، اس کے والدین

حتی کہ اس کے شوہر کے بارے میں بھی تاریخ نے بڑی بخیلی سے کام لیا ہے، تورات کی کتاب خروج کے دوسرے باب میں ہے(20) کہ

”اور لاوی کے گھرانے کے ایک شخص نے جا کر لاوی کی نسل کی ایک عورت سے بیاہ کیا، وہ عورت حاملہ ہوئی اور اس کے بیٹا ہوا، اور اس نے یہ دیکھ کر کہ بچہ خوبصورت ہے تین مہینے تک اسے چھپا کر رکھا اور جب اسے اور زیادہ چھپا نہ سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا لیا اور اس پر چکنی مٹی اور رال لگا کر لڑکے کو اس میں رکھا اور اسے دریا کے کنارے جھاؤ میں چھوڑ آئی اور اس کی بہن دور کھڑی رہی تا کہ دیکھے کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے اور فرعون کی بیٹی دریا پر غسل کرنے آئی اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارے کنارے ٹہلنے لگیں، تب اس نے جھاؤ میں وہ ٹوکرا دیکھ کر اپنی سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھا لائے، جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا اور وہ بچہ رو رہا تھا، اسے اس پر رحم آیا اور کہنے لگی: یہ کسی عبرانی کا بچہ ہے، تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی سے کہا کیا میں جا کر عبرانی عورتوں میں سے ایک دائی تیرے پاس بلا لاؤں جو تیرے لئے اس بچے کو دودھ پلایا کرے؟ فرعون کی بیٹی نے اسے کہا جا، وہ لڑکی جا کر اس بچے کی ماں کو بلا لائی، فرعون کی بیٹی نے اسے کہا تو اس بچے کو لے جا کر دودھ پلا، میں تجھے تیری اجرت دیا کروں گی، وہ عورت اس بچے کو لے جا کر دودھ پلانے لگی، جب بچہ کچھ بڑا ہوا تو وہ اسے فرعون کی بیٹی کے پاس لے گئی اور وہ اس کا بیٹا ٹھہرا اور اس نے اس کا نام موسیٰ یہ کہہ کر رکھا کہ میں نے اسے پانی سے نکالا!“۔

تو یہ ہے وہ تفصیلی بیان جو پیدائش سے لے کر بڑا ہونے تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تورات میں آیا ہے، یہاں لاوی کے گھرانے کی اس خاتون کا نام بھی مذکور نہیں، یہ بھی نہیں آیا کہ ان کی والدہ ماجدہ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ القا کیا تھا کہ وہ کچھ دن دودھ پلا کر بچے کو نیل میں ڈال دے، پھر اس بچے کی حفاظت کرنا، اسے تیرے پاس لوٹا دینا اور

پھر اسے منصب نبوت سے سرفراز فرما کر فرعون اور اس کے گماشتوں کے لئے سراپا حزن وغم بنا دینا اور ان کے ذریعے بنو اسرائیل کو نجات دلا کر فرعون کو لشکر سمیت بحیرہ قلزم میں غرق کر کے مار دینا اور پھر اس کی نعش کو رہتی دنیا تک کے لئے مرقع عبرت بنا دینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے ان سب باتوں کے متعلق تورات خاموش ہے البتہ اس کے یہودی احبار مفسرین نے بعض تفاصیل ذکر کی ہیں لیکن قرآن عزیز نے ان سب باتوں کو منکشف کر دیا ہے (21) اور نجات دہندہ بنی اسرائیل سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت یکابد کی ممتا کے پاکیزہ جذبات اور کڑے امتحانات کا نقشہ بڑے ہی خوبصورت لفظوں میں پیش کر دیا ہے، یہ قصہ مکرر اور بکثرت آیا ہے، جو تنوع بیان، جو دلچسپ تکرار اور جو تفاصیل اس کی ملتی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، قائد بنی اسرائیل کی شخصیت اس تنوع، تکرار اور ان تفاصیل سے بڑے دلکش اور روح پرور انداز میں سنورتی اور نکھرتی چلی جاتی ہے مگر ساتھ ہی بنو اسرائیل یا قوم یہود کا سراپا بالکل سیاہ بن کر رہ جاتا ہے، من وسلویٰ کھانے والے ناشکرے اپنے نبی اور قائد کو زچ کر دیتے ہیں تو قاری کا اللہ تعالیٰ کے اس اولوالعزم نبی سے ہمدردی، محبت اور احترام بے پایاں بڑھ جاتا ہے۔

کتاب خروج نے جس طرح بنو لاوی کی اس عورت کا نام نہیں ذکر کیا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بننے کا شرف حاصل ہوا اسی طرح قبیلہ لاوی کے اس مرد کا نام بھی نہیں بتایا گیا جو اس عورت کو بیاہ لایا تھا اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی تھی، تاہم شروح تورات وتفاسیر نے اللہ کے اس اولوالعزم نبی کے والدین کے اسمائے گرامی یکابد زوجہ عمران بتائے ہیں، اسلامی آداب میں بھی اسرائیلیات کے تتبع میں یہی نام قبول کیے گئے ہیں، از روئے بائبل اور تفسیری ادب حضرت یکابد کے لخت جگر نجات دہندہ بنی اسرائیل کا سلسلہ نسب یوں سامنے آتا ہے: "موسیٰ بن عمران بن قاہت بن لاوی بن یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام (22)"

فرعون مصر اپنے ایک ڈراؤنے خواب کی تعبیر کے نتیجے میں یہ اعلان کر چکا ہے کہ بنو اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والی لڑکیاں تو زندہ رہنے دی جائیں مگر ہر پیدا ہونے والا لڑکا

مار دیا جائے، کہا جاتا ہے کہ اس طرح اس ایک خاص موت کی خاطر ستر ہزار کے قریب معصوم اسرائیلی بچے مارے جاتے رہے، ایسے میں لاوی خاندان کے اس جوڑے "عمران اور یکابد" کے پھلنے پھولنے کا وقت آتا ہے، موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے پیٹ میں ہیں، حاملہ حزن وملال سے دوچار ہے، اپنے رب کے حضور دست بدعا ہے کہ وہی موت و حیات کا مالک ہے، ادھر نظام قدرت اپنی آب وتاب کے ساتھ فیصلہ کن مرحلے میں ہے (23) کہ "ہم نے چاہا کہ زیردست لوگوں پر احسان کیا جائے، انہیں قیادت کا منصب اور زمین کی وراثت سونپی جائے" تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ کے فارسی مقولے کے مطابق فرعون کے مکارانہ وظالمانہ احکام پر قدرت ربانی مسکرا رہی تھی، وہ جو اسرائیلی لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مسلسل مار دینے سے اپنی سلطنت کے بچاؤ کی تدبیریں کر رہا تھا اسے یہ خبر نہ تھی کہ وہ اسرائیلی بچہ تو بچ بچا کر خود اسی کے محل میں اسی کی دولت پر اسی کی مرضی کے علی الرغم پرورش پا کر بالآخر اسے بحیرہ قلزم کی موجوں میں غرق کر دے گا اور وہ آنے والوں کے لئے سراپا عبرت بن کر رہ جائے گا! موسیٰ کے مقابل فرعون کا نام منفتاح تھا اور اس کی ممی آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں درس عبرت بنی ہوئی ہے۔

پیدائش کے بعد حضرت یکابد کا لخت جگر موسیٰ تین ماہ تک فرعونی گماشتوں کی چیرہ دستی سے محفوظ رہا، روح انسانی جو امر ربانی ہے اپنے رب سے مربوط ہے، جو پاکیزہ نفس اس روح کو ملوث ہونے سے بچاتا ہے اس کی روح اپنے رب جلیل سے بذریعہ قلب صادق رہنمائی پاتی رہتی ہے نبی کو آغوش میں پالنے والی یکابد آخر کیوں اس انعام والقائے ربانی سے محروم رہتی؟ اسی حقیقت کو کتاب عزیز یوں بیان فرماتی ہے (24):

> "ہم ہی نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اپنے اس لخت جگر کو دودھ پلائے جانا، پھر اس بارے جب خدشہ محسوس ہو تو اسے تابوت میں ڈال کر دریا کو سونپ دینا، کسی قسم کا خوف کرنا نہ غم کرنا، یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اسے دوبارہ تیرے پاس بھی لائیں گے اور اسے منصب رسالت سے بھی سرفراز فرمادیں گے!"

یہ آیت کریمہ اشارہ کر رہی ہے کہ والدۂ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنے فرزند کے متعلق وہی بشارت ملی تھی جو اس سے قبل حضرت ہاجرہ کو خداوند کا فرشتہ دے چکا تھا اور اس نوع کی بشارتیں بعد میں سیدہ مریم اور سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کو ملنے والی تھیں، یہ فضل و کرم ان امہات انبیاء کا حق تھا جو انعام خداوندی کی صورت میں انہیں ملتا رہا، دریائے نیل کے ڈیلٹا میں ہونے والے سرکنڈے سے ام موسیٰ نے ایک تابوت بنوایا، چکنی مٹی اور رال سے اسے پختہ کر دیا، جسے مریم بنت عمران خواہر موسیٰ دریا کے جھاؤ میں ڈال آئی، یہ اس ماں کا حوصلہ اور جگرا ہے جس نے اپنے لخت جگر کو یوں نیل کی موجوں کے سپرد کر دیا، اس یقین اور ایمان کے ساتھ کہ اس کا فرزند اللہ کی قدرت سے اس کے پاس پرورش پانے کے لئے بھی لوٹایا جائے گا اور اسے رسالت سے سرفراز فرما کر بنو اسرائیل کی نجات و قیادت کا منصب بھی عطا ہوگا، یہ حوصلہ صرف انبیائے کرام کی ماؤں کے پاس ہوتا ہے! انجام سب کو معلوم ہے!

اس ڈیوائن کامیڈی کے اگلے منظر کو کتاب عزیز نے یوں پیش کیا ہے (25):

"پھر فرعون کے گھر والوں نے اسے دریا میں سے اٹھا لیا تاکہ وہ ان کے لئے ایک دشمن اور غم میں ڈالنے والا ثابت ہو اور انسانیت کو یہ معلوم ہو جائے کہ فرعون، ہامان اور ان کے سب لشکری اپنی مکارانہ سازشوں میں غلط کار تھے!"

قصص الانبیاء کے بیان میں کتاب عزیز کا اصل مقصد محض کہانی یا اس کے تفصیلی واقعات نہیں ہوتے بلکہ اصل میں ان میں پوشیدہ بصائر اور عبرتوں کے خزانے سے خبردار کرنا ہوتا ہے، اس لئے پہلی آیت میں ایک نبی کی ماں کا حوصلہ اور ایمان ظاہر کرنا تھا تو یہاں باطل قوتوں کی ظالمانہ سازشوں کی ناکامی، کھوکھلے پن اور انجام کار رسوائی سے پردہ اٹھانا مقصود ہے!

اس کے بعد اگلا منظر فرعون کا شاہی محل ہے جہاں اس کی بودی سازشوں کی ناکامی کے لئے قدرت ربانی ان کی عقلوں پر تالے اور بصیرتوں پر پردے ڈال رہی ہے، وہ اپنے آپ کو پھندے ڈال کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ڈالتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں مگر خود انہیں

اپنے انجام بد کا شعور تک نہیں ہے (26):

"اور فرعون کی بیوی اپنے شوہر فرعون سے کہنے لگی: یہ تو میرے لئے اور تیرے لئے آنکھ کی ٹھنڈک ہے، اسے عبرانی ہونے کے شبہ میں قتل مت کرو، ہو سکتا ہے یہ ہمارے لئے نفع کا باعث ہو یا اسے ہم اپنا بیٹا ہی بنا لیں مگر انہیں کچھ شعور و احساس نہ تھا کہ کیا کر رہے ہیں!"

ظالم اور مغرور انسان کا حشر ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے، وہ اپنے پاؤں پر کلہاڑا خود مارتا ہے اور اپنی موت کا سامان بھی اپنے ہی ہاتھوں سے کرتا ہے، ظلم و غرور کا یہ پتلا بینائی کے باوجود دیکھ نہیں پاتا، وہ ایسے احمقانہ قدم اٹھاتا ہے جو اسے اپنے ہاتھ سے کھودے ہوئے کنوئیں کی طرف لے جاتے ہیں، کوئی نہ کوئی شبہ اطفال بنی اسرائیل کے خون کے پیاسے درندہ صفت فرعون کو اپنے موسیٰ کے قتل سے باز رکھتا ہے، کسی منفعت کی امید موہوم اور اپنا بنا لینے کی دھن اسے یوں اندھا کر دیتی ہے کہ وہ اپنے قاتل کو پہچاننے سے بھی عاجز ہو جاتا ہے، بنو لاوی کی عظیم خاتون سے کیے گئے وعدہ ربانی کی تکمیل کا سامان اس طرح ہو جاتا ہے اذا جاء القدر عمی البصر (27) یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب قدرت نے اپنا نظام نافذ کرنا ہوتا ہے تو بینائی کے باوجود اندھا پن کارفرما ہو جاتا ہے! اور یوں اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں واپس آنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے، کتاب خروج کی رو سے تو موسیٰ کو فرعون کی بیٹی اپنا بیٹا بناتی ہے اور اس کا نام بھی موسیٰ یا موشی وہی چنتی ہے جس کے معنی ہیں پانی سے نکالا ہوا، مگر اس میں کوئی تک نہیں کہ ماں باپ کے گھر میں کوئی کنواری دوشیزہ کسی لاوارث اور نامعلوم بچے کو گود لے بیٹھے، قرآن کا نقطہ نظر ہی اصل حقیقت ہے، اللہ تعالیٰ نے شاہی محل کے ماحول میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کے لئے ان کے چہرے مہرے پر اپنی محبت کا رنگ چڑھا دیا تھا جس نے اس معصوم ہونہار بچے کو فرعون منفتاح اور اس کی بیوی آسیہ کے لئے باعث کشش اور محور محبت بنا دیا تھا (28)!

قرآن کریم نے جن انبیائے کرام اور مقدسین کے عبرت آموز قصوں کو چنا ہے انہیں مکمل بشریت کے رنگ میں پیش کیا ہے اور اللہ والا ہونے کے باوجود ان پر الوہیت کا رنگ نہیں چڑھنے دیا، سیدہ یکابد کی ممتا بھی انہیں بشریت کے روپ میں سامنے لا رہی ہے، بچے کی سلامتی، محفوظ واپسی اور نجات دہندہ بنی اسرائیل کے منصب پر فائز کرنے کا وعدہ ربانی القا ہو چکا ہے مگر ماں کی ممتا کے خدشات اپنی جگہ ہیں، خیال آتا ہے کہ خدا معلوم نیل کی موجیں تابوت کو کہاں لے جائیں اور کوئی پتہ بتانے والا بھی نہ مل سکے! اس سے تو یہی بہتر تھا کہ ظالم فرعونی درندے بچے کو مار دیتے تو اپنے لخت جگر کی آخری نشانی تو نظروں میں رہا کرتی، اب اگر بچہ گم ہو گیا تو کیا ہو گا؟ اس خیال سے یکابد چلا کر کہنے کو تھیں کہ فرعونی درندو! وہ موجوں کے تھپیڑے کھانے والا میرا لخت جگر ہے، ایک عبرانی ہے، اسے جا لو اور تھام لو! مگر اللہ جل شانہ کی رحمت ایک بار پھر ممتا کی زبان پر تالا لگوا دیتی ہے اور دل کو یقین وایمان کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے کہ صبر وہمت سے کام لو، ثابت قدم رہو، رب کے وعدے سچے اور غیر متزلزل ہوتے ہیں! اسی منظر کو یہ آیت ربانی سامنے لاتی ہے (29):

"اور صبح کو موسیٰ کی والدہ کے دل کا قرار کھو گیا، قریب تھا کہ وہ اپنی بے قراری کا واویلا کرنے لگے، اگر ہم اس کے دل کو دولت یقین سے مضبوط نہ کر دیتے!"۔

یہاں مقصود اصلی محض ام موسیٰ یا ان کی تسلی کا سامان نہیں تھا بلکہ مقصود حقیقی ایک اولوالعزم نبی کے بچپن کا تحفظ تھا جو قدرت ربانی کے اٹل نظام کا اصول ہے، مغرور ومتکبر الوہیت کے جھوٹے مدعی کو انجام بد سے دوچار کرنا مقصود تھا اس لئے حضرت یکابد کے لئے اطمینان قلب کا یہ سامان کیا گیا اور بے قراری کو صبر میں بدل دیا گیا!

اب سورۃ القصص میں اس ملہمات الٰہیہ یعنی دلچسپ خداوندی کہانی یا ڈیوائن کامیڈی کا وہ آخری منظر سامنے آتا ہے جس میں مرکزی کردار سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا ہے جن کا نام مریم بنت عمران آیا ہے (30)، تابوت کو نیل کے سپرد کرنے کے بعد ام موسیٰ نے اپنی بیٹی کو دریا کی موجوں کے ساتھ ساتھ بہتے ہوئے تابوت کی نگرانی کا کام سونپا تھا، جو اس نے

کمال ہنرمندی سے انجام دیا۔ فرعون کے گھرانے کے لوگوں نے جب تابوت نکال لیا تو وہ بھی اپنی حکمت و تدبیر سے شاہی محل میں پہنچ گئی اور اندرونی منظر کا مشاہدہ کرتی چلی گئی، خانوادہ فرعونی جب بالآخر بچے کو متبنی بنانے پر متفق ہو گیا تو مناسب دایہ کی تلاش شروع ہوئی، اللہ تعالیٰ نے تمام دایوں کا دودھ موسیٰ کے لئے حرام ٹھہرا دیا تھا، اس موقع پر مریم بولی کہ ایک گھرانے کی دائی کو میں بھی جانتی ہوں، شاید وہ اس کی تربیت بھی اخلاص و دیانت سے کر سکے، یوں یکا بد سے کیا گیا ربانی وعدہ پورا ہونے لگا اور وہ اپنے لخت جگر کو پرورش کے لئے ساتھ لے جانے کے لئے آ گئیں، کلام الٰہی نے اس منظر کو ان خوبصورت الفاظ اور معجزانہ اسلوب کے ساتھ پیش کیا ہے جس کا ترجمہ یوں کیا جا سکتا ہے (31):

"خواہر موسیٰ کو ماں نے کہلایا تھا کہ وہ تابوت کے پیچھے پیچھے دھیان سے چلتی جائے چنانچہ وہ ایک ان جان کے انداز میں اسے دیکھتی چلی گئی، لوگوں نے اسے محسوس بھی نہ کیا، ماں کے سوا تمام دایوں کا دودھ ہم نے موسیٰ کے لئے ممنوع کر دیا تھا، تب بہن نے فرعونی خانوادہ سے کہا کہ میں آپ کو ایک ایسے گھرانے کا پتہ بتا دوں جو آپ کی خاطر بچہ کو خیر خواہ بن کر سنبھال سکیں؟! تو یوں ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور غم نہ کرتی رہے اور وہ یہ بھی جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے پر بہت سے لوگ اسے جان نہیں پاتے!!"۔

قرآن عزیز ام موسیٰ علیہ السلام کی بس اتنی کہانی سے سامان عبرت و موعظت فراہم کرتا ہے کہ اس کتاب حق کا منصب داستان گوئی نہیں ہے، البتہ کتاب خروج کے مذکورہ بالا بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی والدہ باصرار بیٹے کو گھر لے گئیں اور شاہی محل میں آیا بن کر رضاعت اور پرورش کے لئے آمادہ نہ ہو سکیں، حکمت کا تقاضا بھی یہی تھا، ممتا کا مخلصانہ پیار کسی نوع بھی پردہ فاش کر دیتا، چنانچہ فرعونی ماحول سے دور عبرانی گھرانے میں اپنی ماں کے زیر سایہ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش ہوتی رہی، شاہی محل سے آنے والا معاوضہ ایک خدائی انعام تھا جو نبی برحق کی والدہ ماجدہ کو ملتا رہا، قدرت ربانی کے یہی کھیل ہیں جو

نمرودوں اور فرعونوں کو کھلونے بناتی رہتی ہے، رضاعت کی مدت جب پوری ہوگئی تو قدرت ربانی نے ایک عبرانی بچے کو فرعونی محل کا شہزادہ بنا کر پلنے بڑھنے کا سامان کر دیا، ماں اپنے لخت جگر کو فرعون کے گھرانے کے سپرد کر گئی جہاں موسیٰ علیہ السلام کو وہ قوت شباب عطا ہوئی جس نے ایک گھونسے سے ایک فرعونی کا کام تمام کر دیا تھا، ام موسیٰ علیہا السلام جیسی عظیم خاتون کی بقیہ زندگی اور وفات کے بارے میں بخیل تاریخ کے صفحات بالکل خاموش ہیں، مگر قرآن کریم ہمارے لئے تسلی کا سامان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ام موسیٰ سے کیا گیا خدائی وعدہ کہ "ہم نہ صرف یہ کہ بچے کو صحیح وسالم ماں کے پاس لوٹا دیں گے بلکہ اسے رسالت ونبوت کے منصب سے بھی سرفراز کریں گے پورا ہو سکے"۔ فرعون کو اس کے تکبر وغرور اور مکارانہ ظلم و درندگی کا مزہ بھی چکھا دیا جائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے نجات دہندہ کا وہ تاریخی بلکہ تاریخ ساز کردار بھی ادا کریں جو ایک ایسا انقلابی کردار ثابت ہوا جس نے دنیا کو زیر زبر کر کے تاریخ کا رخ بدل دیا، زیردست ومحکوم آزاد ہو گئے اور اپنے ظالمانہ احکام سے ناتواں اور زیردستوں سے بیگار لینے والے حکمران اپنے انجام بد کو پہنچے اور انسانیت کے لئے مرقع عبرت بن گئے! مگر یہ کام فرعونی ماحول میں رہ کر شاید آسانی سے انجام نہ پا سکتا! اس کے لئے کسی مرشد کامل کے آستانہ کو بوسہ دینا ضروری تھا! اللہ تعالیٰ کے نبی برحق کے سوا یہ کام کوئی اور انجام نہ دے سکتا تھا! خطیب الانبیاء سیدنا شعیب علیہ السلام کے فیضان نظر نے موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ بننے کی راہ پر ڈالنا تھا، ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا "اور ہم نے چاہا تھا کہ کمزوروں پر احسان کر کے اپنی زمین کا وارث بنا دیں"۔ اس کے لئے گلہ بانی کا مرحلہ طے کرنا ضروری تھا تاکہ جہاں بانی کی تمہید بن سکے اور شرح صدر کے ساتھ ساتھ ید بیضا ضرب کلیمی کا معجزانہ فریضہ ادا کر سکے:

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے!!

(3) سیدہ مریم بنت عمران سلام اللہ علیہا

اولوالعزم انبیائے کرام کی امہات طاہرات کے سلسلہ کی تیسری کڑی حضرت مریم بنت عمران ہیں جو سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں، تاہم یہ تیسری کڑی پہلی دونوں کڑیوں سے مختلف بھی ہے اور کئی لحاظ سے یہ اہم بھی ہے، ایک اہمیت تو یہ ہے کہ پہلی ہر دو عظیم خواتین، سیدہ ہاجرہ والدہ ماجدہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام اور سیدہ یکابد والدہ ماجدہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اسمائے گرامی اگرچہ تورات یا اس کی بعض شروح میں تو مذکور ہیں مگر قرآن کریم میں وارد نہیں ہوئے صرف "ام موسیٰ" (موسیٰ کی والدہ) کے الفاظ آئے ہیں جب کہ حضرت مریم کا اسم پاک کئی مرتبہ مکرر وارد ہوا ہے اسی طرح سیدہ مریم کا نام اناجیل اربعہ میں بھی بتکرار آیا ہے اور یہ قدرتی اور قابل فہم بات ہے۔

دوسری اہمیت یہ ہے کہ جس عزت و احترام اور تعظیم و تکریم کے ساتھ قرآن مجید میں سیدہ مریم کا ذکر بار بار آیا ہے اس طرح اور کسی عظیم خاتون کا تذکرہ نہیں آیا لیکن تیسری اور سب سے زیادہ اہمیت یہ ہے کہ تورات اور قرآن کریم کی رو سے اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ان تینوں بزرگ خواتین کے پاس اس کا پیغام اشارات کی صورت میں لاتا رہا ہے یا خود رب جلیل نے انہیں خطاب سے نوازا ہے، اس طرح ان کی "نبوت" (یعنی اللہ تعالیٰ کا پیغام آنا) ثابت ہوتا ہے مگر جس ہستی کے اللہ تعالیٰ کی نبیہ ہونے کے واضح اور مثبت دلائل سب سے زیادہ قوی ہیں وہ صرف حضرت مریم بنت عمران والدہ ماجدہ حضرت مسیح علیہ السلام ہیں حتیٰ کہ بعض اہل علم نے تو انہیں "نبیہ" تسلیم بھی کیا ہے جن میں امام ابن حزم ظاہری بہت نمایاں ہیں (32)۔ قرآن کریم میں بھی حضرت مریم کے پاس فرشتہ کا بھیجا جانا، ان سے ہم کلام ہونا اور خود اللہ تعالیٰ کا ان سے مخاطب ہونا ایسے شواہد ہیں جو انہیں "مقام نبوت" پر فائز ہونے کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔

حضرت مریم کے احوال اور واقعات زندگی اناجیل اربعہ (چاروں انجیلوں) میں بھی مذکور ہیں اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں، تاہم ثقاہت و یقین کا جو شرف قرآن کریم کو حاصل

ہے وہ اور کہیں نہیں ہو سکتا، بائبل کو جس تغیر و تحریف سے دو چار ہونا پڑا اور انجیلوں کی جس کثرت میں سے صرف چار کو قبول کیا گیا، یہ سب ایسے امور ہیں جو کتاب مقدس کی موجودہ شکل کو مشکوک بنانے کے لئے کافی ہیں اور جسے اہل کتاب مقدس، یہود و نصاریٰ کے ماہرین خود بھی تسلیم کر چکے ہیں (33)۔ انبیائے کرام کی امہات طاہرات کے اس سنہری سلسلے کی یہ تیسری کڑی باقیوں سے اہم اور مختلف یوں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی پیدائش سے لے کر ولادت سیدنا مسیح علیہ السلام تک کے حالات کو ہماری نظروں کے سامنے رکھا ہے تاکہ ہمیں یہ علم الیقین حاصل ہو جائے کہ قدرت کا نظام ربانی انبیائے کرام کی عصمت و طہارت کا تحفظ کس طرح فرماتا ہے اور وہ اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں کیونکر منتقل ہوتے رہتے ہیں، بلکہ حضرت مریم کی عصمت و طہارت کے نظام کو تو پیدائش سے قبل کے بعض مناظر کو بھی ہمارے سامنے رکھا گیا ہے، ان کی والدہ ماجدہ حضرت حنہ بنت فاقوذ کے پاکیزہ و مومن دل سے نکلنے والی دعا کو اللہ تعالیٰ فوری قبولیت کا شرف بخشتے ہیں جب وہ پیرانہ سالی میں ایک پرندہ کو اپنے چوزہ کے منہ میں خوراک ڈالتے ہوئے دیکھتی ہیں تو دعا کی شکل میں دل سے ایک ہوک سی اٹھتی ہے کہ کاش اس پرندے کی ممتا کی طرح میری محروم ممتا کو بھی اولاد پروری کا شرف نصیب ہوتا!، اور جب بچے کی امید پیدا ہوتی ہے تو اللہ کی وہ نیک اور شکر گزار بندی یہ نذر مانتی ہیں کہ وہ اسے مقدس عبادت گاہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گی: مگر یہ تمام تفاصیل صرف رسول اعظم و آخر ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن عزیز میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ آئی ہیں اور یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ "اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اپنی رسالت کا بار امانت کسے عطا فرمائیں (34)" وہ خود ہی اپنے بندوں میں سے چن چن کر نبی اور رسول بناتا جاتا ہے (35):

"یقیناً اللہ ہی نے آدم کو منصب نبوت کے لئے تمام لوگوں میں سے چنا، پھر نوح کو، پھر آل ابراہیم کو اور پھر آل عمران کو، یہ سب ایک دوسرے کی نسل سے تھے اور اللہ تو سننے جاننے والے ہیں، اسی نے سنا اور جانا جب عمران کی بیوی حنہ نے عرض کیا کہ

اے میرے رب! جو کچھ بھی میرے پیٹ میں ہے میں اسے تیری نذر کرتی ہوں، وہ وقف ہوگا، تو تو ہی اسے مجھ سے قبول فرما، بے شک تو سننے جاننے والا ہے، پھر جب بچی پیدا ہوئی تو کہنے لگی: اے میرے رب! میرے تو بچی پیدا ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ تو بہتر جانتے ہیں کہ اس نے کیا جنا ہے، اصل میں مذکر کہیں مؤنث جیسا تو نہیں ہوتا! اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے، میں اسے اور اس کی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں، انہیں شیطان مردود سے بچانا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بچی کو خوب شرف قبولیت بخشا اور اسے خوب بڑھایا اور اس کی کفالت حضرت زکریا نے کی، جب بھی زکریا محراب کے اندر اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانے کی چیزیں پاتے، وہ کہتے: اری مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ تو وہ کہتی: یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بغیر حساب کتاب کے رزق عطا فرمادیا کرتا ہے! وہیں پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا اے میرے رب! مجھے بھی اپنے فضل سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا سننے والا ہے، چنانچہ جب وہ محراب میں قیام صلوۃ میں تھے تو فرشتوں نے انہیں پکارا کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتے ہیں، وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے، سردار پاکیزہ کردار اور انبیائے صالحین میں سے ہوگا! وہ کہنے لگے: اے میرے رب! میرے لڑکا کیسے ہوگا؟ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے! اس نے کہا: ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، زکریا نے عرض کیا: میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے بات نہیں کرے گا مگر صرف اشارے سے، اپنے رب کو بہت یاد کر اور صبح و شام تسبیح بیان کرتا رہ!"۔

ان آیات کریمہ کی تفصیلی معلومات اپنی جگہ مگر ان میں کچھ دلچسپ اور اہم اشارے بھی ہیں جو قابل توجہ اور قابل غور ہیں، نبوت و رسالت کے لئے تو اللہ چنتا ہی ہے مگر رسل و انبیاء

کے لئے اصلاب طاہرہ اور ارحام طاہرہ کا انتخاب اور تحفظ بھی وہی کرتا ہے جیسے مریم اور ان کے والدین کے انتخاب پر یہاں نص موجود ہے اور یہی قدرت کا وہ نظام ربانی ہے جو ازل سے نور مصطفیٰ ﷺ اور عصمت انبیاء کا ذمہ دار ہے، اولوالعزم انبیائے کرام کی امہات طاہرات تو وحی الٰہی اور ملائکہ سے تخاطب کا شرف حاصل کرتی ہی رہی ہیں مگر یہاں حضرت حنہ ام مریم بھی اس سے مشرف ہو رہی ہیں، یہ بات حضرت مریم کے تقدس و مقام اعلیٰ پر دلالت کرتی ہے، بچپن ہی سے ان کی ولایت و نبوت اور تقدس و طہارت کا اہتمام تھا تاکہ وہ معجزہ ربانی کو نبھانے کے لئے آمادہ ہوں کہ جس طرح خالق بدیع السموات والارض نے مسیح علیہ السلام کو بن باپ کے پیدا فرمایا اسی طرح وہ آدم علیہ السلام کو بن ماں باپ کے وجود عطا فرما چکا ہے تاکہ لوگوں کو تعجب نہ ہو، محراب مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہونا مقامات مقدسہ کے متبرک ہونے کو بھی ثابت کرتا ہے!

قرآن کریم نے سیدہ مریم علیہا السلام کی زندگی کے مختلف مراحل کو جس دلکش اسلوب اور منفرد انداز میں پیش کیا ہے اس کی کہیں اور مثال نہیں ملتی، فرشتے آکر بتاتے ہیں کہ مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے منتخب فرمایا اور تجھے پاکیزہ بنا دیا ہے، تجھے تمام جہانوں کی عورتوں پر ترجیح دی ہے اور وہ یوں کہ آدم کو بن ماں باپ کے اپنے امر کن فیکون سے پیدا فرمایا تھا، اب سیدنا مسیح علیہ السلام کو اپنے اسی کلمہ کن کے ذریعہ بن باپ کے پیدا فرما رہے ہیں، ظاہر ہے یہ حضرت مریم کی انفرادیت ہے اور اس میں کوئی اور عورت ان جیسی نہیں ہے، اسی لئے فرشتے انہیں حکم ربانی سے آگاہ کرتے ہیں کہ اے مریم! تو نے اپنے رب کی فرماں برداری کرنا ہے اس لئے سجدہ و رکوع کے ساتھ نماز جاری رکھ، حضرت مریم کا یہی منفرد تقدس و طہارت تھی کہ بنو اسرائیل کے تمام بزرگان وقت میں سے ہر ایک ان کی کفالت کا دعویدار بن گیا اور بالآخر فیصلہ قرعہ اندازی سے حضرت زکریا کے حق میں ہوا جو ان کے خالو بھی تھے (37)، فرشتوں نے انہیں اللہ کی طرف سے اپنے لفظ کن سے ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری بھی سنائی جس کا نام "المسیح عیسیٰ بن مریم" ہوگا، جو دنیا و آخرت میں معزز و محبوب ہوگا اور

اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ ہوگا، وہ گہوارہ میں اور بڑے ہو کر لوگوں کو بہت کچھ بتائے گا اور نیک ہوگا، مگر حضرت مریم کا فرشتوں کو جواب تھا کہ بھلا میرے بچہ کیونکر ہوگا، مجھے کسی بشر نے تو چھوا تک بھی نہیں! فرشتے نے کہا: بات تو یہی ہے مگر اللہ جو چاہتا ہے اپنے کلمہ کن فیکون سے پیدا کر دیتا ہے! بس جو فیصلہ فرماتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے! تیرا یہ بیٹا بنی اسرائیل کا پیغمبر ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل بھی سکھائے گا (38)!

قدرت ربانی کا جو نظام انسانیت کا مقدر سنوارنے والے رسل وانبیاء کی عصمت وتحفظ کے لئے روز اول سے کارفرما ہے وہ اس سلسلے کو کامیاب کرنے اور آگے بڑھانے کے لئے فطرتی اسباب پیدا کرتا رہتا ہے اور قدم بقدم یہ سلسلہ ترقی کرتا ہے، والدہ ماجدہ مسیح بن مریم سے بھی چونکہ اس کے لئے ایک نہایت نازک اور اہم خدمت لینا تھی اس لئے انہیں اس سے مانوس کرنا اور ذہنی طور پر تیار کرنا بھی لازم تھا، یہ ایسے ہی سمجھیے جیسے رسول اعظم وآخر ﷺ کی بعثت سے پہلے فضا ہموار کرنے کے لئے ''ارھاصات'' (قبل از وقت یا پیشگی نشانیاں) ضروری تھے، چنانچہ ان کی بوڑھی والدہ کی دعا قبول ہونا، خدمت ہیکل کے لئے انہیں وقف کر دینے کی نذر ماننا، بے موسم پھل اور بے اندازہ رزق مہیا ہونا اور پھر فرشتوں کے ذریعہ انہیں ولادت مسیح علیہ السلام کی بشارت دینا اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں اور ان کا مقصد بھی یہی تھا۔

مسیحی لٹریچر خصوصاً انجیل لوقا اور یوحنا کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم کے منگیتر یوسف کو جب کنواری کے ماں بننے کا علم ہوا تو اس نے الگ ہو جانے کا ارادہ کیا مگر خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں سمجھایا کہ مریم پاک دامن ہے اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ مسیح منتظر ہے تو اس نے ارادہ بدل لیا اور حضرت مریم کا خاص خیال رکھا بیت اللحم میں ان کی پیدائش سے ستارہ شناسوں کو یہ علم ہوا کہ بادشاہ وقت ہیرودیس کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا ہے، ڈر یہ تھا کہ وہ تو مولود کو قتل کروا دے گا چنانچہ یوسف نے حضرت مریم اور ان کے لخت جگر کو مصر لے جانے کا فیصلہ کیا، وہ دس بارہ سال تک مصر ہی میں رہے

اور بادشاہ کی موت کے بعد بیت المقدس لوٹے جہاں بدعمل احبار یہود اور مسیح ناصری کے درمیان معرکہ حق و باطل شروع ہونا تھا(39)۔

چودہ سال کی عمر تک حضرت مریم بنو اسرائیل کے لوگوں سے پردے میں رہیں، اس دوران میں انہیں کسی اسرائیلی مرد نے دیکھا تک نہیں (40)، ظاہر ہے روحانی احوال کچھ ہی ہوں، ایک ایسی پاک دامن اور پردہ نشین دوشیزہ کا بن باپ کے بچے کی ماں بننا گوارا کرنا جہاں اللہ پر ان کے غیر متزلزل ایمان کی علامت ہے وہاں ان کی ہمت و استقلال کی بھی دلیل ہے، مسیحی محقق تو کنواری ماں (Virgin Mother) کے تصور سے پیچھا چھڑا چکے ہیں مگر اہل اسلام ان کی پاک دامنی اور تقدس کے محافظ رہیں گے اس لئے کہ قرآن کریم نے جہاں ان پر بہتان لگانے والے سنگدل احبار یہود کے موقف کو ٹھکرایا ہے (41)، وہاں سیدہ مریم کو بنت حوا کی ناموس اور عورت کی عظمت کی ایسی بلندی قرار دیا ہے، جس کے بعد آگے کوئی بلندی باقی نہیں رہتی (42)، سیدہ مریم نسوانی عظمت کی ایک بلند ترین مثال ہیں۔

سیدنا عیسیٰ بن مریم کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کا سلسلہ نسب حضرت داؤد علیہ السلام سے جا ملتا ہے اور ان کے والدین کریمین از روئے تورات و قرآن نیک دل اور پاک دامن تھے (43)، لیکن سیدہ مریم اور ان کے فرزند سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زمرۂ بشریت کی دو ہستیاں ایسی ہیں جن پر ابلیس لعین کو کوئی اختیار نہ تھا، اناجیل میں بھی ہے کہ شیطان نے سیدنا مسیح علیہ السلام کو بھٹکانے کے لئے بے پناہ جتن کیے مگر منہ کی کھائی، رسول اعظم و آخر ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ ابلیس مردود کو ان دونوں ماں بیٹے پر کوئی تصرف حاصل نہ تھا، دراصل یہ نتیجہ و ثمر تھا اس دعا کا جو حضرت حنہ بنت فاقوذ کی زبان سے ادا ہوئی تھی مگر اس زبانی دعا کو الفاظ کی شکل میں کتاب مبین قرآن مجید میں پیش کیا گیا ہے، جو مصدق الرسل والانبیاء رسول اعظم و آخر ﷺ پر نازل ہوا۔ حضرت حنہ نے عرض کیا تھا کہ ”اے میرے رب! میں مریم کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں تو انہیں شیطان مردود سے بچانا (44)“ یہ دعا قبول ہوئی، اس کا ثبوت اناجیل سے ملا اور اس کی تصدیق قرآن کریم نے کی! اللہ تعالیٰ نے

دونوں ماں بیٹے کو بیت اللحم کے پر فضا اور محفوظ شہر میں پناہ گاہ عطا فرما دی تھی، وہ ایک عرصہ تک یہیں کی ایک بستی ناصرۃ الجلیل میں مقیم رہے اور اسی نسبت سے وہ مسیح ناصری کہلائے (45)!

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو یہ شرف بھی عطا فرمایا ہے کہ اس نے اپنے حبیب پاک مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہونے والے انسانیت کے نام اپنے آخری پیغام قرآن مجید کی ایک سورت کا نام بھی سورت مریم رکھا اور اس میں ان کا ذکر مبارک اس اسلوب اور انداز میں فرمایا جس طرح سیدنا ابراہیم، اسماعیل، موسیٰ اور ادریس علیہم السلام کا ہوا ہے، ان کے لئے ایک پورا رکوع ہے (46):

"اس کتاب عزیز میں مریم علیہا السلام کا ذکر کیجئے، وہ جب اپنے لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک مشرقی مقام کی طرف چلی گئیں، کیونکہ وہ ان سے پردہ اختیار کرنا چاہتی تھیں، تب ہم نے اپنا ایک فرشتہ روح امین ان کے پاس بھیجا جو ایک بھرپور مرد کی شکل میں ان کے سامنے آ گیا، وہ کہنے لگی: اگر تو تقویٰ سے مزید کوئی مرد ہے تو میں تجھ سے خدا کی پناہ میں آتی ہوں، وہ بولا: میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخش دوں! وہ بولی: میرے لڑکا کہاں سے ہوگا نہ تو مجھے کسی آدمی نے چھوا ہے اور نہ کبھی میں بدکار تھی، وہ کہنے لگا: بات تو یونہی ہے پر تیرے رب نے فرمایا ہے کہ میرے لئے ایسا کرنا آسان ہے، ہم اس بچے کو لوگوں کے لئے ایک نشانی اور اپنی طرف سے ایک رحمت بنا دیں گے اور یہ کام تو مقرر ہو چکا ہے۔ اس طرح اس نے بچہ کو پیٹ میں لے لیا، پھر وہ اسے لئے ہوئے ایک دور مقام پر چلی گئیں۔ پھر یوں ہوا کہ دردزہ اسے ایک کھجور کے تنے کے پاس لے آیا۔ وہ بولی: کاش میں اس سے پہلے ہی کسی طرح مر گئی ہوتی تو بھولی بسری کہانی بن چکی ہوتی، مگر فرشتہ نے اسے اس درخت کے نیچے سے پکارا کہ غمگین مت ہونا، تیرے رب نے تیرے نیچے پانی کا ایک چشمہ بنا دیا ہے، کھجور کے اس تنے کو اپنی

طرف جھکا کر ہلا تازہ پکی کھجوریں تیرے لئے گر پڑیں گی، اس لئے یہ کھا اور پانی پی اور خوش رہ، اب اگر تجھے کوئی انسان ملے تو کہہ دینا کہ میں نے تو کلام نہ کرنے کا اپنے رب رحمٰن کے لئے روزہ رکھا ہوا ہے اس لئے میں تو آج کسی انسان سے بات نہیں کروں گی، پھر وہ اس بچے کو گود میں اٹھائے اپنے لوگوں کے پاس آئی تو وہ کہنے لگے: مریم! تو یہ ہنگامہ پرور کرتوت کہاں سے لے آئی ؟! اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی! مگر وہ بچے کی طرف اشارہ کرنے لگی کہ اس سے ہی سن لو، لوگوں نے کہا: ہم گہوارے میں ایک بچے سے کیا بات کریں؟ مگر وہ بچہ بولا! میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اسی نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے، اور مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ ہوں! مجھے اپنی ماں سے حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے اور زبردست یا بدبخت نہیں بنایا! سلامتی ہو میرے لئے جس روز میں پیدا ہوا یا جس دن میں مروں گا یا جس روز مجھے زندہ اٹھایا جائے گا، تو یہ ہے کہانی عیسیٰ بن مریم کی، یہ اس معاملہ میں فیصلہ کی سچی بات ہے جس میں وہ جھگڑتے ہیں!"

کتاب عزیز کا یہ بیان اپنی ہمہ پہلو تفاصیل و اعجاز کے ساتھ حضرت مریم کی پاک دامنی کی دستاویز بھی ہے اور ولادت مسیح علیہ السلام کے عقدہ لاینحل کو بھی واضح طور پر حل کر دیتا ہے، استقرار حمل کے سلسلے میں بعض نے نفخ روح براستہ حلق بتایا ہے، بعض نے بذریعہ آستین دست جبریل سے لیکن صحیح یہ ہے کہ نفخ روح کا امر ربی طبعی راستہ سے ہوا جیسا کہ قرآن کریم میں منصوص ہے (47)، اگرچہ شیخ حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور ایرانی سکالر ڈاکٹر محمد خزائلی (48) جیسے علماء نے گریبان میں پھونکنے اور جبریل در آستین مریم دمید و مریم آبستن شد" جبرئیل نے مریم کی آستین میں پھونک ماری اور مریم حاملہ ہو گئیں!" کے قول کو پسند کیا ہے مگر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ سیدہ مریم نے اپنی عصمت کی حفاظت کی اور ہم نے اس

میں اپنی روح پھونک دی (49)، اب یہ روح کس طرح پھونکی گئی یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ہے۔

قرآن کریم صرف اتنا بتاتا ہے کہ ایسا کرنا آیت و اعجاز ربانی تھا اور اللہ کی رحمت تھی جو مسیح علیہ السلام کی شکل میں سنگدل فقہائے یہود کی درشتی اور شقاوت کا زور توڑنے کے لئے بھیجی گئی تھی، اللہ رب العزت کے کلمہ "کن" کا اعجاز دو ہستیاں ہیں، ایک آدم صفی اللہ جو امر کن سے بن ماں باپ کے وجود میں آکر کلمۃ اللہ بنے اور دوسرے سیدنا مسیح علیہ السلام جنہیں صرف بن باپ کے پیدا فرما کر کلمۃ اللہ ہونے کا شرف بخشا گیا، قرآن کریم کی رو سے بن باپ کے پیدا ہونا کلمہ "کن" کا اعجاز اتنا دنگ کر دینے والا نہیں بلکہ اسی کلمہ "کن" سے مجسمہ آدم میں نفخ روح کا معجزہ اس سے بھی عجیب تر اور انوکھا ہے قرآن کریم کے دو لفظی اعجاز مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم "اللہ کے ہاں عیسیٰ کی مثال آدم ہی کی ہے" نے اس گتھی کو سلجھا دیا ہے:

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور عقدہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے سلجھا دیا چند اشاروں میں!

تخلیق آدم کا مرحلہ ہمیشہ سے آج تک فکر و دانش کے علمبرداروں کے لئے ایک راز رہا ہے، ایک ایسا ہی راز جیسے تخلیق کائنات ہے، یہ کائنات کب اور کیسے وجود میں آئی اسے کوئی انسان نہیں جان سکتا بالکل ایسے ہی جیسے کوئی انسان اپنی پیدائش اور اپنے اختتام سے آگاہ نہیں ہوتا، دوسرے تو شاید اس کی تاریخ پیدائش جانتے ہوں اور بتا سکیں مگر وہ خود تو نہیں جان سکتا نہ بتا سکتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے اسے اپنے خاتمہ کی گھڑی اور جگہ کا علم نہیں، ہاں جو اس کی وفات کا شاہد ہوگا وہ کچھ یاد رکھ سکے گا، یہ دنیا بھی تو ایک فارسی شاعر کے الفاظ میں ایک ایسی کتاب ہے جس کا پہلا اور آخری ورق گم ہے! لیکن اہل فکر و دانش تخلیق آدم کی طرح تخلیق کائنات کے متعلق بھی خرص و ظن اور اٹکل پچو سے کام لیتے رہے ہیں، مگر کتاب عزیز نے اس عقدہ کو بھی ایک لفظ میں بتا اور سمجھا دیا ہے کہ یہ تو ہمارے رب جلیل کا امر ہے،

حکم ہے، ایک فرمان ہے جو لفظ "کن" سے عبارت ہے، وہ تو جب کسی بات کا ارادہ فرماتا ہے تو بس صرف لفظ "کن" (ہو جا) فرما دیتا ہے "فیکون" سو وہ ہو جاتا ہے!) یہی حال تخلیق آدم کا اور تخلیق کائنات کا ہے، رب جلیل نے سب کچھ لفظ کن سے پیدا کیا ہے اور اسی لفظ کن سے ہر چیز کی بساط بھی لپیٹ دیتا ہے، مسیح علیہ السلام کی تخلیق باعث تعجب کیوں، ان کی کم سے کم ماں تو تھیں! آدم تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا فرمائے اور بدیع السماوات والارض "زمین و آسمان کو عدم سے وجود میں لانے والے" نے تو اس پوری کائنات کو صرف حرف کن سے عدم سے وجود عطا فرمایا سو باعث تعجب تخلیق مسیح علیہ السلام اتنی نہیں جتنی کہ آدم اور اس کائنات کی تخلیق باعث تعجب ہو سکتی ہے!!

(4) سیدہ آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا

انسانیت کا مقدر سنوارنے اور حق کا بول بالا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم انبیائے کرام کی امہات طیبات کا تاریخ ساز کردار نا قابل فراموش ہے، خصوصاً اس لئے بھی کہ ان کے تاریخ ساز کردار سے ممتا کی عظمت اور تقدس پر روشنی پڑتی ہے اور عورت کا مرتبہ و مقام بھی متعین ہوتا ہے، اس تاریخ ساز کردار کی مالک عظیم و جلیل خواتین کے سنہری سلسلے کی چوتھی کڑی اور اہم ترین کڑی سیدہ آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا ہیں، جو مصدق الرسل والانبیاء متبوع اولین و آخرین اور مطاع کل و محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی والدہ ماجدہ ہیں، لولاک لما خلقت الافلاک "اے حبیب پاک ﷺ اگر آپ نہ ہوتے تو میں یہ زمین و آسمان کی دنیا پیدا ہی نہ کرتا"۔ کا تاج اسی پاک اور مبارک ہستی کے سر سجتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ جہاں پیدا ہی اس لئے فرمایا ہے کہ اس کی برحق ہستی کو جانا اور پہچانا جائے اور اللہ تعالیٰ کی برحق ہستی کی یہ جان پہچان اور ذات وحدہ لاشریک کی یہ معرفت صرف مصطفیٰ سیدنا ﷺ کے طفیل ممکن ہوئی، جہالت اور نادانی میں نمرود و فرعون جیسے حقیر بندے بھی خدائی کے دعوے کرتے رہے مگر جب انسان نے پیغام و رسالت مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ مقام ربوبیت اور حقیقت توحید سے آگاہی حاصل کر لی تو

پھر کسی کو خدائی کا دعویٰ کرنے کی ہمت اور جرأت نہ ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی آمنہ کے لال ﷺ نے نہ صرف انبیائے سابقین کی نبوت ورسالت کی تصدیق فرمائی بلکہ اولوالعزم نبیوں کی ماؤں کے تقدس واحترام کو بھی عیاں کیا، اس لئے جس سیدہ آمنہ کی کوکھ سے اس ہستی نے جنم لیا اور جس کی گود میں انہوں نے پرورش پائی اس کا مرتبہ ومقام بھی سب کو معلوم ہونا چاہیے اور یہ بھی کہ وہ اس سنہری سلسلہ کی چار ماؤں کی سنہری، اہم ترین اور آخری کڑی ہیں!

یہ بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ وعطا کردہ دین حق دراصل صرف اسی کی اطاعت اور عبادت کا نام ہے، یہ دین حق حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت مصطفیٰ ﷺ تک ایک ہی دعوت حق تھی کہ ''لوگو! صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کیا کرو (50)!'' اسی دعوت اور اسی دین حق کا دوسرا نام اسلام ہے، اسلام تو سر جھکانے، ماننے اور اطاعت کرنے کو کہتے ہیں، یہ سر جھکانے، ماننے اور اطاعت کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو، یہ اللہ کے سامنے سر جھکانا اور اس کی اطاعت وعبادت کرنا ہی ہر نبی برحق کی دعوت رہی ہے، قرآن کریم نے بھی یہی بتایا کہ رسول اعظم وآخر مصطفیٰ ﷺ سمیت نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام تمام رسل وانبیاء کا دین یہی رہا ہے کہ اللہ کے سامنے جھکو، اسی کے بندے بن کر رہو، ایک ہو اور تفرقہ نہ ڈالو (51)، اشخاص سے نسبت (یہودیت، مسیحیت وغیرہ) رکھنا اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں، سیدنا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، موسیٰ اور مسیح علیہم السلام سب اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اور رسول تھے، ان میں سے کسی نے بھی ابراہیمی، اسماعیلی، اسحاقی، موسوی یا عیسوی کہلانے کا حکم نہیں دیا اس لئے کہ سب اللہ والے اسلام والے (اس کے سامنے سر جھکانے والے) تھے اس لئے وہ سب مسلم (ماننے والے جھکنے والے) بھی تھے، چنانچہ حضرت محمد ﷺ کو ماننے والوں کو اگرچہ بعض سازشی مستشرقین نے ''محمڈن'' کہنے کہلانے کی تحریک دی (اور مسلمان محمدی ﷺ کہلانے پر ناخوش بھی ہرگز نہیں ہیں!!) تاہم وہ اسلام کو ماننے والے مسلمان ہی ہیں اور رہیں گے اور مسلمانوں کی خواہش ہے کہ سیدنا موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو ماننے والے ہمارے اہل کتاب بھائی بھی

یہودی یا مسیحی کہلانے کے بجائے مسلم (سر جھکانے والے) کہلائیں سب اللہ کی توحید، وحدت دین اور وحدت نسل انسانی پر ایمان لا کر دنیائے انسانیت کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا ”کہ اے اہل کتاب! آ جاؤ ہم ایک بات یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید پر اکٹھے ہو جاتے ہیں“ میں یہی دعوت دی گئی ہے اور یوں سب کا دین بھی ایک ہی ہے جسے دین ابراہیمی کہا گیا اور جس کا سر چشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے!!

کہنا دراصل یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا دین ایک رہا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رسالت و نبوت بھی تسلسل کے ساتھ ایک ہی رہی ہے، جانے والے نبی نے اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت دی ہے اور نئے آنے والے نے اپنے سے پہلے والوں کی بلا استثناء تصدیق کی ہے، تورات نے سیدنا مسیح علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی، حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت مصطفیٰ ﷺ کی آمد کی خوشخبری سنائی یوں دین اسلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی رسالت اور نبوت کا سلسلہ بھی متصل اور مسلسل رہا، یہاں تک کہ خاتم الانبیاء ﷺ پر اس کی تکمیل ہوگئی!!

شان مصطفوی یہ ہے کہ بقول پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ سب ”شاناں“ اسی سے بنی ہیں! انبیائے سابقین کی تصدیق اور ان کی امہات طیبات کی شان بھی سیدہ آمنہ کے لال نے بنائی اور بڑھائی ہے، تمام جلیل القدر انبیائے کرام اور ان کی امہات طاہرات کی عظمت کی تصدیق فرمائی اور اسے دنیا سے منوایا، رسالت مصطفوی کا ایک مقصد و مدعا یہ بھی تھا وہ مصدق الرسل والانبیاء ہیں، مطاع اولین و آخرین ہیں اور خاتم الانبیاء ﷺ ہیں، سب نبیوں کو آپ پر ایمان لانا ہے، مدد کرنا ہے اور انہوں نے اپنی امتوں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دینا ہے (52)، اسی لئے جلیل القدر اور اولوالعزم انبیائے کرام کی امہات طیبات کے سنہری سلسلے کی چوتھی اور آخری کڑی سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا ہیں جو سب سے اہم اور سب کی محسن بھی ہیں، ان سب کی عزت و عظمت اور آن بان ان کے لخت جگر ختمی مرتبت ﷺ نے

بڑھائی اور متوائی ہے!!

سیدہ آمنہ کے والد وہب بن عبد مناف اپنی بیٹی کی شادی سے قبل ہی فوت ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے اپنے چچا وہیب بن عبد مناف کی سرپرستی میں زندگی کی کچھ منزلیں طے کی تھیں، کتب سیرت میں مذکور ہے کہ حضرت آمنہ کے والد کی ایک پھوپھی سودہ بنت زمعہ قریش کی ایک مشہور کاہنہ تھی، اس کی پیشین گوئیاں اکثر درست ہوتی تھیں، اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں سے نبی منتظر کے متعلق باتیں سن سن کر اس کے اندر بھی تجسس پیدا ہو گیا تھا، عین ممکن ہے اس نے کسی حبر یا راہب سے یہ بھی سنا ہو کہ آنے والے نبی کی والدہ بنوزہرہ سے ہوگی، سودہ نے ایک روز بنوزہرہ کی تمام عورتوں کو جمع کیا اور کہا کہ میرے علم کے مطابق یا تو بنوزہرہ کی کوئی خاتون نذیرہ یعنی ڈرانے والی "نبیہ" بننے والی ہے اور یا کسی نذیر یعنی ڈرانے والے نبی کو جنم دینے والی ہے! جب حضرت آمنہ اس کے سامنے آئیں تو اس نے فوراً کہا: یہی تو وہ خاتون ہے جو یا تو نذیرہ ہوگی یا کسی نذیر کو جنم دے گی غالباً یہ پہلا موقع تھا جب حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کو اپنے کسی غیر معمولی کردار کا علم ہوا اور یہ بات ان کے دل پر نقش ہو گئی، چنانچہ جب انہیں یہ علم ہوا کہ سردار قریش عبدالمطلب بن عبد مناف کا فرزند عزیز عبداللہ اپنے والد کے ہمراہ چاہ زمزم کو از سر نو دریافت کرنے اور اپنی جگہ سو اونٹ ذبح ہونے کے بعد ذبیح اللہ کا لقب حاصل کر چکے ہیں اور ان کے والد عبدالمطلب اپنے اسی فرزند ارجمند کے لئے ان کا رشتہ مانگنے آ رہے ہیں تو ان کی خوشی و مسرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے(53)!

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شاید پہلے ہاشمی ہیں جو اپنے در یتیم پوتے کی نبوت کی نہ صرف امید رکھتے تھے بلکہ اس پر قبل از وقت ان کا ایمان بھی تھا، اسی لئے تو حجر اسود کے قریب اپنے بچھونے پر اپنے پوتے کو اپنے پاس بٹھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان لابنی ھذا لشانا" کہ میرے اس فرزند کی تو ایک خاص شان ہے"۔ اور اسی لئے وہ ایک روز حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے یہ فرماتے ہوئے بھی سنائی دیتے ہیں جب کہ وہ سرکار

ﷺ کو گھر سے باہر لے جانے لگی تھیں کہ: "اے برکت! میرے اس فرزند کا خاص خیال رکھنا کیونکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ اس امت کے ہونے والے نبی اور رسول ہوں گے (54)!"

صاحب سیرت حلبیہ کے علاوہ دیگر کئی ایک سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے والد وہب بن عبد مناف حضرت عبدالمطلب کے دوست اور شریک سفر ہوتے تھے، وہ دونوں یمن کے تجارتی سفر بھی ایک ساتھ کیا کرتے تھے، ایک یمنی دوست کے گھر مہمان تھے، وہاں ایک یہودی عالم سے ملاقات ہوگئی جو قیافہ شناس بھی تھا اور کہانت کا بھی ماہر تھا، آدمی کے ناک کے دونوں نزخروں کے مطالعہ سے عرب کے قیافہ شناس بہت کچھ معلوم کر لیتے تھے، اس یمنی عرب یہودی نے عبدالمطلب سے ان کے نتھنوں کے مطالعہ کی اجازت لی اور دیکھنے کے بعد بتایا کہ آپ کی اولاد میں تو نبوت اور بادشاہت کے آثار و نشانات دکھائی دیتے ہیں، یہودی عالم نے اپنے حساب سے انہیں یہ بھی بتایا کہ آپ کے خاندان اور بنوزہرہ کے خانوادے کے باہم رشتہ ازدواج سے یہ بات یقینی ہو جاتی ہے!

شاید یہی وجہ تھی کہ چاہ زمزم کی دوبارہ دریافت اور اپنے محبوب فرزند حضرت عبداللہ کے "ذبیح ثانی" کے لقب سے سرفراز ہونے کے بعد حضرت عبدالمطلب نے بنوزہرہ کے عظیم خاندان میں ان کی شادی کرنے کا عزم فرمایا تھا، چشمہ آب زمزم حضرت ہاجرہ اور اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام خاص تھا، سعی اور سقیا (پانی پلانا) زمزم حجاج و معتمرین کے مناسک کا حصہ بن گئے ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کے پیغمبرانہ خواب کی تعبیر کے لئے سر تسلیم خم کیا تو "ذبیح اول" قرار پائے اور پھر حضرت عبداللہ نے جب اپنے والد گرامی کی نذر پوری کرنے کی خاطر سر تسلیم خم کر دیا تو ذبیح ثانی ہونے کا شرف پایا اور اسی لئے لسان مصطفیٰ ﷺ پر یہ جملہ رواں ہوا کہ انا ابن الذبیحین "میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں یعنی حضرت اسماعیل و حضرت عبداللہ کا فرزند ہوں"۔ حضرت عبدالمطلب کے ارشاد کے مطابق ان کے دوست وہب بن عبد مناف زہری کی دختر نیک اختر حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا سے ان کے فرزند حضرت عبداللہ کا نکاح

ہو گیا تو اسی مجلس میں حضرت آمنہ کی چچازاد حضرت ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف کا رشتہ بھی انہوں نے اپنے لئے مانگ لیا، ظاہر ہے سردار قریش کی بات کو کون ٹال سکتا تھا، چنانچہ ہالہ بنت وہیب کا نکاح حضرت عبدالمطلب سے ہو گیا، حضرت ہالہ کے گھر سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور سیدہ آمنہ کی گود کو حضرت محمد ﷺ نے رونق بخشی، دونوں کو حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلا کر رضاعی بھائی بنا دیا، سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ خواب میں ہاتف غیبی نے مجھے بتایا کہ آپ کے پیٹ میں اس امت کے سردار اور نبی ہیں، پھر قرب ولادت کے وقت مجھے یہی آواز دوبارہ سنائی دی جو مجھ سے یوں کہہ رہی تھی کہ جب سرکار ﷺ پیدا ہوں تو یہ دعا پڑھنا (56):

"اعیذہ بالواحد الصمد من شر کل حاسد میں اسے اللہ واحد وصمد (بے نیاز) کی پناہ میں دیتی ہوں ہر حسد کرنے والے کے شر سے!"۔

ابن سعد نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ پیدائش سے قبل ہی حضرت آمنہ کو خواب میں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے نومولود فرزند کا نام احمد رکھنا (57)! رسول اعظم و خاتم ﷺ جب پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ کے جسم مبارک سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے دنیا روشن ہو گئی اور ملک شام کے محلات انہیں دکھائی دینے لگے، نیز جب آپ دنیا میں تشریف فرما ہوئے تو ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل زمین پر آئے، انگلی اوپر کی طرف اور آپ کی نظریں آسمان کی طرف لگی تھیں، آپ مختون پیدا ہوئے اور ناف بھی صاف تھی (58)!

صاحب الروض الانف لکھتے ہیں کہ رسول اکرم مصطفیٰ ﷺ کی پیدائش سے قبل آپ کے دادا عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ ایک نقرئی زنجیری ان کی کمر سے نکلی ہے، جس کا ایک سرا زمین پر اور دوسرا آسمان پر ہے، ایک طرف وہ مغرب تک ہے تو دوسری طرف مشرق تک ہے، پھر یہ زنجیری ایک پھل دار درخت بن جاتی ہے، جس کا ہر ایک پتہ نور سے چمک رہا ہے پھر اہل دنیا اس درخت کی ٹہنیوں اور پتوں سے چمٹ جاتے ہیں، اس خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ آپ کے صلب سے ایک فرزند ایسا ہو گا جسے تمام اہل مشرق و مغرب

مانیں گے اور زمین و آسمان والے سب ان کی مدح و ثنا کریں گے اور اسی لئے آپ کے دادا نے آپ کا نام پاک "محمد" ﷺ رکھا(59)، چنانچہ آج تمام اہل زمین و آسمان آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔

ابن الجوزی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی نقل کیا ہے کہ ایک یہودی مکہ مکرمہ میں آ کر رہنے لگا تھا اور منیٰ کے بازار میں کاروبار کرتا تھا، جس رات رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے اس رات اس نے قریش مکہ کی ایک محفل میں سوال کیا کہ کیا آج آپ کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ کہنے لگا: تو سنو اے گروہ قریش! آج کی رات اس امت کے نبی احمد ﷺ پیدا ہوئے ہیں، ان کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک نشان ہے جس پر بال ہیں (یہی مہر نبوت ہے) یہودی کی بات سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں میں گئے تو پتہ چلا کہ آج رات حضرت عبدالمطلب کا پوتا پیدا ہوا ہے اور انہوں نے اس کا نام "محمد" ﷺ رکھا ہے، جب یہودی کو بتایا گیا تو اس نے پوچھا کہ یہ پیدائش میرے بتانے کے بعد کی ہے یا پہلے کی؟ لوگوں نے کہا پہلے کی اور اس کا نام احمد بھی رکھا گیا ہے! لوگ اس یہودی کو حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے پاس لے آئے، یہودی آپ ﷺ کی کمر مبارک پر مہر نبوت دیکھ کر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا، ہوش آنے پر وہ یہودی واویلا کرنے لگا: نبوت بنی اسرائیل سے نکل گئی اور کتاب بھی ان کے ہاتھ سے گئی، دیکھو یہ لکھا ہے کہ وہ یہودیوں کو قتل کرے گا، ان کے احبار کو برباد کر دے گا، اب نبوت عربوں کو مل گئی: اے قریش کے لوگو! کیا تم اس پر خوش ہو؟! بخدا وہ ایک جست میں تمہیں مشرق و مغرب تک لے جائے گا(60)!

سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا نے اپنے لخت جگر کا نام "احمد" (ﷺ) رکھا، یہی نام ہاتف غیبی نے انہیں خواب اور بیداری کی سی غنودگی کے دوران بتایا تھا سیدہ ہاجرہ کو عالم بیداری میں خداوند کے فرشتہ نے کہا تھا کہ وہ پیدا ہونے پر اپنے بچے کا نام "اسماعیل" رکھیں، لیکن حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کا نام "محمد" (ﷺ) کیوں رکھا؟ اس کی کئی اور وجوہ

بھی سامنے آئیں گی مگر اس بات میں ابن الجوزی کا یہ بیان اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ظہور قدسی سے پہلے اہل کتاب، یہود اور نصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں، احبار، راہبوں اور کاہنوں کا جزیرۂ عرب میں وہ ہنگامہ برپا تھا جو روم و ایران کی عالمی جنگ اور شر و فساد کی دکھی انسانیت کو "نبی منتظر" کا مژدہ سناتے پھرتے تھے اور تورات و انجیل کے مطالعہ سے آنے والے کا نام "احمد" اور "محمد" تک بتانا شروع کر دیا تھا، حضرت عبدالمطلب نہ صرف یہ کہ ان ہنگامہ خیز پیشین گوئیوں کو غور سے سنتے اور جانتے تھے بلکہ ان پر یقین بھی رکھتے تھے صرف یہی نہیں بلکہ صورت احوال نے ان کے یقین و ایمان کو پختہ کر دیا تھا کہ آنے والا نبی منتظر ان کا در یتیم ہی ہوگا، ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ سرزمین عرب "محمد" نام سے پہلے قطعی نا آشنا تھی مگر بعض عربوں کو تورات اور انجیل کے ماہرین اہل کتاب نے اپنے بیٹوں کے نام "محمد" رکھنے کی ترغیب دلائی اور انہوں نے اس پر عمل بھی کیا۔(61)!

خلیفہ بن عبدہ المنقری راوی ہیں کہ میں نے محمد بن عدی تمیمی سے پوچھا کہ تیرے والد نے تیرا نام "محمد" کیسے رکھا؟ اس نے بتایا کہ جو سوال تو مجھ سے پوچھ رہا ہے یہی سوال میں نے اپنے والد عدی سے پوچھا تھا تو انہوں نے بتایا تھا کہ ہم قبیلہ بنو تمیم کے چار آدمی تھے، میرے ساتھ سفیان بن مجاشع ابن دارم، یزید بن عمرو بن ربیعہ اور اسامہ بن مالک بن جندب بھی تھے، ہم چاروں جبلہ غسانی سے ملنے ملک شام گئے تھے، رستہ میں ہم ایک تالاب کے قریب رکے، پاس ہی ایک گرجا تھا، اس میں ایک راہب تھا، اس نے جب ہماری گفتگو سنی تو کہنے لگا: تم لوگ جس لہجے میں بات کر رہے ہو یہ اس ملک شام کا لب و لہجہ تو نہیں! ہم نے اسے بتایا کہ ہم لوگ مضری عرب ہیں، اس نے پوچھا کون سے مضری ہو؟ ہم نے کہا: بنی خندف سے، وہ کہنے لگا دیکھو تم میں بہت جلد ایک نبی پیدا ہوگا اس لئے جلدی جاؤ شاید قسمت تمہاری مدد کرے اور تم ہدایت سے سرفراز ہو جاؤ، کیونکہ یہ آخری نبی ہوں گے اور ان کا نام "محمد" (ﷺ) ہوگا(62)۔

ہم جب اس سفر سے واپس آئے تو پتہ چلا کہ ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک بیٹا عطا

ہوا ہے، ہم سب نے اپنے بیٹوں کا نام ''محمد'' رکھ دیا(63)! مگر انہیں کیا پتہ تھا کہ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تو آمنہ کے لال اور حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے فرزند ہوں گے!۔

دراصل سیدنا مسیح علیہ السلام کو رخصت ہوئے پانچ چھ صدیاں بیت چکی تھیں، یہودی تو ان کے بھی منتظر تھے اور وہ واقعی مسیح موعود اور اللہ تعالیٰ کے سچے نبی بن کر آئے تھے مگر یہودی احبار نے از راہ حسد اور تکبر انہیں بھی نہ مانا تھا، انہیں اور ان کی والدہ ماجدہ کو ستایا، برا بھلا کہا اور ان کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا، اب تورات اور انجیل دونوں کی پیشین گوئیوں کے مطابق ''وہ نبی'' آنے والا تھا جن کا دنیا کو انتظار تھا، اب بھی سب سے زیادہ بے قرار یہودی احبار ہی تھے مگر انہیں یہ خدشہ تھا کہ ''نبی منتظر'' بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل میں سے نہ ہو، اس صورت میں وہ آنے والے کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے، یہی حسد، یہی جلن اور یہی عداوت ہے جس نے یہود کو چودہ پندرہ صدیوں سے بے چین کر رکھا ہے، اسی لئے حضرت عبدالمطلب کو اپنے درِ یتیم پوتے اور سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کو اپنے لختِ جگر کی فکر رہتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ جب آمنہ کا لال بنو سعد کے بہادر اور شریف قبیلے کی خوش نصیب خاتون حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے سپرد ہوئے تو ماں نے انہیں وہ سب واقعات بتا دیئے جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ کوئی معمولی ہستی نہیں ہیں اور یہ کہ انہیں سب سے زیادہ خطرہ یہودی احبار سے ہے! کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت یکابد کے فرزند اور نجات دہندہ بنو اسرائیل سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی جان کو تو فرعونیوں سے خطرہ تھا مگر یہاں وہی اسرائیلی نبی منتظر کے خون کے پیاسے تھے!!

ابن سعد جیسے ثقہ مصنف کا بیان ہے کہ حضرت آمنہ نے سب کچھ سمجھا کر اپنا لختِ جگر تو حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا، مگر وہ نیک بخت خاتون جب بنو سعد کی خواتین کے قافلے کے ساتھ گھر کو چلیں تو وہ سب حلیمہ سعدیہ اور ان کے رضاعی بیٹے پر حسد کرنے لگیں، پھر رستہ میں کچھ یہودی ملے تو حلیمہ جوش میں آ کر ان سے کہنے لگیں کہ مجھے میرے اس بچے کے بارے میں کچھ بتاؤ جس کے ساتھ حمل اور پیدائش سے اب تک یہ یہ واقعات پیش آ چکے

ہیں (اور تمام وہ واقعات جو حضرت آمنہ نے انہیں بتائے تھے وہ انہیں سنا دیئے تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: آؤ اسے قتل کریں، مگر ایک نے پوچھ لیا کہ کیا وہ یتیم ہیں؟ تو حضرت حلیمہ نے ہوش سنبھالتے ہوئے کہا نہیں! اس کا تو یہ باپ ہے اور میں اس کی ماں ہوں! وہ کہنے لگے جا مائی تیرا یہ بچہ وہ نہیں ہے اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم ان اوصاف مذکورہ کی وجہ سے اسے ضرور مار ڈالتے!) حضرت حلیمہ نے خود سے کہا: اف! میں تو اپنی اس امانت کو تباہ کروانے لگی تھی (64)!!

حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کو عداوت و بغض یہود کا یقین تھا اس لئے حضرت حلیمہ سعدیہ کو یہود کے تصرفات اور دست درازی کے امکان سے آگاہ کر دیا تھا، اسی لئے جب انہوں نے یتیمی کے سوا تمام اوصاف و علامات انہیں بتا دیں اور وہ قتل کے لئے باہم مشورہ کرنے لگے تو انہیں اپنی غلطی کا بھی احساس ہو گیا بلکہ جو باتیں حضرت آمنہ نے بتائی تھیں ان کا بھی پختہ یقین حاصل ہو گیا چنانچہ جب انہوں نے یتیمی کے متعلق سوال کیا تو خطرہ ٹالنے کا انہیں موقع نظر آ گیا اور یہ کہہ دیا کہ اس بچے کے تو ماں باپ (رضاعی ہی سہی) ہم ہیں، اس دروغ مصلحت آمیز نے خطرہ تو ٹال دیا مگر آئندہ کے لئے وہ محتاط ہو گئیں، شق صدر کے واقعہ کے بعد اور سایہ کرتے ہوئے بادل کا منظر دیکھ کر وہ ڈر گئیں اور انہیں واپس مکہ پہنچا دینے کا عزم کر لیا، مگر جب وہ آپ ﷺ کو ساتھ لے کر مکہ پہنچیں تو شہر میں کوئی وبا پھیلی ہوئی تھی، سیدہ آمنہ اپنے لخت جگر کو دیکھ کر خوش بھی بہت ہوئیں مگر کھلی فضا میں پھیلی ہوئی وبا سے تحفظ کی بہتر صورت اور امکان کا خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ حلیمہ! آپ بچے کو اتنا جلدی کیوں لے آئی ہیں؟! یہاں بیماری پھیلی ہوئی ہے بہتر ہو گا کہ آپ اسے واپس لے جائیں! اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ممتا کو اپنے لخت جگر کی صحت و حفاظت کا کتنا خیال تھا!

ممتا کی اس احتیاط اور یہود کی دست درازی سے ڈرنے اور اپنے بیٹے کو ان کے شر سے محفوظ رکھنے کو وہ جس طرح مقدم رکھتی تھیں اس کا ایک عملی مظاہرہ ہم اس وقت دیکھتے ہیں جب حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا اپنے لخت جگر کو ان کے والد ماجد کے آخری نشانات و آثار

(مزار) دکھانے کے لئے اس وقت کے یثرب اور آج کے مدینہ منورہ لے کر جاتی ہیں (65)، ابن سعد کے علاوہ دیگر سیرت نگار بھی بتاتے ہیں کہ یہود یثرب نبی منتظر کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والے اور ان کے لئے بے قرار تھے، ان کے ستارہ شناس کاہن یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ نبی منتظر کا ظہور ہو چکا ہے اور وہ بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسمٰعیل میں پیدا ہوا ہے چنانچہ ام ایمن بیان کرتی ہے کہ یہود یثرب نے کثرت سے آنا جانا شروع کر دیا تھا، میں نے ایک یہودی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس امت کا نبی یہی ہے اور یہی یثرب اس کا دار ہجرت بھی ہوگا، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو بھی سیدہ آمنہ نے خبردار کر دیا تھا اس لئے انہوں نے انہیں یہ بتا دیا چنانچہ اس یہودی خطرہ کے پیش نظر حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا نے فوری طور پر یثرب سے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آتے ہوئے رستے میں ابواء کے مقام پر سخت بیمار ہو گئیں، یہیں آپ فوت ہوئیں اور اسی جگہ آپ کا مزار شریف ہے (66)۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی طرح سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کو بھی خطرات یہود کا احساس تھا تاہم رسول اعظم و آخر ﷺ کا اصل محافظ تو وہ نظام قدرت ہے جو ازل سے نور نبوت کی حفاظت کرتا آرہا تھا، انہیں کسی احتیاط یا تحفظ کی حاجت نہ تھی، ابواء سے مکہ تک اس معصوم در یتیم کی حفاظت بھی اس طرح ہوئی جس طرح مکہ مکرمہ میں لوگوں کی بھیڑ میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کھو گئے تھے اور حضرت عبدالمطلب نے کافی پریشانی اور کوشش کے بعد اپنے پوتے کو تلاش کر لیا تھا، دراصل قدرت یہ دکھا رہی تھی کہ نبی آخر الزمان ﷺ کو اشرار کے شر اور ان کے حاسدانہ تصرفات سے اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنا ہے، انسانی عقل جونہی یہ محسوس کرنے لگتی ہے کہ فلاں شخص حضور ﷺ کے تحفظ، دفاع اور کامیابی کے لئے ناگزیر نظر آنے لگا ہے تو قدرت اسے الگ کر کے یہ بتاتی رہی ہے کہ حق کا محافظ تو خود حق تعالیٰ ہے، والد پیدائش سے پہلے اللہ کو پیارے ہو گئے مجسم شفقت اور سراپا رحمت سیدہ آمنہ کی ممتا بھی چھ سال کی عمر میں اپنے لخت جگر کو اللہ تعالیٰ کو

سونپ جاتی ہیں، ابھی چھ سال کے تھے کہ دادا عبدالمطلب بھی بلا لیے جاتے ہیں اور سب سے آخر میں اشرار مکہ سے دفاع کرنے والے سیدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ اور سرچشمہ تسلی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ساتھ بھی چھوٹ جاتا ہے یہ سب کچھ قدرت اس لئے کر رہی تھی کہ اپنے پیغمبر ﷺ کی عصمت، حفاظت اور فتح و کامیابی کی صرف اور صرف وہی محافظ و نگران ہے!

اصل بات یہ ہے کہ جلیل القدر انبیائے کرام کی امہات طیبات کا جو کردار جس قدر نظام ربانی میں مقدر اور ضروری تھا وہی انجام پاتا رہا، سیدہ آمنہ کا عملی کردار بھی اسی نظام کے تابع تھا، جو پیغام حق جس طرح سیدنا اسماعیل و ابراہیم علیہما السلام کا تھا وہ اسی طرح ہو کر رہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو ایک عبرت اور تاریخ بنانے کے لئے فرعون سے نجات دلانا تھی سو وہ ہو گئی، سیدنا مسیح علیہ السلام نے اپنے پیغام رحمت سے سنگدل یہودیوں کو نرم کرنا تھا سو وہ بھی یہ کام کر گئے! رسول عربی نے مصدق الرسل و خاتم الانبیاء ﷺ ہونے سے جو تاریخ کا دھارا بدلنا تھا وہ بھی بدل دیا، جو برق رفتار انقلاب برپا کرنا تھا وہ بھی کامیابی سے برپا ہو گیا اور انسانیت کا جو مقدر سنوارنا تھا وہ بھی سنوار دیا اور قیامت تک یہ سلسلہ رسالت قائم و دائم اور جاری ساری رہنا ہے اور رہے گا، یہاں پر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اہل کتاب کے احبار و رہبان نبی منتظر کے متعلق جو کچھ بتا رہے تھے اور جس پر سیدہ آمنہ اور ان کے خسر اور آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا یقین ہی نہیں ایمان بھی تھا وہ بلاوجہ اور بلاسبب نہ تھا، اس کی تورات اور اناجیل میں بنیادیں موجود تھیں اور قرآن کریم نے ان کی تائید کی ہے! رہے یہود تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں احکام تورات کی مٹی پلید کی، کتاب موسیٰ میں تحریف و تبدیل کے جرم کیے، اپنے انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے، سیدنا مسیح علیہ السلام کے منتظر تھے مگر جب وہ تشریف لے آئے تو انہیں جھٹلایا، ستایا اور ٹھکرایا، اب اگر وہ نبی منتظر سے حسد اور عداوت رکھتے ہیں، انہیں جھٹلاتے ہیں یا ان کے قتل کے درپے ہیں یا پندرہ سو سال سے بغض اسلام اور نفرت مسلمین

میں مبتلا ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو ان کی عادت، ان کی روایت اور ان کی تاریخ ہے جو دہرائی جا رہی ہے، ہمارا اصل مقصد تو ان بنیادوں تک رسائی ہے جو نبی منتظر کے متعلق تورات اور اناجیل اربعہ میں موجود تھیں اور جن کی قرآن کریم نے شہادت دی اور تائید کی ہے۔

جد الانبیاء سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام کے اکلوتے پلوٹھی کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ سے تورات میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا، نام اسماعیل ہوگا، تومند مضبوط ہوگا اور اس کی نسل پھلے پھولے اور پھیلے گی، یہود نے تحریف کر کے مروہ کو موریہ بنانے اور فاران کو حجاز سے "اکھاڑ" کر فلسطین میں لے جانے کی ناکام کوشش کی (67)، مگر پھر بھی صفا اور مروہ کے درمیان سعی سیدہ ہاجرہ اور ان کے فرزند کی دائمی یادگار بن کر رہی، ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی اور بیٹے اسماعیل نے آمین کہی (68):

"اے ہمارے رب ان کے لئے انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیات تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت سکھلائے اور انہیں پاکیزہ بنا کر تربیت کرے، بے شک تو غالب حکمت والا ہے"۔

ابن الجوزی نے یہ آیت پیش کرنے کے بعد صراحت سے لکھا ہے کہ یہاں اس رسول سے مراد سیدنا و مولانا مصطفیٰ ﷺ ہی ہیں (69)، تحریف شدہ تورات میں بھی یہ بات محفوظ رہ گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کرتے ہوئے فرمائی تھی کہ (70):

"اور اس لونڈی (سیدہ شہزادی ہاجرہ!!!) کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے!"۔

سید ولد آدم مصطفیٰ ﷺ کا ایک ارشاد نقل ہوا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

انی عند اللہ لخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ وساخبرکم باول ذلک انا دعوۃ ابراہیم وبشارۃ عیسٰی

ورؤيا أمي التي رأت وكذلك امهات النبيين يرين

''میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین ہوں جب کہ ابھی آدم علیہ السلام اپنے گارے میں لتھڑے ہوئے تھے اور اس کی پہلی بات تمہیں بتائے دیتا ہوں، میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا وہ خواب ہوں (نور ہوں جس سے انہیں شام کے محلات دکھائی دیئے تھے) جو انہوں نے دیکھا تھا اور نبیوں کی مائیں ایسے ہی خواب دیکھا کرتی ہیں''۔

یہاں پر یہ جملہ وكذلك امهات النبيين يرين ''اور نبیوں کی مائیں ایسے ہی خواب دیکھا کرتی ہیں''۔ بہت اہم اور قابل غور ہے، یعنی جلیل القدر اولوا العزم نبیوں کی مائیں اپنے فرزندوں کے آئندہ کردار اور منصبی فریضہ سے آگاہ ہوتی ہیں، انہیں ایسے خواب اور اشارات ملتے ہیں جن سے وہ سب کچھ صاف دیکھ لیا کرتی ہیں اور انہیں ایسے ہونے کا یقین ہوتا ہے، سیدنا اسماعیل، موسیٰ، عیسیٰ اور مصطفیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امہات طیبات بھی اپنے فرزندوں کی آئندہ عظمت وشوکت سے آگاہ تھیں!

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات سے ذرا پہلے وجد میں آکر نبوت اور رسالت کے ربانی نظام کی کیا خوب نشاندہی فرمائی اور وحدت دین کے قرآنی تصور کے لئے بنیاد فراہم کی، تورات کی کتاب استثناء کا چوتھا باب شروع ہوتا ہے:

''اور مرد خدا موسیٰ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے: اور اس نے کہا: خداوند سینا سے آیا، اور سعیر سے ان پر آشکار ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں آیا، اس کے دہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی (71)!''

یہ وہ مراحل ہیں جو منصب نبوت کے لئے اللہ تعالیٰ کے نظام ربانی میں مقرر تھے، یہ پیغام حق اسی تسلسل کے ساتھ مربوط انسانیت کی ہدایت کے لئے پہنچتا رہا، کوہ طور پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جلوۂ خداوندی نظر آیا اور احکام عشرہ عطا ہوئے، پھر یہی منصب مراحل

سے گزرتے ہوئے سیدنا عیسیٰ بن مریم مسیح ناصری علیہ السلام تک آیا جو بیت اللحم کے قرب وجوار میں ناصرۃ الخلیل میں کوہ ساعیر کے سائے میں وعظ وحکمت کے موتی بکھیرتے رہے اور بالآخر یہی منصب سرزمین حجاز کے کوہ فاران کی وادیٔ بطحا کے خاتم الانبیاء مصطفیٰ ﷺ کے سپرد ہوا، یہی وہ تسلسل اور قدر مشترک ہے جو دین حق کا امتیاز رہا ہے، نوح سے لے کر ابراہیم تک اور موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام سے ہوتے ہوئے یہی اسلام مصطفیٰ ﷺ نے انسانیت کے لئے دائمی طور پر محفوظ کردیا ہے، اب یہی اسلام یعنی اللہ کے حضور سر تسلیم خم کرنا سب کا دین ہے، آہستہ آہستہ یہی ضابطہ زندگی انسانیت خود بخود اپناتی جارہی ہے، اس پر دنیا متفق ہوتی جارہی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ سب کے سب اسی دین حق وانصاف کو بلا چون وچرا اپناتے جائیں گے،

بعثت نبوی کے متعلق عیسوی بشارت بھی بالکل واضح طور پر موجود ہے جو موجودہ متداول اناجیل اربعہ میں تحریف شدہ شکل کے باوجود حقیقت کو عیاں کرتی ہوئی نظر آتی ہے لیکن انجیل برناباس کے تو الفاظ بھی قرآنی الفاظ سے بالکل مطابق اور موافق ہیں، سورۂ صف میں ارشاد خداوندی ہے جہاں سیدنا مسیح علیہ السلام اپنی تشریف آوری کے مقاصد بتاتے ہیں، تورات کے احکام کی تصدیق وتطبیق اور نبی منتظر کی بشارت جن کا نام احمد (ﷺ) ہوگا: (72)

> ''اور جب عیسیٰ بن مریم نے بنو اسرائیل سے کہا کہ میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، میرا کام اپنے سامنے موجود تورات کی تصدیق اور ایک رسول کی آمد کی خوشخبری دینا ہے جو میرے بعد آئیں گے اور ان کا نام احمد ﷺ ہوگا''۔

سیدنا مسیح علیہ السلام کی اس پیشین گوئی نے چھٹی صدی عیسوی کی ستائی ہوئی اور یہودی احبار کے اکسانے پر رومی حکمرانوں کی چیرہ دستیوں سے نالاں مشرق وسطی خصوصاً یمن، مصر اور شام کی عیسائی دنیا نبی منتظر کے لئے نہ صرف بے قرار تھی بلکہ اپنے ساتھ انصاف کیے جانے کی توقع بھی وابستہ کیے ہوئے تھی، حضرت سلمان فارسی، طلحہ بن عبداللہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابی عیسائی راہبوں کی تلقین پر ہی حلقہ بگوش اسلام ہوتے

رہے، بحیرا راہب اور نسطورا راہب نے شام میں نبی پاک ﷺ کو علامات سے پہچان کر حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما کے غلام میسرہ کو حفاظت کرنے اور خیال رکھنے کا یونہی مشورہ نہیں دیا تھا، امام ابن الجوزی متوفی 597ھ، 1300ع تورات اور انجیل کے ماہر مسلمان عالم ہوئے ہیں، ان کے عہد تک کتاب مقدس کے عہد نامہ قدیم و جدید میں من پسند تحریفات ابھی مکمل نہیں ہو پائی تھیں اس لئے بائبل کے سریانی نسخوں سے انہوں نے اس سلسلے کی وہ تمام معلومات اپنی کتاب الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ میں درج کردی ہیں (73)، ابو عامر الراہب کی یہ تصویر قلمی انہوں نے ریکارڈ کی ہے جو اس حقیقت کو بھی عیاں کرتی ہے کہ عرب کے یہودی کس بغض اور حسد میں جل رہے تھے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خانوادہ بنو ہاشم خصوصاً حضرت عبدالمطلب، حضرت ابو طالب اور سیدہ آمنہ اپنے معصوم در یتیم کے لئے بجا طور پر فکر مند تھے (74)!

"عمارہ بن خزیمہ بن ثابت راوی ہیں کہ اوس اور خزرج میں ابو عامر الراہب سے بڑھ کر حضرت محمد ﷺ کے اوصاف و خصائص سے آگاہ اور کوئی نہ تھا، یہ عیسائی راہب یہود یثرب کا بہت دلدادہ تھا، ان سے مذہبی معلومات لیتا تھا اور وہ اسے بتاتے رہتے تھے کہ آنے والے رسول (ﷺ) میں یہ یہ اوصاف ہوں گے اور یثرب ان کا دار ہجرت ہوگا، وہ تیماء کے یہودیوں کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہی اوصاف بتائے پھر وہ شام کے مسیحیوں کے پاس گیا تو وہاں سے بھی نبی منتظر کے وہی اوصاف اور وہی یثرب دار ہجرت معلوم ہوا، چنانچہ ابو عامر واپس آگیا اور اس کی زبان پر تھا کہ "میں تو حنیفیت کے مسلک پر ہوں" کھر درا لباس پہن لیا اور راہبانہ روش اپنالی، وہ کہتا تھا کہ میں تو دین ابراہیم علیہ السلام پر ہوں اور آنے والے نبی کا انتظار کر رہا ہوں، پھر جب مکہ مکرمہ میں نبی منتظر کا ظہور ہوا تو یہ یہودیت زدہ عیسائی راہب آپ ﷺ کے پاس نہ گیا، پھر جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو حسد سرکشی اور منافقت پر کمر بستہ ہوگیا، ایک دن

نبی پاک ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور پوچھا کہ اے محمد (ﷺ) آپ کیا کچھ لے کر مبعوث ہوئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: میں حنیفیت دین ابراہیم لے کر مبعوث ہوا ہوں، تو ابو عامر نے کہا: میں بھی حنیفیت پر ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو حنیفیت پر نہیں ہے! تو اس پر ابو عامر نے کہا: آپ نے تو اس حنیفیت میں اور بھی کچھ شامل کر دیا ہے! نبی پاک ﷺ نے فرمایا میں تو پاک صاف حنیفیت لایا ہوں، کہیں سے بھی پوچھ سکتے ہو، یہود و نصاری کے احبار و رہبان تجھے بتا دیں گے، تو اس پر ابو عامر نے کہا کہ آپ میں وہ اوصاف نہیں جو وہ لوگ بتاتے ہیں، نبی پاک ﷺ نے فرمایا: تم جھوٹ بولتے ہو، اس نے کہا: میں جھوٹ نہیں بولتا، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو پھر جھوٹے کو اللہ تعالیٰ اس حال میں موت دے کہ وہ تنہا ہو اور ٹھوکرے کھاتا پھرتا ہو: ابو عامر نے کہا آمین!!

پھر وہ مکہ مکرمہ چلا گیا، یہودیت و عیسائیت چھوڑ کر مشرک ہو گیا، اس کے بعد وہ طائف میں مقیم ہو گیا تھا، جب اہل طائف حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تو شام بھاگ گیا جہاں اسے ایک تنہا ٹھوکر کھانے والے اجنبی کی موت آئی!!"

بتانا صرف یہ ہے کہ بقیہ خانوادہ بنو ہاشم کی طرح سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے لئے اپنے لخت جگر کے قائدانہ مستقبل اور نبی منتظر ہونے پر یقین کرنے کے لئے امہات طاہرات انبیاء کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب اور بیداری میں دیئے گئے اشارات کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تھا جو احبار یہود اور رہبان نصاری نبی منتظر کے متعلق عام کرتے پھرتے تھے، یہ گفتگو ایک اقتباس پر ختم کرتے ہیں جو تورات کی کتاب استثنا کے اٹھارویں باب سے ہے (75)، خداوند سیدنا موسیٰ مرد خدا سے فرماتے ہیں، (اس کا موازنہ سورہ اعراف کی آیت 157 اور سورت الحاقہ کی آیت 38-40 سے کیا جائے!):

"میں ان کے لئے (بنو اسرائیل کے لئے) انہی کے بھائیوں (بنو اسماعیل) میں سے تیری مانند (موسیٰ کی مانند) ایک نبی (اولوالعزم) برپا کروں گا اور اپنا کلام اس

کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا، اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا، لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے، جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے"۔

تو یہ ہے اولوالعزم انبیائے کرام کی امہات طاہرات کے سنہرے سلسلہ کے چوتھے اور آخری حلقہ کی حدود کا مختصر سا خاکہ مگر سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی بات یہیں ختم نہیں ہوتی! بھلا اتنی بڑی بات یونہی ختم کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ تو رسول اعظم و آخر ﷺ کی والدہ ماجدہ کی بات ہے جو ازل سے ابد تک پھیلی ہوئی ہے! یہ تو وہ عظیم ترین ماں ہے جس نے اس ہستی کو جنم دیا جو اول بھی ہے آخری بھی! جو مصدق الرسل بھی ہے خاتم الانبیاء بھی! یہ تو رحمۃ للعالمین ﷺ کی ماں ہیں جو ممتا کی لاج ہیں! وہی جس کے لال نے ماں کے تقدس و احترام کو فرش سے عرش تک پہنچا دیا اور نسوانیت کو حسن کائنات ہی نہیں کائنات حسن بنا کر روئے زمین کی محبوب ترین ہستی بنا دیا!!

طہارت وشرافت کا سنگم: بنوزہرہ وبنو ہاشم کا ملاپ

رشتہ ازدواج یا شادی بیاہ کے طفیل دو افراد یا دو گھرانوں کا ملاپ انسانی معاشرہ کو باہم جوڑنے اور مربوط کرنے کے معاملات اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت مطلقہ کے مرہون منت ہوتے ہیں، اس لئے جو لوگ ان معاملات کو قاضی ازل اور کاتب تقدیر کے فیصلے قرار دیتے ہیں وہ درست اور حق بجانب ہیں اور ان کا یہ کہنا بھی بجا اور صحیح ہے کہ "جوڑے تو آسمانوں میں بنتے اور طے ہوتے ہیں" مرد وعورت کے اس ملاپ کو رب کائنات نے اپنی کتاب عزیز میں باہمی مودت ورحمت اور راحت وسکون کا وسیلہ قرار دیا ہے اور نبی رحمت ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیتے ہوئے اس سے اعراض کرنے والوں کو اپنے آپ سے الگ اور دور رہنے والے فرمایا ہے۔

بنوزہرہ اور بنو ہاشم کا باہمی رشتہ مودت ومحبت اللہ تعالیٰ نے سید ولد آدم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے والدین کریمین، حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب اور سیدہ آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا کے واسطہ سے ملانا مقدر فرما دیا تھا اور یہ ملاپ دراصل ایسی حقیقت ہے جس سے اس عہد قدسی کے اہل کتاب احبار یہود اور رہبان نصاریٰ آگاہ تھے اور ان علامات ونشانات کا بھی علم رکھتے تھے جو نبی منتظر کے والدین کریمین اور ان کے قبائل میں پایا جانا اور انہیں ان کے ذریعے پہچان لینا ناممکن نہ تھا، چنانچہ ایک موقع پر سفر یمن کے دوران ایک یہودی عالم ماہر صحف سادیہ اور قیافہ شناس نے حضرت عبدالمطلب کو جو کچھ بتایا تھا وہ نہ صرف یہ کہ حرف بحرف پورا ہوا بلکہ انہوں نے اس عالم کی نصیحت پر پوری طرح عمل کرنے میں بھی کوئی کوتاہی نہ کی، اس لئے حضرت عبدالمطلب کا حضور ﷺ کے متعلق بار بار یہ فرمانا کہ ان لابنی ھذا لشانا "میرے اس فرزند کی ایک شان ہوگی" یہود کی گزند سے آپ کو بچاتے رہنا اور انہیں اپنی قربت سے محروم نہ کرنے کا حکم دیتے رہنا حضرت

عبدالمطلب کے قبل از وقت نبوت مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانے کے واضح اشارے ہیں، عین ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو بھی اپنے اس عظیم وجلیل پوتے کے بارے میں کچھ احکام دیئے ہوں جن پر ابولہب کے سوا سب نے خصوصاً سیدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ نے پوری طرح عمل کیا!!

قریش کے قبیلہ بنو ہاشم کا شرف واعزاز ظہور اسلام ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اسلام کی آمد سے قبل بھی یہ لوگ بڑے ہی معزز و محترم تھے عرب کا یہ مشہور اور معزز قبیلہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک بلاشبہ افضل ترین قبیلہ انسانیت تو ہے ہی، اشراف وزعماء کا یہ قبیلہ ویسے ہی تمام عرب میں معزز و محترم تھا تاہم اس کا اصل مرتبہ ومقام اسی ہستی کے طفیل ہے جو سید ولد آدم اور فخر انسانیت کہلائے اور دنیا نے انہیں سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے پیارے اور خوبصورت ترین ناموں سے یاد کیا! وہی نام واوصاف جو ہر دل مسلم کا ایمان اور تمام اہل ایمان کی روح اور جان کا قرار ہیں! تاریخ انسانی کی معزز ترین اور سب سے زیادہ خوش نصیب خاتون سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے لئے اسی عظیم ومحترم گھرانے کی بہو بننا مقدر تھا اور خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین ﷺ کو گود میں کھلانے کا شرف پانا بھی انہی کے حصے میں آنا تھا سو وہ آ گیا!

نظام قدرت کے ظواہر میں سے یہ ظاہرہ (فینامنا) بھی بڑا انوکھا اور دلچسپ ہے کہ گمنام وغیر معروف آباء واجداد، قبائل اور قومیں صدیوں تک فاصلوں اور کئی ایک نسلوں کے بعد آنے والی کسی ایک ممتاز یا برگزیدہ ہستی کے طفیل یکا یک تحت الثریٰ سے اوج ثریا اور فرش زمیں سے عرش بریں تک جا پہنچتی ہیں! قبیلہ مصطفوی ﷺ بنو ہاشم جزیرہ عرب کے اشراف وزعماء میں سے بلکہ ان کے قائدین مدبرین میں سے تو تھے اور کئی ایک معاشرتی، سیاسی اور عسکری مسائل ومعاملات میں مرجع وحکم کے مناصب کے بھی حامل تھے مگر سرزمین عرب سے باہر ان کا وہ چرچا، شہرت عام اور بلند مقام نہ تھا جو ظہور مصطفیٰ ﷺ کے بعد اس عظیم ترین انسانی قبیلے کا مقدر ٹھہرا حتی کہ عدنان وقحطان کے قدیمی مناقشات ومباحث میں

بھی عدنان کو قحطان پر اولیت کا شرف حاصل ہو گیا، عباسی دور کا عظیم وجلیل شاعر علی ابن الرومی اسی پہلو کی طرف متوجہ کرتا ہے اور کہتا ہے(1):

وكم أبٍ قد علا بابنٍ ذُرىٰ شَرَفٍ كما علا برسول الله عدنان!

یعنی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ اپنے کسی فرزند کے فضل وکمال کے باعث باپ بھی عزوشرف کی چوٹیوں پر فائز ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے طفیل جد العرب عدنان سربلندی سے سرفراز ہو گئے!

بنو ہاشم اور رسول ہاشمی ﷺ کے جد امجد جناب ہاشم بن عبد مناف تھے، ان کا اصل نام عمرو ہے مگر لوگ انہیں ازراہ اعزاز واکرام عمرو العلا (بلند اقبال عمرو) کہہ کر پکارتے تھے، بے حد وجیہ وحسین تھے اور حسن جسم وقامت کے ساتھ حسن اخلاق بھی عطا ہوا تھا جوانی ہی میں حسن وسیرت کے باعث اہل مکہ اور سرداران عرب میں انہوں نے ایک نمایاں مقام پیدا کر لیا تھا، لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ عبد مناف کا یہ فرزند ارجمند اپنے دادا قصی بن کلاب کا مرتبہ ومقام حاصل کرلے گا، یہ قصی (قاف کے پیش اور صاد کی زبر اور یائے مشدد کے ساتھ) وہی بزرگ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ کو ایک شہری ریاست بنا دیا تھا اور اپنی قوم میں عمرانی وجمہوری اور تمدنی ومعاشی شعور پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں باہمی مشاورت اور جمہوری سوچ بچار کے مواقع فراہم کرنے کے لئے "دار الندوہ" کا اسمبلی حال بھی تعمیر کرا دیا تھا، جو مدتوں تک اہل مکہ مکرمہ کے لئے سوچ بچار اور پنچایتی فیصلوں کے لئے ایک قومی مرکز کا کام دیتا رہا تھا(2)!

تاہم عمرو العلا کے لئے ایک اور لقب بھی مقدر ہو چکا تھا، جو انہیں اپنے ایک سخیانہ وکریمانہ اقدام کے طفیل حاصل ہوا اور لوگ احسان مندی کے باعث عمرو العلا کی اقبال مندی والے لقب کو چھوڑ کر انہیں ہاشم کہنے لگے تھے اور یہ اس قدر مشہور ہوا کہ اصل نام اور پہلا لقب لوگوں کی زبانوں سے غائب ہی ہو گیا، "ھشم" کے معنی ہیں چورچور کر دینا، توڑی کی طرح باریک باریک ٹکڑے بنا دینا قرآن کریم میں توڑی اور فصل یا گھاس کے ریزوں

کے لئے ہشیم کا لفظ آیا ہے "ہاشم" عالم عاقل اور شاعر کی طرح فاعل کا صیغہ ہے اور اس کے معنی بنتے ہیں توڑی کی طرح باریک باریک ٹکڑے بنانے والا یا چوری تیار کرنے والا، عرب روٹی کے ٹکڑوں کو گوشت کے گاڑھے شوربے میں بھگو کر تر کر دیتے ہیں اور اپنی اس چوری کو "ثرید" کہتے ہیں!

ہوا یوں کہ نوجوان ہاشم مال تجارت لے کر رحلۃ الصیف یعنی موسم گرما کے تجارتی سفر پر شام گئے تھے، کافی مدت گزر گئی جب مال تجارت کے منافع وصول کر کے واپسی کا وقت آیا تو "عمرو العلا" کو اطلاع ملی کہ مکہ مکرمہ شدید قحط کی زد میں ہے اور لوگ بھوک سے بلبلا رہے ہیں، عبد مناف کے سخی اور اولوالعزم فرزند نے مال تجارت سے اہل مکہ کا استحصال کرنے اور ان کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنی قوم کے لوگوں کی بھوک مٹانے کا فیصلہ کیا، تمام اندوختہ سرمایہ سے آٹا اور روٹیاں خریدیں اور اونٹوں پر لاد دیں، مکہ مکرمہ واپس پہنچتے ہی تمام اونٹ ذبح کر کے گوشت پکوانے کا حکم دیا، روٹیوں کے باریک ٹکڑے کروائے اور گاڑھے شوربے میں ڈال کر ثرید یا "عربی چوری" تیار کرا دی، بڑے بڑے تھال طباق بھر کے رکھ دیئے پھر اعلان کر دیا کہ تمام مکہ والے آئیں اور اپنی بھوک کا ازالہ کریں، اہل مکہ نے عمرو بن عبد مناف کا ثرید یعنی عربی چوری خوب سیر ہو کر کھائی، یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا(3)، مؤرخ لکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں اب قحط سالی کے بھاگنے اور خوشحالی کے آ پہنچنے کا مرحلہ بھی آ گیا تھا، لوگ خوشحالی کے موسم کی آمد آمد سے قحط سالی کو بھول ہی گئے، لیکن وہ عمرو العلا کو بھول کر عبد مناف کے ایک نئے بیٹے سے بھی آشنا ہو گئے تھے، اب انہیں عمرو العلا کے بجائے سب "ہاشم" یعنی چوری والا کہنے لگے، یہ سخاوت اور کڑے وقت میں دریا دلی لوگوں کے دلوں پر نقش ہو گئی تھی وقت کے شعراء نے ہاشم بن عبد مناف کی دل کھول کر مدح وستائش کی، یہ مدحیہ قصائد کتب سیرت وتاریخ کی زینت ہیں مصر کے قومی شاعر احمد شوقی مرحوم نے بھی تو کچھ ایسی ہی خوبصورت بات کہی ہے۔

ان العظائم کفوها العظماء

"جو عظیم خواتین ہوتی ہیں ان کے ہم پلہ و ہمسر بھی عظیم مرد ہی ہوتے ہیں یعنی بڑائیاں صرف بڑوں کو جچتی ہیں اور عظمتیں عظیم لوگوں کو ہی نصیب ہوتی ہیں"۔

اور یہ سچی بات ہے کہ زوجین ہم پلہ و ہمسر نہ ہوں تو میاں بیوی کے ان مل بے جوڑ رشتہ ازدواج کا منظر ہی سامنے آتا ہے، معاشرتی نبھا کے لئے بھی یہی مفید بلکہ ضروری سمجھا گیا اور دین فطرت کی شریعت غراء نے بھی اس برابری و ہمسری کے اصول کو تسلیم کیا ہے، سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے بھی تو قدرت نے خانوادہ بنو ہاشم ہی کو منتخب اور پسند کیا تھا، حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہمسری و برابری ربانی حکمت و تدبیر اور ایک آسمانی فیصلہ کی حیثیت رکھتی ہے، یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ گھرانہ عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہی مقدر تھا اور انہیں بھی قدرت نے صرف اسی ہاشمی گھرانے کے لئے بنایا تھا، جو ارشاد نبوی کی رو سے افضل قبائل البشریہ ہے (4)، اور اس کے افضل و اشرف ہونے کی سب سے بڑی دلیل سید ولد آدم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اس قبیلے میں پیدا ہونا ہے، یہ مرتبہ و مقام صرف اور صرف سیدہ آمنہ بنت وہب کے لئے مقدر تھا، فخر انسانیت رسول اعظم و خاتم ﷺ کی والدہ ماجدہ بننا انہی کا نصیب تھا جو اللہ رب العزت کی لوح تقدیر میں اصل فیصلے کی حیثیت سے لکھا جا چکا تھا، محسن انسانیت کے لئے سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکیزہ اور پروقار گود کے علاوہ قدرت ربانی کو کوئی اور گود گوارا ہی نہ تھی، سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں اور بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے سید ولد آدم رسول عربی ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ (5): "اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے دو حصے فرمائے، ان دونوں حصوں میں جو بہترین اور افضل حصہ تھا وہ بیت اللہ کے شہر مکہ والا حصہ ہے جو میرا مولد و منشا بھی ہے (اور اسی بنا پر اللہ رب العزت نے اسی گہوارہ امن کی قسم بھی کھائی ہے!) پھر اس نصف حصہ ارض کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا گیا تو ان میں سے تیسرا حصہ جو بہترین تھا اس حصے میں مجھے پیدا کیا گیا، اللہ جل شانہ نے اولاد آدم میں سے عرب قوم کو منتخب فرمایا، پھر عرب کے تمام قبائل میں سے قبیلہ قریش کو پسند فرمایا

گیا، پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو چنا گیا پھر بنو ہاشم میں سے بنو عبد المطلب کو چنا گیا اور پھر بنو عبد المطلب میں سے میرے رب کریم نے مجھے منتخب فرمایا"۔

قریش مکہ کے مختلف و متعدد قبائل میں سے اللہ تعالیٰ نے جو عزت، جو شرف اور جو وجاہت قبیلہ بنو ہاشم کو عطا فرمائی تھی وہ دنیائے انسانیت کے کسی اور قبیلے کے حصے میں نہیں آئی بنو ہاشم کی یہ عزت و شرف یقیناً اسلام کا مرہون منت ہے لیکن عرب میں وہ اسلام سے قبل بھی ایک مقام حاصل کر چکے تھے، اس لئے یہ عزت و شرف صرف اسلام آنے کے بعد کے زمانے کی تاریخ، تذکرہ اور ادب کی کتابوں میں آج بھی محفوظ ہے، ایک شعر جو مکہ کے ہر کہ و مہ کی زبان پر تھا(6):

عمرو العلا الذی هشم الثرید لقومه ورجال مكة مسنتون عجاف!

یعنی اقبال مندی والا عمرو وہ ہے جس نے اپنی قوم کے لئے روٹی شوربے کی چوری تیار کروائی تھی جب کہ مکہ مکرمہ کے لوگ قحط سالی میں مبتلا بھوک سے نڈھال اور ہڈیوں کے ڈھانچے بن چکے تھے!۔

یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عبد شمس بن عبد مناف جو اموی خاندان کا جد اعلیٰ ہے امیہ الاکبر کا والد تھا، عبد شمس عمرو بن عبد مناف کا سگا جڑواں بھائی تھا، اس کے بیٹے امیہ کو اپنے چچا عمرو العلا کی سخاوت اور عزت افزائی گوارا نہ ہو سکی اور ان پر حسد کرنے لگا چنانچہ امیہ نے اپنے چچا کی بھونڈی نقل کرنے کی کوشش کی مگر قریش کے لئے تمسخر کا سامان بن گیا امیہ کا حسد غصے میں اور غصہ غیظ و غضب میں تبدیل ہونے لگا اور بدزبانی پر اتر آیا، عزت نفس تو عربوں کا سب کچھ ہے، رواج تھا کہ افضلیت کے دو دعویدار کسی غیر جانبدار کو ثالث بنا لیتے اور ہر ایک اپنی خوبیاں اور دوسرے کی خامیاں بیان کرتا، بڑی بڑی شرطیں بندھتیں اسے عرب "منافرت" کہتے تھے جو ہار جاتا وہ پیوند زمین ہو جاتا، امیہ الاکبر نے اپنے چچا ہاشم کو منافرت کا چیلنج کر دیا، قبیلہ بنو خزاعہ کے ایک کاہن کو ثالث مقرر کر دیا گیا، منافرت میں ہارنے والے کے لئے دس سال کی مکہ سے جلاوطنی اور پچاس موٹے تازے سیاہ اونٹ

دینے کی سزا مقرر ہوئی تھی، حسن و قبح کے اس مقابلے میں یا معرکہ منافرت میں ہاشم کی خوبیاں اور امیہ کی خامیاں بڑھ گئیں، چنانچہ پچاس اونٹ ہاشم کے حوالے کر کے امیہ الاکبر شام جلاوطن ہو گیا اور دس سال تک دمشق میں رہا جو آگے چل کر امویوں کا دارالخلافہ بننے والا تھا، اس طرح دو سگے بھائیوں کی اولاد کے درمیان عداوت کی ابتداء ہوئی، اس کی تلخیاں آج تک تاریخ کا حصہ ہیں: امیہ بن عبد شمس کی دس سالہ جلاوطنی کے دوران میں سقایت یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور رفادہ یعنی حجاج بیت اللہ کی ضیافت کرنا بھی ہاشم کے حصے میں آیا، مکہ مکرمہ اور منی میں ہاشم کی طرف سے حجاج بیت اللہ کی یہ ضرورتیں پوری کی جاتی تھیں ہاشم ہر سال حج کے موقع پر اہل مکہ کے سامنے تقریر کرتے اور انہیں اس کار خیر میں اپنا اپنا حصہ ڈالنے کی تلقین کرتے، دور دراز سے آنے والے حجاج بیت اللہ کی یہ خدمت ہاشم اور ان کی اولاد کے لئے شہرت اور نیک نامی کا باعث تھی، اس سے بنو ہاشم کو قبائل عرب اور اہل مکہ میں خصوصی امتیاز حاصل ہو گیا تھا (7)۔

جناب ہاشم بن عبد مناف کے بڑے قومی کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے قیصر روم سے قریش کی خاطر شام و فلسطین اور مصر و عراق کے لئے تجارتی رہداری کا فرمان بھی حاصل کر لیا تھا جس کی رو سے قریش کے تجارتی قافلے بلا روک ٹوک اور بحفاظت سفر کر سکتے تھے، رستے میں پڑنے والے قبائل کے لئے قریش کچھ مالی مدد بھی مہیا کرتے تھے، ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ ہاشم نے حبشہ کے ساتھ قریش کی تجارت کے لئے بھی قیصر روم سے سفارشی خط حاصل کر لیا تھا جس پر عمل ہاشم کے بیٹے عبد المطلب کے عہد میں ہوا تھا (8)۔

قبیلہ بنو ہاشم کے دوسرے عظیم سردار عبد المطلب تھے جو حضور اکرم ﷺ کے دادا تھے اور ایک عرصہ تک آپ کی پرورش و سرپرستی بھی وہی فرماتے رہے تھے، عمرو العلا ہاشم بن عبد مناف ایک حسین و جمیل اور بجیلا نوجوان تھا، گرمی اور سردی کے موسموں میں قریش کے جو تجارتی قافلے شام و فلسطین اور پھر یمن کو جاتے تھے ہاشم ان قافلوں کے لئے روح رواں

بلکہ میر کاروان بھی ہوتے تھے، ایک مرتبہ شام و فلسطین کو روانہ ہوئے تو وادی یثرب سے گزر ہوا، یہاں ایک تجارتی میلہ کا موسم تھا اور کاروبار عروج پر تھا، بنو عدی بن نجار کی ایک بیوہ خاتون سلمٰی بھی اپنے دو یتیم بچوں کو ساتھ لیے اپنا سٹال لگائے ہوئے تھی، حسن و جمال کے ساتھ ساتھ قدرت نے اس خاتون کو رعب اور وقار بھی عطا فرمایا تھا، ہاشم نے سلمٰی کو دیکھا تو اسے رفیقہ حیات بنانے کا خیال آیا مگر پتہ چلا کہ ایک تو سلمٰی کسی مرد کو خاطر میں نہیں لاتی اور دوسرے اس نے یہ شرط رکھی ہوئی ہے کہ میاں کے لیے لازم ہوگا کہ وہ بیوی کو طلاق تفویض کا حق دے! ہاشم نے خاتون کو نہ صرف نکاح کے لئے راضی کر لیا بلکہ یہ شرط بھی مان گئے (9)۔

شادی کے بعد کچھ دن ہاشم اپنے سسرال بنو عدی بن نجار کے ہاں ٹھہرے، اس زمانے میں عربوں کے ہاں یہ رواج ہوا کرتا تھا کہ شادی کے فوراً بعد بیوی کو ساتھ لے جانے کی بجائے میاں اپنی بیوی کے میکے میں ہی کچھ دن ٹھہر جاتا تھا اور پھر چلا جاتا تھا، کچھ دنوں بعد دوبارہ آتا اور بیوی کو ہمراہ لے جاتا تھا۔

اپنے سسرال کو الوداع کہنے کے بعد ہاشم شام و فلسطین کے سفر پر روانہ ہو گئے، فلسطین کے شہر غزہ پہنچ کر بیمار پڑ گئے اور بالآخر دنیا سے رخصت ہو کر وہیں غزہ میں ہی دفن ہو گئے! قبیلہ عدی بن نجار کی عظیم خاتون سلمٰی ایک بار پھر بیوہ ہو گئیں اور کچھ عرصے بعد ایک تیسرے یتیم کو جنم دیا جس کا نام ایک روایت کے مطابق عامر بن عمرو العلاء رکھا گیا، مگر شیبۃ الحمد زیادہ مشہور ہے، شیبۃ سفید بالوں والے کو کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ ان کی پیشانی پر پیدائشی سفید بال تھے اس لئے یہ نام پڑ گیا، الحمد کا اضافہ ستائش کے قابل ہونے کو ظاہر کرتا ہے، ہاشم کے بعد خاندانی ذمہ داریاں عبد مناف کے دوسرے بیٹے المطلب کے سپرد ہو گئی تھیں، ہاشم کا بیٹا شیبۃ اور المطلب کا بھتیجا اپنے ننھیال میں ہی بڑا ہوا، ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ثابت بن منذر بن حزام ہاشم کے بھائی المطلب کے دوست تھے، وہ عمرے کی غرض سے مکہ آئے تو اپنے دوست کو بتایا کہ اگر آپ اپنے بھتیجے کو چل کر دیکھیں تو حیران رہ جائیں گے، کیا خوبصورت، بارعب اور شریف نوجوان ہے؟!

وہ جب اپنے ہم عمر نوجوانوں سے مقابلہ میں جیتتا ہے تو کہا کرتا ہے: انا ابن عمرو العلا (میں تو بلندیوں والے عمرو کا بیٹا ہوں) المطلب اسی وقت یثرب روانہ ہو گئے اور بڑی مشکل سے اپنی بھابھی سلمی کو منایا اور اپنے بھتیجے کو ساتھ لے کر مکہ آ گئے، لوگ کسی وجہ سے یہ سمجھے کہ یہ المطلب کا غلام ہے چنانچہ اسے عبد المطلب کہنا شروع کر دیا جو عامر بن عمرو العلا یثرب میں شیبۃ الحمد مشہور تھا وہ مکہ میں آ کر عبد المطلب مشہور ہو گیا، اپنے چچا کے بعد حجاج بیت اللہ کی سقایت (پانی کا انتظام) اور رفادت (مہمان نوازی کا کام) عبد المطلب کے پاس آ گیا اور بہت جلد وہ قریش مکہ کے سر کردہ لیڈر بن گئے، لیکن عمرو العلا ہاشم کا بیٹا عبد المطلب قریش کا معمولی سردار نہ تھا بلکہ اب وہ بہت جلد سرور کائنات رسول اعظم وخاتم ﷺ کے دادا بننے والے تھے۔

یہ وہ وقت تھا جب دنیا کسی آنے والے کی منتظر تھی، جزیرہ عرب میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی ایک معقول تعداد موجود تھی، مسیح ناصری علیہ السلام کی بعثت کو چھ صدیاں بیت گئی تھیں۔ روم و ایران کی عالمی جنگ نے خشکی اور تری دونوں میں فساد برپا کر دیا تھا۔ لوگ نجات کے متلاشی تھے، یہودی اور مسیحی پیشوایان دین تورات وانجیل سے لوگوں کو آنے والی ہستی کی خوشخبریاں سناتے تھے، یثرب کے یہودی اوس وخزرج کو آنے والے کے طفیل ان کے مغلوب ہونے اور اپنی برتری کے دعوے سے دھمکاتے تھے، ایک عجب بات یہ بھی تھی کہ آنے والے کے اوصاف ستودہ سے ان سب کو آگاہی بھی حاصل ہو گئی تھی، چنانچہ تورات وانجیل کی پیشین گوئیاں اور مستقبل کا حال بتانے والے رہبان واحبار اور کاہن لوگوں کو آنے والے میں واضح علامات سے بھی آگاہ کرتے جاتے تھے، حتی کہ نبی منتظر کا نام بھی لوگوں کی زبانوں پر تھا، اس وقت مروج انجیلوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارتوں سے سب واقف تھے۔ ہماری کتب سیرت وتراجم میں بعض حیرت انگیز باتیں مذکور ہیں، ابن سعد کے علاوہ دیگر اصحاب سیر وتراجم نے بھی لکھا ہے کہ جزیرۂ عرب کے لوگوں کو بتا دیا گیا تھا کہ آنے والے کا نام "محمد ﷺ" ہو گا چنانچہ کئی ایک لوگوں نے اپنے بچوں کے نام

محمد رکھنا شروع کر دیئے تھے کہ شاید آنے والے کا منصب و مقام اسی کو مل جائے (10)، کئی لوگ شرک و بت پرستی کی ذلتوں اور اس کے علمبرداروں کی چیرہ دستیوں اور گھناؤنے جرائم سے بیزار و مایوس ہو کر "حنفاء" (حق پرست موحد، پیرو ابراہیم خلیل بت شکن) کا مسلک اختیار کرنے لگے تھے اور یہ توقع رکھتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ نبوت و رسالت کا منصب ان کے حصے میں آئے، ان میں صاحب دیوان مشہور شاعر امیہ بن ابی صلت نمایاں تھا جو حضور ﷺ کی زیارت و ملاقات کے باوجود ضد و عناد کے باعث حلقہ بگوش اسلام نہ ہو سکا تھا۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سرداران قریش میں نمایاں تھے، ایک وقت ایسا بھی آیا جب وہ اپنے جد اعلیٰ قصی کی طرح امیر مکہ اور متولی کعبہ متصور ہونے لگے، ابرہہ والی یمن کی بیت اللہ کو گرانے اور بے حرمتی کرنے کے لئے چڑھائی کے موقع پر وہی ذمہ دار بن کر ابرہہ کے پاس گئے تھے اور اسے کہا تھا کہ "بیت اللہ کا ایک رب اور مالک ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا"۔ اور ایسے ہی ہوا چاہ زمزم کو بنو جرہم نے پاٹ کر برابر کر دیا تھا اور مکہ کے لوگ اس کا محل وقوع تک بھی بھول گئے تھے، یہ حضرت عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے اپنے ایک سچے خواب کے مطابق کھدائی کر کے اور قریش مکہ کی مخالفت کے باوجود حضرت ہاجرہ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی یادگار چاہ زمزم کو از سر نو زندہ کر دیا تھا، ورنہ مکہ کے لوگ چاہ زمزم والی جگہ ہی کو فراموش کر بیٹھنے کے باعث ادھر ادھر کنوئیں کھودتے تھے اور پانی کی قلت سے دوچار رہتے تھے (11)، سیدنا عبدالمطلب بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئے تھے جو شرک و بت پرستی سے بیزار ہو کر توحید پرستی کی طرف میلان رکھتے تھے، کتب سیرت و تراجم میں ایسے حوالے نہ صرف اشارات کی شکل میں بلکہ واضح صراحت کے طور پر موجود ہیں جو نبی منتظر کے لئے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی تمنا اور امید کو ثابت کرتے ہیں، وہ اپنے زمانے کے کئی ایک قیافہ شناسوں سے بھی ملتے رہے تھے اور تورات و انجیل کے ماہر اہل کتاب کی آراء سے بھی آگاہی حاصل کرتے رہے تھے، بنو زہرہ میں اپنے محبوب فرزند حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کرنا اور پھر شادی کی اسی محفل

میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا سے ان کی دختر نیک اختر حضرت ہالہ بنت وہیب کا اپنے لئے رشتہ مانگنا بھی ان اہل کتاب اور قیافہ شناسوں کی آراء سے متاثر ہونے کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے فرزند سے نوازا اور ان کی نیک پاک بیوہ بہو کو بھی فرزند ارجمند عطا فرمایا تو وہ اپنے بیٹے کا نام تو حمزہ رکھتے ہیں مگر اپنے محبوب ومعصوم اور جواں مرگ بیٹے حضرت عبداللہ کے لخت جگر کا نام ''محمد ﷺ'' رکھتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ اہل کتاب کی پیشین گوئیوں کی رو سے نبی منتظر کا بھی نام ہوگا! یہ رویہ اور موقف جہاں مشیت باری تعالیٰ کا مظہر اتم ہے وہاں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اپنے محبوب ومعصوم بیٹے سے مخلصانہ محبت اور جواں سال بیوہ بہو سے انتہائی ہمدردی اور شفقت کا بھی واضح ثبوت ہے! پھر ان کا اپنے پوتے کو اپنی مجالس میں عزت دینا اور یہود کی گزند سے انہیں محفوظ رکھنے کے جتن کرنا اور بار بار یہ کہنا کہ میرے اس پوتے کی شان ہی نرالی ہوگی، ان کی نبوت پر غیر اعلان شدہ ایمان کے مترادف ہے!

علامہ حلبی اور ابن الجوزی جیسے ثقہ محدث وسیرت نگار صراحت سے لکھتے ہیں کہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شرک وبت پرستی سے تائب ہو گئے تھے اور توحید پرستی اختیار کر لی تھی، وہ اپنی اولاد کو حسن خلق اور ظلم وسرکشی نہ کرنے کا حکم دیتے تھے ان کا یہ ایمان تھا کہ ظالم سزا سے نہیں بچ سکتا۔ یہاں یاد ہاں! انہوں نے ایک سائل کے جواب میں کہا تھا کہ:

''بخدا اس دنیا کے بعد بھی ایک دنیا ہے جہاں احسان اور نیکی کرنے والوں کو اجر ملے گا اور بدی کرنے والے سزا سے نہیں بچ پائیں گے! اس لئے اگر کوئی ظالم دنیا میں سزا سے بچ بھی گیا تو آخرت میں وہ کسی طرح نہیں بچ سکے گا (12)''۔

اور علامہ ابن الجوزی نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بہت سی باتوں کو اسلام نے باقی رکھا ہے، نذر ماننا اور پوری کرنا، محرم عورت سے نکاح کا حرام ہونا، چور کے ہاتھ کاٹنا، بچیوں کو زندہ دفن کرنا ممنوع قرار دینا، شراب وزنا حرام ہے اور بیت اللہ کے گرد ننگے طواف کرنا حرام ہے! حضرت عبدالمطلب کے تذکروں میں ان سب باتوں

کا واضح طور پر ثابت ہونا ان کی حنیفیت اور توحید پرستی کی دلیل ہے اور یہ سب کچھ ان کے ایمان کی بھی واضح دلیل ہے اور مغفرت کا بھی ثبوت ہے۔

بنو ہاشم کی فضیلت و شرف کا سبب یہ ہے کہ وہ سید ولد آدم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے ددھیال ہیں اور بنو ہاشم کے جوان رعنا اور معصوم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سلام اللہ علیہا آپ کے والد گرامی ہیں، اسی طرح بنو زہرہ کے فضل و کمال کا وسیلہ بھی رسول اعظم و آخر ﷺ ہیں! آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا بنو زہرہ کے وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کی لخت جگر ہیں اور یہ دونوں بھائی " وہب اور وہیب" اپنے وقت میں نہ صرف یہ کہ اپنے قبیلے کے مسلم سردار تھے بلکہ دونوں حضرت عبدالمطلب بن عبد مناف کے دوست اور بہی خواہ بھی تھے، جناب وہب تو کئی ایک اسفار میں حضرت عبدالمطلب کے شریک سفر اور کاروبار کے ساتھی بھی رہے تھے، اس طرح گویا قبیلہ قریش کی دو شاخوں بنو ہاشم اور بنو زہرہ کو باہم ملانے کے لئے قدرت ربانی تمہیدی مراحل طے کرا رہی تھی تاکہ وقت آنے تک زمین اس طرح ہموار ہو چکی ہو کہ لیت و لعل کی گنجائش ہی باقی نہ رہی ہو اور ایجاب و قبول میں کوئی لمحہ بھی حائل نہ ہونے پائے۔ جناب وہیب کا حضرت عبدالمطلب کی ہر بات بلا چون و چرا مانتے جانا بھی اسی حقیقت کا غماز ہے!

رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے بنو ہاشم کے بعد سب سے زیادہ احترام و ستائش قبیلہ بنو زہرہ کی روایت ہوئی ہے اور ان دو قبائل قریش کو تمام انسانی قبائل میں سب سے زیادہ شریف و محترم اور افضل قرار دیا گیا ہے (14) اور ان دونوں کا سلسلہ نسب کلاب بن مرہ میں ایک ہو جاتا ہے، اس کلاب بن مرہ کے دو بیٹوں نے نیک اولاد کے ساتھ ساتھ عزت و شرافت بھی پائی ان میں سے ایک کا نام قصی (قاف پر پیش، صاد پر زبر اور یا مشدد کے ساتھ) ہے جنہوں نے تاریخ میں بڑا نام پایا چنانچہ اسی قصی نے مکہ مکرمہ میں پہلی جمہوری رفاہی ریاست قائم کی، کلاب بن مرہ کا دوسرا نامور فرزند زہرہ ہے، اس کے دو بیٹوں کی نسل بڑھی اور عز و شرف سے سرفراز ہوئی یعنی حارث بن زہرہ اور عبد مناف بن زہرہ، یہاں عبد

مناف نام کے دو بزرگ ہوئے ہیں ایک حضرت ہاشم کے والد ہیں اور دوسرے حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے دادا ہیں، والدین کریمین کے سلسلہائے نسب یوں ہیں (15):

(1) حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ۔

(2) حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ۔

یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے درمیان اور کلاب بن مرہ کے درمیان صرف تین پشتیں ہیں جب کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سلام اللہ علیہ کے درمیان آباو اجداد کی چار پشتیں ہیں وقت کے ساتھ ساتھ نسب میں پشتوں کا کم ہو جانا یا اضافہ ہونا ایک قدرتی بات ہے، اس میں کبھی تو عمروں کے لمبا ہونے یا چھوٹا ہونے کا دخل ہوتا ہے مگر کبھی شادی کا جلدی ہونا یا دیر سے ہونا بھی اس پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے، یہ بھی قابل توجہ ہے کہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے جد اعلیٰ ''زہرہ کا اسم گرامی بظاہر کسی عورت کا نام لگتا ہے اور امام ابن قتیبہ سے منسوب کتاب المعارف میں اسی رائے کا اظہار کیا گیا ہے لیکن حقیقت میں یوں نہیں ہے۔ زہرہ مرد ہی کا نام ہے، کم از کم اس سلسلہ نسب میں یہ زہرہ جد اعلیٰ تو مرد ہی ہیں، عربوں کے ہاں بعض نام مردوں اور عورتوں میں مشترک رہے ہیں، زہرہ بھی ایسے ناموں میں سے ایک نام معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس نام کی عربوں میں عورتیں بھی ہوئی ہیں، لغت، ادب اور تاریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت موجود ہے، ابن اسحاق اور ابو حنیفہ دینوری نے کتاب النبات میں اس کی تائید کی ہے، زہرہ کے لغوی معنی ہیں: رنگ کی چمک دمک (اشتراق فی اللون) خواہ رنگ سفید ہو یا کوئی اور (16)۔

بنو زہرہ کے لوگ اسلام سے پہلے کے زمانے میں زیادہ مشہور نہ تھے تاہم ان کی شرافت اور معتبری مسلم تھی، اس شرافت اور اعتبار کے طفیل ہی وہ حسب ونسب کے پاکیزہ فطرت شمار ہوتے تھے، کیوں نہ ہوتا آخر خاتم الانبیاء و رسول اعظم و خاتم ﷺ کے ننھیال جو بننے والے تھے، بعثت نبوی ﷺ سے پہلے عرب میں عرافت اور کہانت یعنی باتوں کو بھانپ لینے اور پیشین گوئیاں کرنے کا بہت رواج تھا، قیافہ شناسی اور فراست الید یا دست

شناسی کا بھی بہت چرچا تھا لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ جزیرۂ عرب میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، قریش مکہ کے کئی ایک آدمی عیسائی مذہب کے پیروکار تھے، مکہ میں یہود کا پایا جانا بھی ثابت ہے، تورات وانجیل کے ماہر کسی مسیحا اور نجات دہندہ یا نبی آخر الزماں کے بڑی شدت کے ساتھ منتظر تھے، راہب اور احبار اندازے سے بعض باتیں ایسی بتاتے تھے جن سے اس مسیحا منتظر کا وقت قریب تھا، بلکہ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ عرب کے بعض اہل دانش اس بات کے منتظر تھے کہ شاید آنے والے نبی کا منصب ان کو ہی عطا ہو جائے عرب شاعر امیہ بن ابی صلت ان لوگوں میں سرفہرست ہے (17)!

اصحاب کتب سیر وتراجم نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے دادا حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو بھی اس بات کا علم اور اندازہ تھا اور جیسا کہ ذکر ہوا انہیں بعض کاہنوں اور عالموں نے بھی اس سلسلے میں کئی ایک باتیں بتائی تھیں، حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے یمن تشریف لے جاتے رہے تھے اور وہاں اپنے ایک مالدار دوست کے ہاں قیام فرماتے اور کاروبار میں بھی ان سے مدد لیتے اور مشورہ کرتے تھے، اس یمنی دوست کے گھر میں حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی ملاقات ایک یہودی دانشور سے ہوئی جو قدیم صحف سماویہ پر عبور رکھتا تھا اور ان صحائف ربانی میں آنے والے اشارات وعلامات کا بھی ماہر تھا جو جلد ہی ظہور پذیر ہونے والے مسیحا اور نبی منتظر کے متعلق مختلف شکلوں میں متداول تھیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ احبار وحاخامات یہود آنے والے مسیحا کے متعلق کچھ زیادہ ہی فکر مند تھے، کیونکہ ایک تو وہ یہودی سلطنت کے خاتمے کے بعد ہزاروں سال سے مردود و مطرود پھرتے تھے اور یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ آنے والا جلد آئے گا اور وہ بنو اسحاق یعنی بنو اسرائیل سے ہوگا اور یہود عالم کو صدیوں کی محرومی و آوارگی کے چکر سے آزاد کرا دے گا دوسرے وہ یہ بھی خیال کرتے تھے کہ ظہور قدسی نے وادی بطحا اور کوہ فاران سے ہونا ہے اس لئے جزیرہ عرب خصوصاً شہر مکہ اس کی جائے پیدائش اور مقام ظہور ہوگا! چنانچہ یہ یہودی علماء

لوگوں کے چہروں کو بھی دیکھنے، بھانپنے اور بھانپنے میں کوشاں تھے۔

یمن کے اس یہودی عالم تورات نے جونہی عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو اسے ان کے مبارک چہرے پر نور محمد ﷺ کی جھلک محسوس ہوئی تھی۔ چنانچہ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون کے فاضل مصنف علی بن برہان الدین الحلبی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم موسم سرما کے تجارتی سفر میں یمن گئے تو ایک یہودی عالم کو تورات پڑھتے ہوئے دیکھا، یہودی نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہیں؟ جب میں نے بتایا کہ میں قریش میں سے ہوں اور مکہ سے آیا ہوں پھر یہ جاننے پر کہ میں بنو ہاشم میں سے ہوں تو وہ میرے ناک نقوش دیکھنے لگا پھر کہا کہ مجھے تیرے چہرے سے یوں لگا ہے کہ تجھ میں نبوت و بادشاہت کے آثار و نشانات ہیں، مگر ہم علمائے یہود کا اندازہ یہ ہے کہ یہ نبوت و بادشاہت بنو زہرہ میں ہے!! حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا: آپ کیا کہہ رہے ہیں؟! یہودی نے کہا: اگر ہو سکے تو بنو زہرہ کی کسی خاتون سے شادی کر کے دیکھ لینا!

علی الحلبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبدالوہاب شعرانی کا ایک عجیب قول نقل کیا ہے جو اصل میں انہوں نے اپنے شیخ سید علی الخواص سے سنا تھا کہ انہیں یعنی سیدی علی الخواص کو اللہ تعالیٰ نے علم الفراستہ میں یہ کمال عطا کیا تھا کہ وہ کسی بھی انسان کے دائیں بائیں ناک کے نتھنے دیکھ کر ٹھیک ٹھیک بتا دیتے تھے کہ اس نے ماضی میں کیا کیا لغزشیں یا نیک اعمال کیے ہیں اور آئندہ زندگی میں کیا کیا لغزشیں اور نیک اعمال متوقع ہیں! اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانے کے عرب لوگ قیافہ اور علم فراستہ میں کتنی دلچسپی اور مہارت رکھتے تھے اور ان علوم پر ان کا اعتماد و یقین بھی تھا، رہے علمائے یہود تو وہ تو دوسروں سے ہمیشہ آگے رہنے والے تھے! لہٰذا ان لوگوں کے چہرے جھانکنا اور بھانپنا اور فکر مند ہونا ماننا پڑتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک عورت سے نکاح کیا مگر

رخصتی سے پہلے کسی قیافہ شناس کاہن عورت نے بتا دیا تھا کہ اس عورت سے شادی کرنے والا قتل ہوگا اور مقتول شوہر کا سر اس عورت کی گود میں ڈالا جائے گا، انہوں نے اسے فوراً طلاق دے دی تھی پھر حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے اس عورت کا نکاح ہو گیا، وہ اس وقت حمص کے گورنر تھے، انہوں نے چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تھا اس لئے اموی خلیفہ وقت مروان بن الحکم (والد عبدالملک بن مروان) نے انہیں قتل کرادیا تھا اور ان کا سر ان کی بیوی کی گود میں ڈلوادیا تھا (18)!

یہ بتاتے ہوئے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی بنوزہرہ کی پاکباز خاتون حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے کیوں اور کیسے کی؟ انسان العیون کے مصنف ایک اہم اور دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں، سودہ بنت زہرہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی حضرت وہب بن عبد مناف کی پھوپھی تھیں اور پیدائشی طور پر کاہنہ تھیں، وہ جب پیدا ہوئیں تو ان کا رنگ کالا اور آنکھیں نیلی تھیں، عرب ایسی بے حد سیاہ کالی بچیوں سے ڈرتے تھے اور انہیں زندہ دفنانے سے بھی نہیں ہچکچاتے تھے، عمرو بن نفیل ایک خداترس آدمی تھا، اس قسم کی بچیوں کو وہ گود لے لیتا تھا، زہرہ بن عبد مناف کی اس نومولود بچی کو بھی اس نے گود لے لیا، اس بچی کا نام سودہ رکھا گیا، یہی بچی آنے والے وقت میں قریش مکہ کی مشہور و مسلم کاہنہ سودہ بنت زہرہ کہلائی، اس کی کہانت وقیافہ شناسی ہمیشہ درست ہوتی تھی، مکہ والے اس کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو بڑا وزن دیتے تھے، ایک روز وہ اپنے قبیلے بنوزہرہ کی خواتین سے کہنے لگی: ادھر آؤ! میں دیکھوں تو تم میں کوئی نذیرہ یعنی خدا کے خوف سے ڈرانے والی ہے؟ یا کوئی کسی نذیر کو جنم دینے والی ہے؟ چنانچہ بنوزہرہ کی سب خواتین ان کے سامنے آ گئیں، سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کو دیکھ کر کہنے لگی: تو یہ ہے جو ایک نذیر کو جنم دینے والی ہے!! یہ جو نذیر ہوگا اس کی بڑی شان اور روشن برہان یعنی وہ واضح اور مانی ہوئی دلیل والا ہوگا! حضرت عبداللہ کے لئے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ بھی شاید اسی لئے مانگا تھا (19)!

نبی کی آمد کو قبل از وقت ظاہر کرنے والے واقعات کو عربی زبان اور کتب سیرت کی اصطلاح میں "ارہاصات" کہتے ہیں، نور محمد ﷺ کے ظہور قدسی کے لئے کافی ارہاصات سامنے آئے جو کتب سیرت و تاریخ وغیرہ میں محفوظ ہیں، مکہ کے اکثر لوگ یا تو ان ارہاصات کو سمجھ نہیں پاتے تھے اور یا وہ انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، مگر اندازہ ہے کہ قریش مکہ کی کم از کم تین ہستیاں ایسی تھیں جنہیں ان ارہاصات پر پورا پورا یقین تھا، اسی لئے یہ تینوں رسول اکرم ﷺ کا بچپن میں بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، اور ان کی عظمت و شان کو نہ صرف مانتے تھے بلکہ میں اگر یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ ان کی نبوت پر ایمان بھی لا چکے تھے نہ صرف یہ بلکہ وہ اس عظمت و شان کا برملا اظہار بھی کرتے تھے مگر لوگ یا تو سن کر چلتے اور منہ پھیر لیتے تھے یا اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے! ان تین ہستیوں میں سے ایک تو ہیں حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا، دوسرے سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور تیسری ہستی سیدنا ابو طالب مؤمن قریش تھے!!! ایسے لوگوں میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تو یقیناً شامل ہیں مگر میں حضرت سیدنا حمزہ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کو بھی ایسے بزرگوں میں شامل کر لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا! اللہ تعالیٰ کا اعلان واجب الاذعان ہے (20)۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ

"اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ وہ اپنی رسالت کیلئے کس کو منتخب فرمائیں گے"۔

اور یہ بھی کہ **وتقلبک فی السجدین** (21) "اللہ تعالیٰ وہ ذات ہیں جو یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اے پیارے محبوب مصطفیٰ ﷺ آپ کن کن نیکوکار پاکبازوں میں منتقل ہوتے ہوئے آئیں گے"۔ لیکن جب مرحلہ آیا ظہور قدسی کا اور آپ ﷺ کے والدین کریمین کا تو بات اور بھی کھل کر واضح ہوتا تھی! قریبی محافظین مخلصین کو علم الیقین ضروری تھا تاکہ دریتیم سید الاولین والآخرین ﷺ کی خوب دیکھ بھال ہو!!

دائی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تاکید فرما رہی تھیں اور ان کی فکرمندی و بے قراری ظاہر تھی تو بات کو سمجھنا چاہیے تھا، حضرت عبدالمطلب رضی اللہ

عنہ جب اپنے جگر گوشے کے متعلق حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کو خصوصی تاکیدی وصیت فرما رہے تھے تو اس کے پس منظر کو بھی جاننا چاہیے پھر جب حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ اپنے جلیل القدر بھتیجے کے لئے تمام خطرات وآلام کا سامنا کرتے ہوئے۔شعب ابی طالب میں بھی ڈٹے رہے تھے تو اس میں محض ہاشمی غیرت ہی نہیں قوت ایمان اور عقیدت بھی ساتھ دے رہی تھی اور جب دادا اور چچا اپنے خوبصورت شعروں میں در یتیم ورسول کریم ﷺ کی مدح فرما رہے تھے تو اس میں بھی یہ سب عناصر کارفرما تھے!! ولادت باسعادت کے بعد اپنے پوتے کو پہلی بار دیکھ کر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا (22):

الحمد لله الذی اعطانی هذا الغلام الطیب الاردان
قد ساد فی المهد علی الغلمان اعیذه بالله ذی الارکان
حتی اراه بالغ البنیان اعیذه من شر ذی شنآن
من حاسد مضطرب العنان

''میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہ پاکیزہ اعضاء والا بچہ عطا کیا، وہ جس نے گہوارے میں بچوں پر سرداری کی، میں اسے اللہ قوی وغالب کی پناہ میں دیتا ہوں یہاں تک کہ میں اسے جوان دیکھوں، میں اسے ہر دشمن کے شر سے اور بے قابو نظر بد والے حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں!''

آنحضرت ﷺ ابھی پانچ برس کے تھے کہ کہیں کھو گئے، اس موقع پر بیت اللہ کے مطاف میں کھڑے ہو کر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ غم وسوز سے یہ فرما رہے تھے:

لا هم اد راکبی محمدا اده الی واصطنع عندی یدا
انت الذی جعلته لی عضدا لایبعد الدهر به فیبعدا
انت الذی سمیته محمدا

''اے اللہ! تو میرے شہسوار محمد ﷺ کو لوٹا دے، انہیں میرے پاس لوٹا دے اور اسے مجھ پر ایک احسان شمار کر، تو نے ہی تو انہیں میرا سہارا بنایا ہے، زمانہ اسے دور

نہ کرے کہ وہ مجھ سے جدا ہو جائے! اے مولیٰ! تو نے ہی تو اسے نام پاک محمد ﷺ عطا فرمایا ہے!!"۔

شاعر بنی ہاشم حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے تو صرف دو شعر ہی کافی ہیں (23):

ودعوتنی وزعمت أنک ناصحی ولقد صدقت وکنت ثم أمینا

وعوضت دینا لا محالة أنه من خیر أدیان البریة دینا!!

"تو نے مجھے دعوت دین دی ہے اور تیرا خیال ہے کہ تو میرا خیر خواہ ہے، بے شک تو سچا ہے اور اس کے علاوہ امین بھی ہے۔ اور ایک ایسا دین لایا ہے جو بلا شبہ دنیا کے بہترین دینوں میں سے بہترین دین ہے" کیا یہ ایمان کو ظاہر نہیں کرتا؟۔

ایک شعر ان کے لامیہ قصیدے کا بھی قابل توجہ ہے:

لقد علموا أن ابننا لا مکذب یقینا ولا یعزی لقول الأباطل

"لوگ جان گئے ہیں کہ ہمارے فرزند کو یقیناً نہیں جھٹلایا جا سکتا اور نہ اس کی طرف بے کار باتیں منسوب کی جا سکتی ہیں!"۔

در یتیم رسول اعظم و خاتم ﷺ کی ننھیال بنو زہرہ کی بات کو مکمل کرنے کے لئے اس خوش نصیب اور عظیم القدر قبیلہ قریش کے ان بزرگوں کا مختصر ذکر ضروری ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے شرف صحبت نبوت ﷺ کے ساتھ ساتھ تاریخ میں بلند مقام اور معتبر نام سے بھی نوازا تھا، نبی اکرم ﷺ کے نانا وہب بن عبد مناف تو اپنی دختر نیک اختر کی شادی سے قبل ہی دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے تھے، اس لئے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ولی و سرپرست ان کے چچا وہیب تھے، جس مجلس میں سیدہ کا عقد مبارک حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انجام پایا تھا اسی مجلس میں حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے وہیب کی بیٹی ہالہ کا رشتہ اپنے لئے مانگ لیا تھا، ظاہر ہے، ہمسر کا رشتہ ہمسر کے لئے کون رد کرتا ہے، چنانچہ اسی مجلس میں ہی ہالہ کا عقد بھی حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے انجام پا گیا، لگتا ہے کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ذہن میں اس یمنی یہودی ماہر صحائف سماویہ اور دیگر قیافہ

شناسوں کی پیشین گوئی ابھی تک تازہ تھی، اس لئے اس خیال سے کہ آنے والا رسول ہاشمی پوتا نہیں تو بیٹا ہی ہو جائے تاہم قدرت خانوادہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پر بہت مہربان تھی کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رحمۃ للعالمین جیسے لال ﷺ پیدا ہوئے، تو حضرت ہالہ کے بطن مبارک سے رسول ﷺ کے محافظ اور اسلام کے پہلے سپہ سالار آپ ﷺ کے مہربان چچا اور رضاعی بھائی سیدنا شیر خدا اور رسول حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور نبی اکرم ﷺ کے ننھیال بنو زہرہ کو دو عظیم نواسوں کے طفیل عظمت و شہرت عطا فرما دی گئی! بنو زہرہ کی دو چچا زاد بہنوں (ہالہ اور آمنہ رضی اللہ عنہما) کو حمزہ رضی اللہ عنہ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایک لحاظ سے رضاعی ماؤں کا شرف بھی حاصل ہو گیا اور بنو ہاشم کے دو فرزند اور بنو زہرہ کے دو نواسے آپس میں ایک دوسرے کے لئے چچا بھتیجا اور خالہ زاد بھائی بھی بن گئے!

اسلام کے ایک عظیم سپہ سالار فاتح شام حضرت سعد بن ابی وقاص بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کا تعلق بھی بنو زہرہ سے ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، شیر خدا اور رسول ﷺ دونوں کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ اور حضرت ہالہ بنت وہیب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی پھوپھیاں تھیں، گویا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ اور رسول اکرم ﷺ کی خالہ حضرت ہالہ چونکہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سگی پھوپھی بھی تھیں اس لئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ دونوں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پھوپھی زاد اور قریبی رشتہ دار ٹھہرے! بلکہ دینی بھائی ہونے کے علاوہ رشتے کے بھائی بھی ہوئے!

عظیم صحابی رسول ﷺ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی قبیلہ بنو زہرہ سے ہے، یہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ شروع میں بہت غریب تھے مگر رسول اکرم ﷺ کی دعا کی برکت اور دل لگا کر محنت کرنے کی بدولت ہجرت کے بعد وہ مدینہ منورہ کے امیر ترین آدمیوں میں شمار ہونے لگے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے قبل اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لئے جو مجلس بنائی تھی، عبدالرحمٰن بن عوف

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کے رکن تھے! بنوزہرہ کی ان عظیم ہستیوں میں جنہیں اسلام کے طفیل عظمت و شہرت نصیب ہوئی ان میں پہلی صدی ہجری کے جلیل القدر فقیہ اور محدث حضرت ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب زہری کا تعلق بھی اسی قبیلے سے ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں ابن شہاب زہری اپنے وقت کے امام الحدیث شمار ہوتے تھے۔

اطیب الآباء حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ

قریش مکہ کے سرکردہ رہنما اور بنو ہاشم کے سردار عبد المطلب کے فرزند ارجمند حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، والد گرامی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ بلا شبہ اطیب و اطہر الآباء اور بنو ہاشم کے پاک طینت، معصوم مگر خوبصورت ترین نوجوان تھے، ظاہری حسن و رعنائی اور باطنی محاسن و اخلاق میں خاندان قریش کیا پوری وادی بطحا میں کوئی بھی ان کا ثانی نہ تھا، دھیمی طبیعت، پرسکون اور خاموش مگر شگفتہ مزاج، پروقار اور مکارم اخلاق کی مجسم تصویر تھے! یہ جوان معصوم و رعنا ایک ایسی ہستی کے والد گرامی بننے والے تھے جس ہستی نے اپنے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی رونق و رعنائی سے رخ آدمیت کو سجانا تھا، جس نے دنیا کو علم و دانش سے روشن کرنا تھا، وہ جو انسانیت کی عزت و وقار، احترام و آزادی اور دونوں جہانوں کی خوشی و کامیابی کا پیغام اولین و آخرین لے کر مبعوث ہونے والے تھے، ﷺ! وہی جو اول النبیین خلقا و آخرهم بعثا "تخلیق کے لحاظ سے سب سے پہلے نبی اور بعثت کے لحاظ سے آخری نبی" تھے قضا و قدر کی ربانی مجلس ازل میں تمام ارواح انبیاء سے انہی پر ایمان لانے، اپنا منصب نبوت ختم کر کے انہی کا اتباع کرنے اور ان کی نصرت کا عہد و پیمان لیا گیا تھا پھر اسراء و معراج کے موقع پر صحن اقصیٰ میں ارواح انبیاء نے مصطفیٰ ﷺ کی ہی امامت و قیادت میں نماز ادا کر کے اس عہد و پیمان کو عملی طور پر نبھا بھی دیا! اب سیدنا مسیح بن مریم تشریف لائیں یا سیدنا موسیٰ بن عمران علیہما السلام آ جائیں تو سب کو شریعت مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کرنا ہے اور اس سے اول النبیین خلقا اور آخرهم بعثا کی ختم نبوت پر بھی کوئی حرف نہیں آئے گا، چنانچہ یہی عبد اللہ بن عبد المطلب سیدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کے سر کے تاج بنے اور وہ رب ذوالجلال کو اتنے عزیز و محبوب تھے کہ عین عنفوان شباب میں ہی اس نے انہیں اپنے جوار رحمت میں بلا لیا تھا(1)!

کتب تاریخ و سیرت میں بیان ہوا ہے کہ سردار بنو ہاشم حضرت عبدالمطلب نے چار شادیاں کی تھیں جن سے دس (بارہ یا تیرہ؟) بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں، ان کے سب سے بڑے بیٹے حارث کی والدہ کا نام صفیہ یا سمراء بنت جندب تھا جو قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ سے تھیں دوسرے بیٹے ابولہب (عبدالعزیٰ) کی ماں کا نام لبنیٰ بنت ہاجر تھا اور وہ بنو خزاعہ سے تھیں جب کہ حضرت عبداللہ، حضرت ابو طالب اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو ہے اور وہ قریش کے معتبر قبیلہ بنو یقظہ بن مرہ سے تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے سوا تمام بیٹیاں ان کے بطن سے تھیں، مقوم، حجل اور شیر خدا و رسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ ہالہ بنت وہیب تھیں جو قبیلہ بنو زہرہ سے ہیں اور ام مصطفیٰ ﷺ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی چچا زاد بہن ہیں، حضرت عباس اور ضرار رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ کا نام نتیلہ بنت جناب ہے جو بنو نمر بن قاسط سے تھیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک جڑواں بہن بھی تھیں جن کا نام ام حکیم البیضاء تھا جو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نانی تھیں۔ حضرت عثمان کی والدہ اروی بنت کریز انہی ام حکیم البیضاء کی بیٹی تھیں۔

یہاں پر قابل توجہ یہ بات ہے کہ ہمارے سیرت نگار، تذکرہ نگار اور مؤرخین اکثر و بیشتر۔ الا ماشاء اللہ، آنکھیں بند کر کے اپنے سے پہلے والوں کی عبارات و اقوال کو بڑی بے نیازی سے اور انتہائی لاپروائی سے مکھی پر مکھی مارنے کے انداز میں من و عن اور بغیر نام لیے یا حوالہ دیئے نقل کرتے چلے جانے کی آسان ڈگر کو پسند کرتے رہے ہیں! جگالی کرنے کا یہ رویہ آسان و آرام دہ تو ہے مگر کئی ایک قباحتوں کا حامل بھی ہے، مثلاً کسی پہلے والے نے حضرت عبدالمطلب کی نذر کے نتیجے میں حضرت عبداللہ کو قربان کرنے کا ذکر کیا تو ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ "حضرت عبداللہ اپنے والد کے سب سے چھوٹے اور سب سے زیادہ پیارے بیٹے تھے"۔ چنانچہ ہر بعد میں آنے والا اسے جوں کا توں لے اڑا، یا مثلاً حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تجارت کے سلسلے میں گئے تو یثرب میں بیمار پڑ گئے پھر فوت ہو کر وہیں دفن کر

دیئے گئے اب کسی ایک نے لکھ دیا کہ حضرت عبداللہ اپنے اخوال یعنی ننھیال بنوعدی بن نجار کے ہاں جا کر فوت ہو گئے اور نابغہ کی حویلی میں دفن کر دیئے گئے تھے اب کیا تھا سب نے بنو عدی بن نجار کو حضرت عبداللہ کے ننھیال بنا دیا، اسی طرح حضرت آمنہ کے آخری سفر یثرب کا ذکر آیا تو ابن اسحاق اور اور پھر اس کے تتبع میں ابن ہشام نے بھی لکھ دیا کہ (2):

كانت قد قدمت به (صلى الله عليه وسلم) على اخواله من بني عدي بن النجار تزيره اياهم۔

"یعنی حضرت آمنہ انہیں یثرب میں ان کے ننھیال بنوعدی بن نجار کے ہاں ان سے ملوانے لائی تھیں"۔

بعد میں آنے والوں نے مکھی پر مکھی مارنا شروع کر دی کہ والدہ ماجدہ رسول اکرم ﷺ کو چھ سال کی عمر میں ننھیال سے ملانے یثرب لے کر آئی تھیں حالانکہ یثرب کے بنو عدی بن نجار نہ تو حضرت عبداللہ کے ننھیال تھے اور نہ رسول اکرم ﷺ کے ننھیال تھے بلکہ وہ تو عمرو العلا ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب کے ننھیال تھے جو اس آخری سفر یثرب میں اپنی بہو اور پوتے کے ہمراہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے سلسلے میں ہمارے ان جگالی پسند مصنفین سے یہ تسامح بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ کو اپنے والد گرامی کے سب سے محبوب اور سب سے چھوٹے بیٹے بنا دیا ہے حالانکہ یہی حضرات یہ بھی لکھتے ہیں کہ قربانی کے مرحلے سے گزرنے کے بعد جب بنوزہرہ میں حضرت عبداللہ کی شادی ہوئی تو اسی دن اور اسی مجلس میں حضرت عبدالمطلب کا نکاح بھی حضرت ہالہ بنت وہیب سے ہوا جو حضرت حمزہ شیر خدا و رسول اور مقوم، حجل اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں تو یہ سب بھائی بہن حضرت عبداللہ سے چھوٹے تھے، اس کے علاوہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی ضرار بھی بعد میں پیدا ہوئے، حضرت عباس آقا ﷺ سے صرف تین سال بڑے تھے۔ مگر اس کے بعد آنے والے سیرت نگار حضرات اکثر، بیشتر یہی الفاظ دہراتے گئے حتی

کہ دسویں صدی ہجری کے فاضل محدث، سیرت نگار اور سبل الہدی والرشاد کے مصنف امام محمد بن یوسف صالحی شامی بھی یہی لکھ گئے کہ (3):

وكان عبدالله بن عبدالمطلب أصغر بن أبيه وأحبهم اليه

''یعنی عبداللہ بن عبدالمطلب اپنے والد کے سب سے چھوٹے اور سب سے محبوب بیٹے تھے!!''

حالانکہ چھٹی صدی ہجری کے اندلس کے نابینا سیرت نگار اور شارح سیرت ابن ہشام امام سہیلی نہ صرف یہ کہ ابن ہشام کے الفاظ کی بھی اصلاح کر گئے تھے کہ اصغر ابن ابیہ کے بجائے اصغر ابن امہ ہونا چاہیے یعنی اپنی والدہ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے، بلکہ یہ بھی وضاحت کر گئے تھے کہ حضرت عبدالمطلب کے بیٹے بارہ یا تیرہ تھے (4)۔

امام المورخین ابو جعفر طبری اور پھر ان کے تتبع میں صاحب الکامل فی التاریخ حافظ ابن الاثیر اور علامہ ابن خلدون بھی اسی رو میں بہہ گئے، صاحب البدایہ والنہایہ ابن کثیر بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ہی حضرت عبدالمطلب کے سب سے محبوب اور سب سے چھوٹے بیٹے قرار دیتے ہیں، ابن اسحاق نے اور پھر اس کے تتبع میں ابن ہشام نے بھی صرف اتنا لکھا تھا کہ حضرت عبداللہ اپنے والد کی محبوب ترین اولاد تھے (5)۔

بنو زہرہ میں حضرت عبداللہ کی شادی کوئی سطحی فیصلہ یا وقتی حوادث کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ رشتہ ازدواج ایک تو ازل سے طے تھا، قدرت ربانی کا طے شدہ نظام تھا اور اللہ تعالیٰ کے علم و تدبیر اور تحفظ و نگرانی کے مطابق نور مصطفیٰ ﷺ کو اصلاب طاہرہ سے ارحام میں طاہرہ میں تحول و انتقال کے مراحل طے کرنا تھے، اس لئے ایفائے نذر اور مرحلہ قربانی کے بعد اپنے محبوب ترین اور اس وقت سب سے چھوٹے بیٹے کو لے کر بنو زہرہ کے ہاں حضرت عبدالمطلب کا جا پہنچنا ایک تاریخی پس منظر بھی رکھتا تھا اور وہ اس طرح ہے کہ یمن میں ایک سفر تجارت کے دوران وہ اپنے ایک یمنی دوست کے ہاں مہمان تھے، وہاں ان کی یہود کے ایک ایسے مذہبی پیشوا سے ملاقات ہوئی جو تاریخ انبیاء اور صحف سماویہ پر بھی عبور رکھتا تھا۔

اس یہودی اہل کتاب نے حضرت عبدالمطلب کے نتھنے دیکھنے کی اجازت مانگی اور دیکھ کر بتایا تھا کہ آپ کی نسل میں کوئی ہستی شرف نبوت ورسالت کے ساتھ ساتھ منصب حکمرانی سے بھی نوازی جانے والی ہے، یہ جان کر کہ وادیٔ فاران کے بنو ہاشم سے ان کا تعلق ہے انہیں بتایا کہ بنو زہرہ اور بنو ہاشم کے اجتماع وامتزاج سے یہ مقصد آسانی سے حاصل ہو جائے گا، غالباً اس وقت حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے اس لئے نور نبوت محمدی کی جھلک حضرت عبدالمطلب کے چہرے مہرے سے عیاں تھی (6)، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس واقعہ کو بھول بھی گئے ہوں، مگر ان کے مبارک ہاتھوں سے چاہ زمزم کا ازسرنو دریافت ہونا اور پھر دس بیٹوں کی تعداد مکمل ہونے پر حضرت عبداللہ کی قربانی کے بدلے سو اونٹوں کا فدیہ قبول ہونا ایسے واقعات تھے جن سے حضرت عبدالمطلب کے فرزند عبداللہ کا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام سے گہری مماثلث رکھنا بھی عیاں ہو چکا تھا، ہوسکتا ہے انہیں عبداللہ کے ذبیح بن جانے کے بعد وہ یمنی یہودی اور اس کی باتیں یاد آئی ہوں اور اندازہ ہوا ہو کہ شاید تاریخ اپنے آپ کو ایک بار پھر دہرا رہی ہے، اس لئے وہ نذر پوری کرنے اور اپنے فرزند کے "ذبیح" قرار پانے کے بعد اپنے بیٹے کو بنو زہرہ کی نیک پاک دوشیزہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا سے بیاہنے لے گئے تاکہ اس رشتہ ازدواج سے ایک خواب حقیقت میں بدل جائے ان کا یہ اقدام کہ اسی دن اسی مجلس میں اپنا نکاح حضرت ہالہ بنت وہیب سے ازراہ احتیاط کرا دیا کہ بنو ہاشم اور بنو زہرہ کے دو جوڑوں کے رشتہ ازدواج سے یمنی قیافہ شناس کی پیشین گوئی کے حقیت کا روپ دھارنے کے امکانات مزید روشن ہو جائیں گے۔ واقعاتی شہادات اس خیال کی تائید کرتی ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ کے ہاں در یتیم ﷺ کی پیدائش پر حضرت عبدالمطلب کا بے حد خوش ہونا، اپنے ہونہار پوتے کا نام "محمد ﷺ" رکھنا اور لوگوں کا یہ تبصرہ کرنا کہ عبداللہ اپنے باپ عبدالمطلب پر سبقت لے گئے ہیں اور پھر اپنے بیٹے کا نام محمد یا احمد رکھنے کے بجائے "حمزہ" رکھنا بھی معنی خیز ہے (7)!!

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ والد گرامی سیدنا مصطفیٰ ﷺ ایک متقی، پاک

طینت اور ہر قسم کی اخلاقی آلائشوں سے پاک نوجوان تھے بلکہ واقعاتی شہادت یہ ہے کہ قدرت ربانی ان کی سیرت و کردار کی محافظ رہی، چنانچہ ورقہ بن نوفل کی بہن ام قتال اپنے بھائی سے نبی منتظر کی علامات کے متعلق کتاب مقدس اور صحف سماویہ میں جو کچھ آیا تھا سیکھ چکی تھیں اور چاہ زمزم کی از سر نو دریافت اور حضرت عبد المطلب کی نذر و قربانی (جس میں سو اونٹ فی سبیل اللہ ذبح کر کے خلق خدا کے لئے چھوڑ دیئے گئے تھے جو چاہے لے اور جو چاہے کھائے، یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس کی وادی بطحا میں ایک دھوم مچ جانا معمول کی بات تھی) سے آگاہی کے علاوہ اس غرۃ النور (نور کا نشان) کو بھی پہچانتی تھیں جو آبائے مصطفیٰ ﷺ کے مقدس چہروں پر چمکتا دمکتا صرف اہل نظر کو دکھائی دیتا تھا، اس لئے ام قتال کو حضرت عبد اللہ کی پیشانی پر وہ غرۃ النور دکھائی دیا تو نبی منتظر کی ماں بننے کی تمنا میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو وقتی نکاح کی التجا کے ساتھ ساتھ رواج کے برعکس ایک سو اونٹ اپنی طرف سے گویا بطور حق مہر کی پیشکش بھی کی مگر حضرت عبد اللہ نے اسے بظاہر دو وجوہ سے قبول نہ کیا، ایک تو والد کی معیت میں ایک معزز گھرانے میں شادی کے لئے جانے کی وجہ سے یہ جسارت اپنے والد گرامی کی شان میں گستاخی تصور کی جوان کے حسن اخلاق و بلندی کردار کی کھلی شہادت ہے، دوسرے انہوں نے نکاح وقتی کی اس صورت کو شرفائے عرب کے ہاں ناقابل قبول بلکہ حرام تصور کیا (8)۔

لیکن قدرت ربانی یہ شہادت محفوظ کروا رہی تھی کہ ارشاد نبوی کے مطابق مصطفیٰ ﷺ کے تمام آباء اور امہات سفاح (شہوت رانی و نطفہ پاشی (Famication)) سے پاک تھیں اور آپ اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتے رہے تھے اور قدرت ربانی کا نظام خاص ان کے تحفظ اور عصمت کا بندوبست کرتا رہا تھا، حضرت عبد اللہ اور حضرت آمنہ سلام اللہ علیہما کا پاکیزہ ملاپ اور ام قتال کو انکاری جواب دینا اس طہارت و پاکیزگی کی روشن دلیل ہے! شادی کے بعد یہ دیکھنے کے لئے کہ ام قتال محض سفاح کے لئے دعوت دے رہی تھی یا واقعی ان کی رفیقہ حیات بننے کی آرزو مند تھی چنانچہ حضرت عبد اللہ شادی کے

لوازمات سے فراغت کے بعد اس کے پاس گئے کہ اگر وہ رفاقت زندگی کی پختہ آرزو رکھتی ہے تو دوسری شادی عربوں میں مرغوب و مروج تھی مگر ام قتال کو ان کے چہرہ پر وہ غرۂ نور مصطفوی نظر نہ آیا تو صاف انکار کرتے ہوئے ایک جملہ کہا جو عربی زبان کی ضرب الامثال میں شامل ہے کہ کان ذلک مرة وفاما الیوم فلا ''یعنی یہ تو ایک دفعہ کی بات ہے مگر اب تو نہیں (9)!!''۔

لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ جنھیں ''ذبیح اللہ'' ہونے کا شرف حاصل ہے، اپنے والد کے مسلک حنیفیت پر کاربند تھے اور عہد جاہلی کی تمام قباحتوں اور آلائشوں سے پاک تھے، سیرت نگار علی حلبی لکھتے ہیں (10)۔

وکان عبدالمطلب یأمر اولادہ بترک الظلم والبغی ویحثھم علی مکارم الاخلاق وینھاھم عن دنیئات الامور

''کہ حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹوں کو ظلم و سرکشی ترک کرنے کا حکم دیتے بلند اخلاقی پر ابھارتے اور گھٹیا باتوں سے منع کرتے تھے''۔

وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ظالم کو اسی دنیا میں کیے کی سزا ملتی ہے، اور اگر یہاں سے بچ بھی گیا تو آخرت میں تو بدکردار کو سزا اور نیکوکار کو جزا مل کر ہی رہے گی، یہ یوم آخرت پر ایمان کی دلیل ہے (11)، ابن الجوزی اور علی حلبی کے علاوہ دیگر سیرت نگار بھی یہ صراحت سے لکھتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کے بہت سے اصول قرآن و حدیث کی بدولت اسلامی شریعت کا حصہ بن گئے ہیں جیسے ایفائے نذر، محرمات سے نکاح کی ممانعت، بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکنا، حرمت خمر اور ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا، ان کے بیٹے اپنے والد کے احکام پر عمل کرتے تھے جن میں ان کے سب سے پیارے بیٹے عبداللہ پیش پیش تھے، اس طرح گویا وہ ملت ابراہیمی پر عمل پیرا تھے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے تھے!!

ان تمام بہن بھائیوں میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خوش نصیب ترین بلکہ محبوب ترین فرزند عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تھے، ایک تو ان کا نام سب سے زیادہ مبارک اور اللہ

کے نزدیک پسندیدہ ترین نام ہے، دوسرے وہ اپنے باپ کے پیارے اور لاڈلے بیٹے تھے، تیسرے انہیں سیدنا اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی طرح ذبیح کا لقب پانے کا شرف حاصل ہوا، چوتھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سید ولد آدم رسول اعظم و آخر مصطفیٰ ﷺ کے والد گرامی ہونے کا فخر رکھتے تھے، پانچواں امتیاز انہیں یہ عطا ہوا کہ وہ نہ صرف اولاد عبدالمطلب رضی اللہ عنہ میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے بلکہ اپنے وقت کے تمام قریشی نوجوانوں میں ان کا ہم پلہ کوئی نہ تھا، ان کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ قریش کی دوشیزائیں ان کی شریکہ حیات بننے کی آرزو کو کرتی تھیں، ان کے حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار سے تمام اہل مکہ خوش تھے اور ان کی عزت کرتے تھے، یہ حسن و جمال کی رعنائی اور اخلاق و کردار کی یہ شہرت دراصل ایک عظیم ترین ہستی کی بشارت تھی اور رسول اعظم و خاتم ﷺ کے نور نبوت کی رونقیں تھیں، علامہ علی حلبی صاحب سیرت حلبیہ فرماتے ہیں (12):

"عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ قریش میں حسن و جمال، شکل و صورت اور اپنے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے سب سے برتر اور اچھے نوجوان تھے، رسول اکرم ﷺ کا نور ان کے چہرے پر صاف دکھائی دیتا تھا، ایک روایت ہے کہ وہ قریش کے تمام نوجوانوں میں سب سے زیادہ حسین و خوبصورت نوجوان مانے جاتے تھے، بعض کا کہنا تھا کہ قبیلہ قریش کے لوگوں کے نزدیک حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کی تمام اولاد میں ہر لحاظ سے سب سے زیادہ مکمل، سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ پاک دامن اور سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے والد کی رہنمائی فرمائی اور انہوں نے اپنے اس خوش نصیب بیٹے کا نام نامی "عبداللہ" (اللہ کا بندہ و عبادت گزار) رکھا کیونکہ حدیث نبوی ہے کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ و محبوب نام "عبداللہ" اور "عبدالرحمٰن" ہیں، یہ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ "ذبیح" (اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے والا) کے لقب سے بھی نوازے گئے (یعنی جس طرح سیدنا اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ذبیح کہلائے، اسی طرح عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی ذبیح کے

لقب سے مشہور ہوئے، ان کے والد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نذر مانی تھی چنانچہ مراد پوری ہونے پر عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنا چاہا، حضرت اسماعیل کا فدیہ ایک مینڈھا مگر حضرت عبداللہ کا فدیہ سو اونٹ قرار پائے تھے(13)!

اس ضمن میں دو روایات ہیں، ایک یہ کہ چاہ زمزم کو دوبارہ کھود کر استعمال کرنے کے قابل بنانے کے لئے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے جب کام شروع کیا تو یہ نذر مانی تھی کہ کامیابی کی صورت میں وہ اپنے محبوب ترین فرزند کی قربانی دیں گے اور غالباً یہی درست ہے، دوسری روایت یہ بھی ہے کہ عدی بن نوفل بن عبد مناف نے عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو قلیل اولاد ہونے کا طعنہ دیا تو انہوں نے یہ منت مانی کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں دس بیٹے عطا فرمائے گا تو ان میں سے ایک کو خانہ کعبہ میں فی سبیل اللہ قربان کروں گا!

جب سردار عبدالمطلب کی مراد پوری ہوگئی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی غیر فانی یادگار کو پھر سے دریافت کر کے انہوں نے چاہ زمزم کو لوگوں کے استعمال کے قابل بنا دیا تو اب وقت آیا کہ سنت ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کو بھی دہرایا جائے، چنانچہ قرعہ فال حضرت عبداللہ کے نام نکلا اس لئے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ صفا و مروہ کی درمیانی جگہ پر انہیں لٹا کر ذبح کرنے لگے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ننھیال اور ان کے بھائی آڑے آئے، پھر ایک کاہنہ کے مشورے سے سو اونٹوں کا فدیہ ادا کرنا قرار پایا اور یوں عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح "ذبیح اللہ" کے لقب سے سرفراز ہوئے(14)!

علامہ ابن حزم ظاہری نے "جمہرۃ انساب العرب" میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ نسب اور اولاد کی بات کرتے ہوئے بڑے جامع اور خوبصورت اسلوب میں ان کا اور ان کی اولاد کا تعارف پیش کیا ہے فرماتے ہیں(15)!

"یہ ہے عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کا نسب نامہ: عبداللہ بن عبدالمطلب کی اولاد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو اولاد آدم کے سردار ہیں، اللہ تعالیٰ نے جن

وانس پر ان کی اطاعت فرض کر دی ہے، انہیں اپنا خلیل و کریم بنا لیا ہے، ان پر نبیوں اور رسولوں کا اختتام ہوا اور ان کی امت پر امتوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا، ان کے ہاتھ پر معجزات عطا فرمائے جیسے: شق القمر، پانی کا چشمہ نکالنا، تھوڑی سی خوراک بہت سے لوگوں کے لئے کافی ہو جانا، وغیرہ صحیح عزت و شرف اسی کے لئے ہے جو ان کی اطاعت کرے اور پیروی کرے، آپ ﷺ کے علاوہ حضرت عبداللہ کے اور کوئی اولاد نہیں ہوئی"۔

قریش کے تجارتی قافلے یمن جایا کرتے تھے، حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے عظیم اور کامیاب تاجر تھے، اور لین دین میں امانت و دیانت اور قابل اعتماد اصول تجارت کے باعث شام و فلسطین کے علاوہ یمن میں بھی بڑی عزت و وقار کے مالک قریشی تاجر سمجھے جاتے تھے، ہر جگہ ان کے واقف حال اور با اعتماد دوست تھے، ایک دفعہ یمن میں ایک دوست کے ہاں مقیم تھے کہ اتفاق سے ایک قیافہ شناس اور ماہر تورات یہودی عالم سے ملاقات ہو گئی، اس نے نے یہ بتایا کہ ہمارے ہاں یہ راز اب عام ہو گیا ہے کہ آنے والا نبی بنو ہاشم اور بنو زہرہ کے ہاں جنم لینے والے والدین سے ہو گا، اس لئے اگر آپ بنو زہرہ میں شادی کر لیں تو ہو سکتا ہے آپ ان کے والدین میں سے ہوں جن کے حصے میں یہ سعادت آنے والی ہے، عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو واپس آنے کے بعد یہ خیال نہ رہا اور وہ یومیہ مشاغل میں لگے رہے، تاہم وہ ایک طرف تو اہل کتاب کے احبار و رہبان کی باتیں بکثرت سنتے رہے اور دوسرے کاہنوں اور قیافہ شناسوں کے اندازے بھی ان کے علم میں آتے رہے مگر چاہ زمزم کی کھدائی کا کٹھن مرحلہ رکاوٹ بنا رہا اور دوسری جانب وہ اپنی نذر پوری کرنے اور مستقبل کے متعلق خوابوں کی تعبیر ڈھونڈتے رہے (16)!

معلوم ایسے ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یاد کو زندہ کرنے اور پھر اپنے محبوب ترین فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قربانی پیش کرنے کے مرحلے سے کامیاب اور سرخ رو ہونے کے بعد انہیں یہ احساس ہوا ہو گا کہ ان کا بیٹا عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑا سعادت مند اور عظیم الشان مستقبل کا مالک ہے جسے "ذبیح اللہ"

ہونے کا شرف حاصل ہو گیا ہے اور انہوں نے حضرت اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت کو ازسرنو زندہ کر دیا ہے، ہو سکتا ہے کہ بتانے والوں کی پیشین گوئیاں بنو ہاشم اور بنو زہرہ کے ملاپ کے متعلق درست ہوں اور نبی منتظر کا ظہور اسی طرح مقدر ہو، بنو زہرہ کے دو سرکردہ رہنما آپس میں سگے بھائی بھی تھے، ان میں سے بڑے کا نام وہب اور چھوٹے کا نام وہیب تھا اور وہب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے دوست، ساتھی اور شریک سفر بھی تھے، تاریخ کے اوراق (17) میں یہ بات محفوظ ہے کہ عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ اور وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ ایک روز دونوں قریش کے ایک نمائندہ وفد کے ساتھ شاہ یمن سیف بن ذی یزن کے دربار میں اکٹھے موجود تھے اس شاہی دربار میں بھی نبی منتظر کا ذکر ہوا تھا اور شاہ یمن نے آنے والے سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا تھا، یہ سب کچھ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو یاد تھا اور اس پس منظر میں وہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کے لئے حضرت آمنہ کا رشتہ مانگنے گئے تھے۔

وہب فوت ہو چکے تھے مگر وہیب زندہ تھے، وہیب کی بیٹی ہالہ اور وہب کی بیٹی سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک ساتھ وہب کے گھر پرورش پاتی رہی تھیں۔ یوں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے دوست اور ساتھی وہب بن عبد مناف اور ان کی دختر نیک اختر آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ وہ کتنی نیک، سعادت مند اور پاک دامن دوشیزہ ہیں! اپنی نذر کے مرحلے سے اچھی طرح سرخرو ہو کر نکلنے کے بعد اور ان کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے "ذبیح" قرار پانے کے بعد سردار عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اس یقین کو پہنچ گئے تھے کہ ان کا بیٹا بنو ہاشم کا معصوم و رعنا نوجوان کوئی معمولی قریشی ہاشمی نہیں ہے، کیوں نہ اس یمنی یہودی ماہر تورات و قیافہ شناس کی بات کو اہمیت دیتے ہوئے انہیں آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے!

کتب سیرت و تراجم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بدلے سو اونٹوں کا فدیہ پورا ہونے کے بعد ہی حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو ساتھ

لے کر وہب زہری کے گھر گئے تھے اور باپ کا بیٹے کو بطور نذر ذبح کرنے کا عزم اور بیٹے کے ننھیال کا اضطراب اور بھائیوں کی بے قراری کوئی معمولی واقعات نہ تھے جو مکہ کے گلی کوچوں میں گونج نہ رہے ہوں! پھر ایک کاہنہ کا یہ مشورہ کہ بیٹے کے بدلے اونٹ ذبح کیے جائیں، پھر قرعہ اندازی میں اونٹوں کا دس سے سو تک جا پہنچنا اور سو پر پہنچ کر تین مرتبہ قرعہ فال کا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ان سو اونٹوں کے نام پر نکلنا اور پھر سب سے بڑھ کر مکہ مکرمہ میں ان سو اونٹوں کا ذبح ہونا اور گوشت کا لوگوں میں تقسیم ہونا بھی کوئی معمولی واقعات نہ تھے، کم سے کم مکہ میں موجود صحف سماویہ کے ماہر جیسے ورقہ بن نوفل وغیرہ جہاں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کا موازنہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے واقعات سے کر رہے ہوں گے وہاں انہیں بنو ہاشم کے نوجوان معصوم و رعنا کی عظمت و اہمیت کا اندازہ بھی یقیناً ہو گیا ہو گا!

عرب جاہلیت کی رسوم بد میں سے نکاح کی اقسام بھی ہیں، نکاح کی ایک صورت اتخاذ اخدان یعنی یار بنانا بھی تھا، نکاح کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ عورت کسی مرد کو وقتی نکاح کی اجازت بھی دے دیتی تھی اور اس باہمی رضامندی سے ایک قسم کا عقد نکاح ہو جاتا تھا اور مرد اور عورت ایک ساتھ رہ سکتے تھے، شریف لوگ نکاح کی اس صورت کو حرام قرار دیتے تھے مگر کچھ لوگ اسے بھی گوارا کر لیتے تھے اور اس تعلق یا دعوت تعلقات کو نسل کشی کے لئے جواز مل جاتا تھا، یوں لگتا ہے کہ یہ کاہن، راہب اور قیافہ شناس وغیرہ جو نور نبوت محمدی ﷺ کی چمک دمک کو پہچان چکے تھے اسے معاذ اللہ لوٹ کا مال تصور کرتے تھے جو جائز و ناجائز ہر طریقے سے منتقل ہو سکتا تھا، انہیں کیا معلوم تھا کہ اس نور مقدس کا تحفظ اور عصمت و صیانت کا تو نظام خداوندی ازل سے ابد تک طے ہو چکا تھا اور اس نور مقدس نے تو اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہونا تھا لیکن "قسمت آزمائی" میں کیا حرج ہے! علامہ علی حلبی صاحب سیرت حلبیہ کا یہ بیان یہاں توجہ کا مستحق ہے، وہ لکھتے ہیں:

"جیسا کہ بیان ہو چکا ہے حضرت عبداللہ قریش میں سے سب سے زیادہ حسین وجمیل نوجوان تھے، نور نبوت محمدی ﷺ ان کے چہرے سے یوں چمکتا تھا جیسے کوئی روشن ستارہ ہو، ان کے اس حسن و جمال کی وجہ سے قریش کی نوجوان لڑکیاں انہیں بہت چاہتی تھیں اور سب ان پر جان دیتی تھیں، کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ہوگئی تو قبیلہ قریش کے بنو مخزوم، بنو عبد شمس اور بنو عبد مناف میں کوئی بھی دوشیزہ ایسی نہ تھی جو احساس محرومی سے غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو، ہر ایک اس غم سے نڈھال تھی کہ اس کی شادی سردار عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں نہ ہو سکی؟ (18)۔

چنانچہ تیاری کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کے ساتھ بنو زہرہ کے گھرانے کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر اٹھارہ برس ہو گی، رستہ میں قبیلہ بنو اسد بن عبد العزیٰ کی ایک عورت کا سامنا ہوا جس کا نام قتیلہ بنت نوفل بتایا جاتا ہے، اور یہ ورقہ بن نوفل کی بہن بتائی گئی تھی، یہ بھی اپنے بھائی کی طرح مسیحیت کی پیرو تھی اور صحف سادیہ خصوصاً اناجیل کی عالمہ تھی، وہ خود بھی قیافہ شناسی اور کہانت میں ماہر تھی اور اپنے بھائی سے بھی سن رکھا تھا کہ اس امت کے لئے کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہے اور اس نبی منتظر کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہوگی کہ اس کا نور نبوت اس کے والد کے چہرے پر جھلکتا ہوگا، عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد گرامی عبدالمطلب رضی اللہ عنہ جب اس عورت کے پاس سے گزرے تو وہ اس وقت خانہ کعبہ کے پاس کھڑی تھی، شاید قتیلہ نے ایسا سوچا یا اپنے بھائی کے منصوبے سے ایسا کیا، بہر حال اس نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو عارضی اور وقتی نکاح کی پیش کش کی اور اس وقت اپنے ساتھ چلنے کو کہا اور ساتھ ہی یہ پیشکش بھی کی کہ اگر تم میرے ساتھ چلنے پر رضامند ہو تو پھر میں تمہیں اتنے ہی اونٹ دوں گی جتنے (یعنی سو اونٹ!) تمہارے فدیے کے طور پر قربان کیے گئے ہیں، ظاہر ہے یہ ایک قسم کی شادی کی پیشکش تھی جس کا عرب میں رواج تھا، تاہم عرب کے شرفاء اس کو بدکاری ہی تصور کرتے

تھے اور نیک و پاک دامن لوگ اس سے بچتے تھے اس لئے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ پیشکش ٹھکراتے ہوئے کہا(19):

امَّا الحرامُ فالمماتُ دُونَهُ والحلُّ لا حلَّ حتى استبينه
يحمى الكريم عرضه ودينه فكيف بالامر الذى تبغينه

''یعنی رہا حرام تو اس سے مر جانا ہی بہتر ہے، اور یہ کام حلال تو ہے نہیں کہ میں اسے آزماؤں، شریف آدمی تو اپنی عزت اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے، بھلا وہ بات اب کیسے ممکن ہے جو تو چاہ رہی ہے!''

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما شعر گوئی کا ذوق بھی رکھتے تھے، بعض کتب سیرت و تراجم میں ان کے یہ دو شعر بھی نقل کیے گئے ہیں جو ادبی چاشنی اور فصاحت کی رونق سے بھی مزین ہیں، فرماتے ہیں(20):

لقد حكم البادون فى كل بلدة بأن لنا فضلا على سادة الأرض
وأن أبى ذو المجد والسودد الذى يشاربه مابين نشز الى خفض!

''یعنی دیہاتی اعرابیوں نے ہر جگہ یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ ہم (بنو ہاشم) کو روئے زمین کے سرداروں پر فضیلت حاصل ہے، اور یہ کہ میرے والد گرامی (عبد المطلب رضی اللہ عنہ) اس عزت اور سرداری کے مالک ہیں جس کی طرف ہر نشیب و فراز میں اشارہ کیا جاتا ہے!''

سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس عورت سے دوبارہ بھی ملاقات ہوئی جس نے شادی کی پیشکش کی تھی، اس ملاقات کے موقع پر انہوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ اس پیشکش کے متعلق اب اس کا کیا خیال ہے تو مذکورہ عورت نے ان کا چہرہ دیکھ کر بھانپ لیا کہ اب ان کے چہرے پر اس نور کی چمک دمک مفقود ہے، جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ان کی تو بنو زہرہ کی آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی ہو چکی ہے تو اس نے یہ جان لیا کہ وہ نور اب باپ سے ماں کو منتقل ہو چکا

ہے، اس لئے جواب میں اس عورت نے جو جملہ کہا وہ بھی عربی زبان کی ضرب الامثال میں شامل ہو گیا ہے۔

بہر حال حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو بنو زہرہ کے سردار وہیب بن عبد مناف کے گھر لے گئے، جہاں ان کا حضرت آمنہ بنت وہب سے نکاح انجام پایا، اسی مجلس میں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا بھی نکاح ہو گیا، اس وقت کے عام دستور کے مطابق حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تین دن اپنے سسرال میں رہے اور اس طرح نور نبوی ﷺ صلب طاہر سے رحم طاہر میں منتقل ہو گیا اور یہ پیر کا دن تھا!

معلوم ہوتا ہے اپنے والد گرامی کے یقین کو دیکھ کر اور جزیرہ عرب میں احبار و رہبان کی مروج پیشین گوئیوں سے متاثر ہو کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی یہ جان گئے تھے کہ ان کے چہرے پر جو رونق ہے وہ کسی نور سرمدی کی وجہ سے ہے اسی لئے نہ صرف یہ کہ وہ تقویٰ و طہارت اختیار کرتے تھے بلکہ اس نور عصمت کو محفوظ رکھنے میں بھی ان کا کردار مثبت تھا اس ضمن میں علامہ حلبی اور دیگر سیرت نگاروں کی اس رائے کی بڑی اہمیت ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس عورت کی پیشکش پر حیرت تھی کہ ایسا کرنا شریف عورت کی فطرت کے خلاف ہے اس لئے وہ دوبارہ اس عورت کے پاس بطور آزمائش گئے تھے اور یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اس کا سبب محض اس عورت کی نفسانی خواہش تھی، یا واقعی اسے ان کے چہرے پر کچھ دکھائی دیا تھا! چنانچہ خشک سا اور دو ٹوک جواب دے کر اس عورت نے یہ ثابت کر دیا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر نور نبوت کی رونق تھی جو اسے اب دوبارہ نظر نہیں آئی تھی!

عزیز مصر کی بیوی نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بدکاری کے لئے مائل کرنا چاہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بچانے کے لئے عبرت کی ایک نشانی پیدا کر دی اور وہ یہ کہ عورت نے اپنے بت کے اوپر کپڑا ڈال کر اسے ڈھانپ دیا، یوسف علیہ السلام نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو عورت نے جواب دیا: مجھے اپنے دیوتا سے شرم آتی ہے، تب یوسف علیہ السلام نے کہا تو ایک پتھر سے شرمندگی برداشت نہیں کر سکتی تو میں اپنے سمیع و بصیر خدا سے شرمندہ نہ

ہوں؟ شیخ سعدی کے الفاظ ہیں (21):

تو درروئے سگے شدی شرمسار مرا شرم ناید ز پروردگار!؟

لیکن حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے تو قتیلہ کے ساتھ بدکاری کی پیشکش کے ساتھ اتنی بھاری مالی پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا تھا اور اسے حرام قرار دیا تھا، یہ تو ان کے ایمان کی دلیل ہے اور اعلیٰ انسانی اسلامی اخلاق کی علامت ہے، یہ بات بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کو ثابت کرتی ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات بھی ان کے پڑدادا ہاشم کی طرح سفرِ تجارت کے دوران اور غریب الوطنی میں ہوئی! معلوم ہوتا ہے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنی تجارت اپنے پیارے بیٹے کے سپرد کر دی تھی، قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام و فلسطین کے لئے روانہ ہوا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اس قافلے کے ہمراہ تھے، قافلہ غزہ سے خرید و فروخت کرنے کے بعد واپس آیا تو وہ بیمار تھے جب یثرب (مدینہ منورہ) کے پاس پہنچے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کے ننھیال بنو عدی بن نجار کے ہاں رک گئے۔ ایک ماہ تک وہ بیمار رہے پھر فوت ہو گئے اور نابغہ کی حویلی میں دفن کر دیئے گئے، قریش کا قافلہ جب مکہ مکرمہ واپس آیا تو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو یثرب روانہ کیا مگر ان کے آنے سے پہلے ہی بنو ہاشم کے جوان معصوم و رعنا اپنے خالق حقیقی سے جا ملے! جب کہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لال ابھی شکم مادر ہی میں تھا، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت صدمہ ہوا جس کا اظہار انہوں نے اپنے شوہر کے مرثیہ کے چند اشعار میں بھی کیا ہے (22):

عفا جانب البطحاء من ابن هاشم وجاور لحدا خارجا فی الغماغم

دعته المنايا دعوة فأجابها وما تركت فی الناس مثل ابن هاشم

عشية راحوا يحملون سريره تعاوره أصحابه فی التزاحم

فان يک غالته المنايا وريبها فلقد كان معطاء كثير التراحم!

''وادی بطحا کا گوشہ ہاشم کے فرزند (عبداللہ رضی اللہ عنہ) سے خالی اور ویران ہو گیا، اس نے ڈراؤنی جگہوں میں باہر جا کر ایک قبر میں بسیرا کر لیا ہے (2) موت نے انہیں بلایا تو انہوں نے لبیک کہہ دیا اس موت نے ابن ہاشم یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جیسا انسان بھی نہیں چھوڑا۔ (3) شام تھی جب لوگ ان کا جنازہ اٹھائے ہوئے چلے جا رہے تھے، ان کے احباب باری باری انہیں کندھا دے رہے تھے (4) سو اگر موت نے اور اس کی آفت نے انہیں ختم کر دیا تو کیا ہوا؟ وہ تو بہت بڑے سخی اور مہربانی کرنے والے تھے!

یہ اشعار اعلیٰ عربی اسلوب بیان کے حسن و رونق کے ساتھ ساتھ معنی کی سادگی اور حقیقت بیانی کا رنگ لیے ہوئے ہیں! لیکن اس کے علاوہ مخلصانہ ہمدردی، وفا اور مدح ستائش سے بھی لبریز ہیں!

یہاں پر ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے، سب سیرت نگار اور تذکرہ نویس یہی کہتے چلے آ رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ یا یثرب میں اپنے ننھیال میں ٹھہر گئے تھے، پھر جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو یثرب لے کر جاتی ہیں تو وہاں بھی یہ سب اصحاب علم وفضل یہی لکھتے ہیں کہ والدہ ماجدہ انہیں ان کے ننھیال سے ملانے لے گئیں!! حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے ننھیال تو بنو زہرہ ہیں جو قریش مکہ کا ایک معروف اور معزز قبیلہ ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کی والدہ کا تعلق بھی مکہ مکرمہ کے ایک قبیلے بنو یقظہ بن مرہ سے ہے (23)، اسی طرح دونوں باپ بیٹے (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کے ننھیال کو یثرب یا مدینہ منورہ میں بتایا جا رہا ہے جب کہ ان دونوں ہستیوں کے ننھیال کا تعلق تو مکہ مکرمہ کے قبائل قریش سے ہے!!

دراصل یثرب میں تو حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ (شیبۃ الحمد) کے ننھیال تھے! ان کے والد گرامی ہاشم (عمرو العلا) بن عبد مناف نے یثرب میں بنو عدی بن نجار کی ایک معزز اور پر وقار بیوہ خاتون سلمیٰ بنت عمرو سے نکاح کیا تھا اور چند روز اپنے سسرال میں رہ کر شام

چلے گئے تھے اور فلسطین کے شہر غزہ میں جا کر بیمار پڑ گئے اور فوت ہو گئے، حضرت شیبۃ الحمد (بعد میں عبدالمطلب رضی اللہ عنہ) اپنے جلیل القدر پوتے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرح اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئے تھے، بے چاری سلمیٰ بنت عمرو پہلے احیحہ بن جلاح کی بیوہ کے طور پر دو یتیم بچوں کی پرورش کر رہی تھیں، اب ہاشم کی بیوہ بننے کے بعد تیسرے یتیم بچے (شیبۃ الحمد) کی پرورش کی ذمہ داری بھی آن پڑی مگر سلمیٰ بڑی بہادر اور حوصلہ مند خاتون تھیں، انہوں نے احیحہ کے دونوں بیٹوں اور ہاشم کے ایک بیٹے کی پرورش اور تربیت ایک عظیم عرب ماں کے سے انداز میں کی تھی!

بہر حال سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی اس غلطی کا سبب اور اصل ماخذ معلوم کرنا ضروری ہے، دراصل یہ غلطی یا تو ابن اسحٰق اور ابن ہشام کے کسی نسخہ نویس کی ہے۔ جس نے فی اخوال ابیہ (اس کے والد کے ننھیال) اور فی اخوال جدہ (ان کے دادا کے ننھیال) میں لکھ دیا اور بعد میں آنے والے تمام حضرات مکھی پہ مکھی مارتے چلے آرہے ہیں! شاید یہ اس لئے ہو کہ باپ اور دادا کے ننھیال بیٹے اور پوتے کے ننھیال بھی مراد لیے جاسکتے ہیں!؟ مگر عربی زبان اور عرب معاشرے میں اس کا کوئی ثبوت یا جواز نہیں مل سکتا! یہ تو درست ہے کہ یثرب کے بنو عدی بن نجار اوس وخزرج کے ان قبائل میں سے تھے جو بڑے سخی، فراخ دل اور مہماں نواز تھے اس لئے وہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ یا شیبۃ الحمد کی طرح ان کے بیٹے اور پوتے کا استقبال بھی اسی طرح کرتے ہوں گے جس طرح وہ اپنے نواسے کا کرتے تھے تاہم اس صورت میں بھی ہمارے سیرت نگار اور تذکرہ نویس اپنی غلطی سے بری الذمہ کسی طرح بھی قرار نہیں دیے جاسکتے!!

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شام وعراق میں بعض شہید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبور صدیوں بعد حالات کی مجبوری کے باعث کھودنا پڑیں تو دنیا نے یہ حیرت انگیز مناظر دیکھے کہ روم وایران کے خلاف عہد صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما میں جو اصحاب رسول اللہ ﷺ شہید ہو کر خون آلود لباس میں دفن کیے گئے تھے ان کے اجساد مبارک صحیح وسالم تھے! یہ اللہ تعالیٰ

کے نیک بندوں کی کرامات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کی شان کو بلند فرمایا ہے اور شہدائے حق کا یہ اعزاز و انعام ہے جو آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ان غیر فانی بندگان حق کو عطا ہوتا ہے!

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی وطن سے دور سفر میں فوت ہوئے اور غریب الوطن کی حیثیت سے یثرب کے ایک احاطہ (دار نابغہ یعنی نابغہ کا احاطہ یا حویلی) میں دفن کیے گئے تھے، حال ہی میں مدینہ منورہ کی جدید خطوط پر تعمیر نو کے سلسلے میں داخلی احاطوں کی قبور میں مدفون میتوں کو نکال کر جنۃ البقیع میں دوبارہ دفن کیا گیا، دار نابغہ سے جب حضرت عبداللہ کی میت نکالی گئی تو اس شہید غربت و مسافری کی میت بھی سالم تھی جو دنیا نے دیکھی، اس موقع کی ایک خبر ہے جو روزنامہ نوائے وقت 21 جنوری 1978ء بمطابق 11 صفر المظفر 1398ھ میں شائع ہوئی:

> "کراچی 20 جنوری (ج ک): یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا جسد مبارک، جس کو دفن کیے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، بالکل صحیح اور سالم حالت میں برآمد ہوا، علاوہ ازیں صحابی رسول اللہ ﷺ حضرت مالک بن انس کے علاوہ دیگر چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک بھی اصل حالت میں پائے گئے جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ دفنا دیا گیا جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جسم نہایت تر و تازہ اور اصلی حالت میں تھے"۔

اس واقعہ اور اس خبر کی تصدیق الحاج میاں محمد حنیف صاحب چیئرمین بی او جی یونیورسٹی آف فیصل آباد نے بھی کی ہے جو اس کے عینی شاہد اور اس موقع پر حسن اتفاق سے مدینۃ النبی ﷺ میں موجود تھے، چونکہ وہ "بحر مدینہ شریف کی بے قرار مچھلی" ہیں ہر سال رمضان سے پہلے جاتے ہیں اور عید الفطر منانے کے بعد مدینہ شریف سے واپس آتے ہیں! اس لئے انہیں اس تاریخی واقعہ کا عینی شاہد ہونے کا بھی شرف حاصل ہو گیا۔

انسانی تاریخ کی خوش نصیب ترین ماں

اللہ تعالیٰ حکیم و خبیر اور اپنے اٹل نظام کائنات میں قادر مطلق ہیں، ان کا ہر کام حکمت و تدبیر سے لبریز ہوتا ہے، حدیث نبوی ﷺ میں ارشاد ہے(1) کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی کام سرانجام دینا چاہتے ہیں تو اس کے لئے اسباب اور وسائل پیدا فرما دیتے ہیں یا ان کا تو حکم ہوتا ہے کہ کن فیکون یعنی ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے، نور محمدی ﷺ کا تحفظ و صیانت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے اور چونکہ حکم قرآنی کی رو سے کوئی کام یا کوئی شے عبث اور بیکار نہیں بلکہ ہر شے اور ہر کام اللہ تعالیٰ حکیم و خبیر کی حکمت اور تدبیر سے انجام پا رہا ہے(2) تو نور محمد ﷺ کو آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما تک محفوظ و مصون رکھنا اس کی اپنی مشیت و ارادہ تھا اس لئے ہر عیب و آلائش سے اسے پاک رکھنے کے لئے حکمت و تدبیر خداوندی کام کرتی رہی، کوئی مرحلہ عبث یا اتفاق کا نہ تھا بلکہ ایک طے شدہ نظام حکیمانہ کارفرما رہا، مثلاً کوئی یہ کہے کہ ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو پیر کا دن کیوں تھا یا کوئی یہ پوچھے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت اسی پیر کے دن کیوں ہوئی؟ یا اسی پیر کے دن اسی تاریخ کو اسی مہینے میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کا ورود مبارک کیوں ہوا پھر اسی پیر کے دن بارہ ربیع الاول ہی کو آپ ﷺ کا وصال اور رفیق اعلیٰ کے حضور پہنچنا کوئی یونہی اتفاقات تھے، یہ بھی محض اتفاق نہ تھا کہ قمری مہینوں کے یہ نام آپ ﷺ کے ظہور قدسی سے صدیوں پہلے مروج و متداول تھے اور اسی ماہ مبارک کا نام ربیع الاول (یعنی بہار کا پہلا مہینہ) رکھنا بھی کوئی اتفاق نہ تھا۔ کیونکہ یہ مبارک مہینہ جب بھی آتا ہے تو ہر دفعہ دنیا میں درحقیقت بہار نہیں ہوتی بلکہ ماہ ربیع الاول کبھی خزاں، کبھی سردی، کبھی گرمی اور کبھی بہار کے موسم میں بھی آتا ہے تو گویا یہ مہینہ لازمی طور پر موسم بہار میں تو نہیں آتا تو پھر یہ بہار کا پہلا مہینہ (ربیع الاول) کیونکر کہلایا؟!

لیکن ان اتفاقات میں قدرت ربانی کی بڑی حکمتیں ہیں!! اور یہ ماہ مبارک اپنی جگہ واقعی بہار کا مہینہ ہے، ہاں یہ بہار عام بہاروں جیسی نہیں بلکہ اس مبارک ماہ کی بارہ تاریخ کو ایک خاص بہار مقصود تھی، ایک ایسی بہار جو دائمی، غیر فانی اور ہمیشہ کی بہار تھی! یہ بہار تھی انسانیت کے مقدر کی، انسانیت کی قسمت کی! اس دن جو نور محمدی ﷺ ظاہر ہوا اس نے دنیا کا نقشہ ہی بدل دیا، تاریخ کا دھارا ہی بدل دیا، اس دن انسانیت کی سعادت اور خوش نصیبی کا ظہور ہوا، ہر سال ہوتا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا! یہ ربیع الاول کا مبارک مہینہ انسانیت کے لئے عدل وانصاف، احترام آدمیت، راحت وسکون، خوشی ومسرت، شفقت و رحمت اور اللہ تعالیٰ کی بخشش ومہربانی کا موسم بہار لے کر آتا رہے گا خواہ یہ ماہ مبارک اب خزاں میں آئے یا موسم سرما میں آئے یا گرما میں، جب بھی آئے گا انسانیت کے لئے بہار کا پیغام ہے اس لئے یہ واقعی ربیع الاول ہے! بلکہ اس کے بعد ربیع الثانی بھی آتا ہے تا کہ انسانی مقدر کی بہار ایک ماہ نہیں بلکہ دو ماہ تک جاری وساری رہے اور رہتی ہے بلکہ یہ تو ایک ایسی بہار ہے جسے کبھی خزاں نہیں (3)!

یہ نغمہ گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں، لا الہ الا اللہ!

نور محمدی ﷺ کا ظہور قدسی اور مصطفوی ولادت باسعادت بلاشبہ انسانیت کی عید ہے، اس ذات پاک کا دنیا میں تشریف لانا انسانیت کی سب سے بڑی خوش نصیبی ہے، سب سے بڑی اور سب سے زیادہ پررونق عید اور بہار کا موقع ہے تو جس ماں کی گود میں یہ سدا بہار پھول کھلنا تھا اس کی خوش نصیبی کے متعلق آپ کا کیا اندازہ ہے؟ کیا وہ انسانیت کی تاریخ کی سب سے بڑی اور خوش نصیب ترین ماں نہیں تھیں!؟

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں یہ بات معلوم اور مسلم ہے کہ آپ ﷺ تاریخ کا انوکھا انقلاب لائے! دس سال جنگ اور مسلسل جدوجہد کے بعد دنیا کی پسماندہ ترین اور ہزاروں سال سے فراموش شدہ قوم کے ملک جزیرہ عرب میں عدل وانصاف قائم ہوگیا اور یہ وحشی خطہ امن کا گہوارہ بن گیا مگر اتنی طویل جنگ میں اور اتنے بڑے علاقے میں

یہ سب کچھ ہوا مگر اس کی قیمت ایک ہزار انسانی جانوں کی قربانی سے زیادہ نہ تھی، اپنی اور دشمن کی فوج کے اتنے ہی آدمی کام آئے مگر عدل وانصاف اور امن وسلامتی کا دور دورہ ہو گیا! یہ انوکھا اور نادر انقلاب نہیں؟ پہلی اور دوسری عالمی جنگیں صرف چند سال رہیں مگر کروڑوں انسان مر گئے اور ہر طرف موت اور تباہی پھیل گئی مگر دنیا میں نہ عدل وانصاف آیا اور نہ امن وسلامتی قائم ہو سکی!! سیدنا مصطفیٰ ﷺ کا یہ انوکھا، نادر اور پر امن انقلاب کیسے آیا؟ اس کا اسلحہ صرف اور صرف توحید ربانی پر غیر متزلزل ایمان تھا اور اس کا مقصد دنیا میں معاشی و معاشرتی مساوات کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف اور امن وسلامتی کا قیام تھا!

عقیدہ توحید پر وہی ایمان جو انسان کے اندر سے ہر باطل قوت کا خوف اور خدشہ نکال دیتا ہے توحید پر ایمان لانے والا بندہ مومن اللہ تعالیٰ کی طاقت کے علاوہ کسی اور طاقت کو خاطر میں نہیں لاتا، یہی عقیدہ توحید گوشت پوست کے انسان کو فولادی عزم عطا کر کے اسے ایک غیر متزلزل پہاڑ بنا دیتا ہے! اس خوف سے بت گرتے اور بت خانے ویران ہوتے ہیں، مغرور و متکبر بادشاہ لرزتے اور لشکر خوف سے بھاگتے ہیں! یہی تو قوت تھی جس نے سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ سے باطل کی تمام آلائشیں صاف کر کے انہیں نا قابل شکست اور نا قابل تسخیر قوت بنا دیا تھا! ظالم ستاتے تھے مگر ان کی زبان پر احد! احد! کا ورد جاری رہتا تھا اور یہی ورد مشرکوں کو بھون کر اور جلا کر رکھ دیتا تھا مگر سیدنا بلال شیخ سعدی کی اس رباعی کی تصویر بنے رہتے تھے۔

موحد چو در پائے ریزی زرش　چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نبا شد زکس　برین است بنیاد توحید و بس!!

"یعنی موحد وہ ہے کہ اس کے پاؤں میں دولت کے ڈھیر لگا دو، خواہ فولادی تلوار اس کے سر پر رکھ دو اسے نہ تو دولت کی آرزو ہو گی اور نہ تلوار کا ڈر! بس یہی ہے توحید کی بنیاد!!"

جی ہاں! انقلاب محمدی ﷺ کا اصل ہتھیار یہی عقیدہ توحید تھا! آج کے ایک غیر

جانبدار غیر مسلم امریکی مستشرق مائیکل ہارٹ کی محققانہ و منصفانہ رائے ہے کہ حضرت محمد ﷺ تاریخ انسانی کے سب سے بڑے قائد اور انقلابی رہنما ہیں! اس نے لکھا ہے کہ دینی اور دنیاوی دونوں محاذوں پر آپ ﷺ یکساں طور پر کامیاب اور کامران نظر آتے ہیں! گزشتہ انسانی تاریخ (اور مستقبل دونوں!) پر سب سے زیادہ گہرے اور وسیع اثرات آپ ﷺ کی تحریک اسلامی نے ہی ڈالے ہیں۔ حتیٰ کہ تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا! اس لئے دنیا کی تمام تاریخ ساز اور انقلابی ہستیوں میں آپ ﷺ سر فہرست نظر آتے ہیں، اس لئے وہ انسانیت کے سب سے بڑے لیڈر اور قائد ہیں مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ مائیکل ہارٹ کے نزدیک بھی اس ہستی کی بے مثال کامیابی و کامرانی کا اصل سبب اور وسیلہ عقیدہ توحید ہی ہے اور اصل آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کو عقیدہ توحید سے فولادی عزم کے مالک، غیر متزلزل قوت ارادی رکھنے والے اور اللہ وحدہ لاشریک پر پختہ ایمان رکھنے والے تو بنایا ہی تھا مگر جس طرح آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر پختہ یقین اور لاجواب کر دینے والے دلائل دیئے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور شان ربوبیت کو جس انداز میں انسانوں کے ذہن میں بٹھایا اس سے نہ صرف یہ کہ انسان نے اپنے رب کو صحیح طور پر جانا اور پہچانا ہے بلکہ اس نے تو تمام معبودان باطل کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا اور خدائی کے جھوٹے دعوے کرنے والے فرعونوں، نمردوں اور شدادوں کو بھی شرمندہ کر دیا ہے! اب خدائی کے دعوے کرنے کی گنجائش ہی کوئی نہیں رہی! عقیدہ توحید کو واضح رنگ میں پیش کر کے آپ ﷺ نے ذات باری تعالیٰ کا بول بولا کیا، انسانوں کا مقدر بدلا اور تاریخ کا سب سے زیادہ موثر، کامیاب اور انوکھا انقلاب برپا کر کے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کا فرد فرید اور سب سے بڑا مصلح و رہنما ہونے کا شرف عطا فرما دیا! ظاہر ہے یہ مقام امتیاز اور مرتبہ بلند جس خاتون کے لخت جگر کے حصے میں آیا وہ خاتون بھی تو تاریخ انسانی کی سب سے بڑی ماں ہونے کا شرف رکھتی ہیں! سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بلاشبہ انسانی تاریخ کی سب سے زیادہ خوش نصیب اور سب سے بڑی ماں ہیں!

یہ بات توجہ اور غور کے قابل ہے کہ اس جلیل القدر خاتون کی ازدواجی زندگی بے حد مختصر تھی! صرف چند ماہ! تاہم اللہ رب العزت نے ان کی ممتا کو اپنے لخت جگر کی تربیت و نگرانی کا شرف بخشا! انہیں اتنا وقت ضرور عطا ہوا کہ وہ اپنے دریتیم کی رحمۃ للعالمینی میں اپنا حصہ ڈالیں اور اپنی ممتا کی شفقت و محبت سے بشریت کے اس قلب اعظم کو بھر دیں تاکہ وہ اپنے رب کریم کی طرف سے سونپے جانے والے منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو نبھانے کا حوصلہ و قوت عمل کا مظاہرہ کر سکیں!! سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عظیم و جلیل اور پاک باز و پاک دامن شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی کا جو عرصہ گزارا وہ تو بہت ہی مختصر تھا مگر ان کی ممتا کو اپنا کردار ادا کرنے کے لئے جو وقت ملا وہ بھی کوئی زیادہ طویل تو نہیں تاہم اپنے والد گرامی کی شکل بھی نہ دیکھ سکنے والا دریتیم اپنی والدہ ماجدہ کی شفقت بھری ممتا سے بہرہ ور ہو گیا اور ماں کی یہ شفقت و رحمت حسین یادوں کا ایک قیمتی سرمایہ بن گیا!

آپ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے لئے اس لئے بھی ممنون و شکر گزار رہے کہ انہوں نے شہر یثرب کے دار نابغہ میں آپ ﷺ کو اپنے والد گرامی کی قبر کی زیارت بھی کرادی تھی اور جب وہ اپنے عظیم و محبوب شوہر کی جدائی کا غم لئے یثرب سے واپس ہوئی تھیں تو ابواء کے مقام تک اپنے لخت جگر کی شریک سفر بھی رہیں پھر اس کی گود میں سر رکھ کر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی تھی! اپنی سراپا شفقت ماں کے قدموں میں غم جدائی کے آنسو بہانے کا جو موقع نصیب ہوا وہ بھی آپ ﷺ کا سرمایہ زندگی تھا! پھر اپنی نظروں کے سامنے اس سراپا شفقت و رحمت کے جسد خاکی کو دفن کے حوالے کرنے کا جو شرف نصیب ہوا اسے بھی رحمۃ للعالمین ﷺ کبھی نہیں بھولے (4)! اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کرنے اور اسے مست کرنے کا بھی موقع آیا! یہ سب یادیں دریتیم ﷺ کے دل پر نقش تھیں اور سرمایہ حیات ثابت ہوئیں! سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو دفنانے کے بعد تاریخ کا سب سے بڑا انسان بننے والا بچہ اپنے والد کی لونڈی اور ماں کی خادمہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے کہہ رہا تھا کہ: ام ایمن! آج سے تم ہی میری ماں ہو! آخر کیوں نہ ہوتا! دنیا کو یہی تو بتانا تھا کہ اللہ کے

سب بندے برابر ہیں کیا آزاد کیا غلام! ہر عورت مقدس ہے اس لئے وہ بڑی ہے تو ماں ہے، جوان ہے تو بہن ہے اور چھوٹی ہے تو بیٹی ہے! اور دل مصطفیٰ میں عورت کا مرتبہ و مقام اپنی جگہ بنا رہا تھا، رحمۃ للعالمین ﷺ کو اگر نماز اور خوشبو کی طرح عورت بھی دنیا کی محبوب ترین چیز لگی تو اس میں سیدہ آمنہ کی شفقت و رحمت اور محبت کا بھی کردار ہے، یوں قدرت خداوندی گویا لالے کی خود بخود حنابندی کر رہی تھی!

والدین کریمین مصطفیٰ ﷺ کی عمریں اس قدر مختصر آخر کیوں؟ اس کیوں کا حقیقی اور سچا جواب تو رب حکیم و خبیر کے پاس ہے جو علام الغیوب بھی ہے اور ستار العیوب بھی! بس یہ اس کی مرضی، قدرت قاہرہ اور شان بے نیازی ہے کہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے والدین کو آپ ﷺ سے جدا کر کے فوراً اپنے پاس بلا لیا! مگر وہ حکیم و خبیر ہے! وہ یہ بھی تو جانتا ہے کہ منصب رسالت کسے عطا فرمائے؟ اس شرف و اعزاز کو صحیح طور پر نبھانے والے کو آنے والے وقت اور اٹھائے جانے والے بوجھ کے لئے کیسے تیار کرنا ہے! یہ سب کام اسی کی حکمت اور تدبیر کے ہیں! وہ اپنے نظام ہستی کو چلانے کے لئے جو وسائل، جو ذرائع، جو اسباب اور جو کارکن تیار فرماتا ہے ان کا احاطہ و ادراک عقل انسانی کے بس کی بات نہیں! سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جیسی اولوالعزم ہستی رب جلیل کے کارکن خواجہ خضر علیہ السلام کے کشتی کو عیب دار کرنے، بچے کو مار ڈالنے اور دیوار کو گرنے سے بچانے کی حکمت ربانی کو پانے سے قاصر رہے اور ہذا فراق کا اعلان سننے پر مجبور کر دیئے گئے!! ہو سکتا ہے اکلوتا لخت جگر ناز و نعمت اور والدین کی ناز برداری میں پڑ کر وہ صبر، وہ ہمت، وہ عزم اور وہ قوت فعال نہ پیدا کر سکتا جو انقلاب محمدی ﷺ کے لئے درکار تھی! اس منصب جلیل اور عظیم الشان کام کے لئے ایک اولوالعزم مرد مومن درکار تھا جو خطرات میں سب سے آگے، مشکلات کو خاطر میں نہ لانے والا، ہمت و جفاکشی میں سب پر فائق کہ اگر ساتھی بھوک سے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ کر کام جاری رکھے ہوئے ہیں تو وہ دو پتھر باندھ کر ان کے لئے تسلی اور عزیمت کا نمونہ ہو، شجاعت و بہادری میں ایسا ہو کہ علی شیر خدا بھی یہ فرمائیں کہ جب جنگ شدت

اختیار کر جاتی تھی اور معرکہ کارزار گرم ہو جاتا تھا تو پھر رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر میدان کارزار میں کوئی ثابت قدم نہ ہوتا تھا، ہم سب ان کے اردگرد پناہ لینے کے لئے آجاتے تھے! اس کی جرأت کا یہ عالم ہو کہ حنین کے میدان میں دشمن کے نرغے میں بھی یہی اعلان کرے کہ انا النبی لا کذب! انا ابن عبدالمطلب! اور دشمن جب ننگی تلوار لے کر سر پر کھڑا ہو جائے اور کہے کہ محمد ﷺ! اب تجھے کون بچائے گا؟ تو وہ نیند سے بیدار ہو کر بھی اپنے عقیدہ توحید کا ڈنکا بجائے کہ "اللہ" اور یہ رعبدار آواز سن کر تلوار اس دشمن کے ہاتھ سے گر جائے اور وہ تھر تھر کانپنے لگے! یہ تو پھر در یتیم، جفاکش اور نڈر محمد ﷺ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا لال ہی ہو سکتا تھا!

شاید اس میں خدائے بزرگ و برتر کی مرضی اور منشا یہ ہو کہ امام الانبیاء خاتم المرسلین ﷺ کے علاوہ ان کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے ہاں کوئی اور بچہ یا بچی نہ ہوتا کہ وہ در یتیم فرد فرید یکتائے روزگار ہی اپنے والدین کے وجود پاک اور حیات مستعار کی اول و آخری غرض و غایت متصور ہوں، اس لئے دو مقدس روحوں (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا) کے طلاپ و ازدواج کا مقصد وحید حضرت محمد ﷺ کو منصہ شہود پر لانا ہو اور ان کی مادری و پدری جذبات کا مرکز حقیقی صرف رحمۃ للعالمین ہی ہوں تاکہ آپ ﷺ کے در یتیم ہونے اور یکتائے روزگار ہستی ہونے کی انفرادیت قائم رہے کوئی اور بہن بھائی نہ ہوتا کہ اسلامی اخوت و برادری کا پاکیزہ و روحانی رشتہ آپ ﷺ کی سنت سے زیادہ واضح، زیادہ مؤثر اور زیادہ پختگی کا آئینہ دار ہو سکے! سب اہل ایمان بلکہ سب اولاد آدم کو آپ ﷺ کے بھائی بہن ہونے کا رشتہ واضح طور پر سمجھ آسکے! ماں باپ اور دادا کے سہارے بچپن ہی میں ختم ہو گئے اور عہد شباب و کہولت میں چچا اور شریکہ حیات سچی غمخوار اور ہمدرد کے سہارے بھی ایک ایسے وقت میں ختم ہو گئے جب بلند مقاصد اور بڑے عزائم والے انسان کو ایسے سہاروں کی شدید ترین ضرورت ہوتی ہے شاید اس حکیم و خبیر جل جلالہ کی حکمت و تدبیر یہ ہو کہ موحد اعظم ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے حقیقی وارث کو صرف اور

صرف اللہ وحدہ لاشریک پر توکل واعتماد کی عملی تربیت میسر ہو، مومن موحد کو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کے علاوہ کسی سے نہ تو امید ہوتی ہے نہ پرواہ! وہ بے نیاز اپنے دوست بندوں کو صرف اپنا نیاز مند بنا کر خلق کی نیاز مندی سے آزاد کر دینا چاہتا ہے۔

قرآن کریم نے ملت اسلامیہ کو ملت ابراہیمی کہا ہے اور بقول شاہ ولی اللہ دہلوی (5):
یکے از مقاصد اسلام احیائے ملت ابراہیمی است، یعنی اسلام کے مقاصد میں سے ایک مقصد ملت ابراہیمی کا احیاء بھی ہے اور توحید چونکہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شناخت بھی ہے اور بندہ مومن کی کامیابی وکامرانی کی کنجی بھی یہی توحید ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا دیگر تمام سہاروں کو ختم کر دینے میں یہی حکمت وتدبیر ربانی کارفرما ہو سکتی ہے!

جیسے جیسے انسان کے قریبی سہارے چھنتے جاتے ہیں اسی قدر وہ وسیع تر عالم انسانیت کے رشتے کے قریب تر آتا جاتا ہے! جو اکیلا ہو وہ سب کو اپنا بنا سکتا ہے اور سب کے ساتھ اپنائیت کا رشتہ قائم کر سکتا ہے، اسلام چونکہ خود ایک طاقتور ربانی رشتہ ہے اس لئے اسے اور کسی رشتہ کی ضرورت ہی نہیں، اسلام کسی قوم، قبیلے، وطن یا علاقے سے وابستہ نہیں، اسلام اول وآخر غریب الوطن ہے، جس کا وطن تمام سرزمین بلکہ رب کریم کی وسیع کائنات ہے، ہجرت کا اصل فلسفہ بھی یہی ہے اور اس فرمان نبوی کا مقصد بھی یہی ہے (6) کہ بدأ الاسلام غریبا وسیعود غریبا فطوبی للغرباء " اسلام شروع ہوا تو غریب الوطن تھا، غریب الوطن ہی رہے گا، سو غریب الدیار بندوں کے لئے خوشخبری ہو! " در یتیم فرد فرید اور یکتائے روزگار ہستی کے تمام سہارے ختم کر کے بیکسوں، بےبسوں اور بے سہاروں کی مشکلات سے آگاہ ہونے کی عملی تربیت متصور ہو! واللہ اعلم وھو الموفق للصواب!

بہر حال کہنے کی بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کی ازدواجی زندگی بالکل مختصر تھی اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو اگرچہ اپنی ممتا کے اظہار کے لئے کافی موقع مل گیا مگر پھر بھی تھوڑا ہی تھا! تاہم تمام سہاروں کے ختم ہونے کے باوجود سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا لخت جگر در یتیم ایک بے مثال بچہ، ایک بے نظیر نوجوان اور ایک ایسا فرد

فرید انوکھا انسان کامل ﷺ نکلا جس کی تربیت اور نشوونما بلاشبہ رب حکیم و خبیر کی نظر کرم کا نتیجہ اور حکمت و تدبیر کا ثمر ہے۔ جس نے ایک منفرد کردار ادا کیا! ایک بے مثل انقلاب برپا کیا اور تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا دنیا گمراہی اور فساد کے مہیب غاروں میں گم ہو گئی ہوتی اگر وہ اسے راہ راست پر نہ لگاتا اور اگر اب بھی اس دنیا کی زندگی کچھ بھی باقی رہ گئی ہے تو اسے اسی اسوہ حسنہ کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا جو سورج سے زیادہ روشن اور فولادی بندھنوں سے زیادہ مضبوط ہے! یہ مضبوط راستہ ہے رحمۃ للعالمین ﷺ کا انسانی تاریخ کی خوش نصیب ترین ماں کے عظیم ترین بلکہ اعظم الاعاظم در یتیم و فرد و فرید کا اسوۂ حسنہ! اسی میں انسانیت کی نجات ہے! تاریخ کے اس سب سے بڑے اور اعظم الاعاظم رسول اعظم و آخر ﷺ کی والدہ ماجدہ بلاشبہ دنیائے انسانیت کی خوش نصیب ترین خاتون بھی ہیں اور عظیم ترین ماں بھی!!

دریتیم کی والدہ ماجدہ: بیمثال ممتا!

سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے وقت تین ظواہر انوکھے اور خصوصی توجہ کے متقضی ہیں، ان میں سے یہاں پہلا ظاہرہ (Phenomenan) یہ ہے کہ جس نوجوان کا بچپن میں باپ نے عبدالدار (حویلی کا خادم، گھر کا غلام) نام رکھا تھا، وہی نوجوان جب رضائے الٰہی کے لئے اور اپنے والد کی نذر پوری کرنے کی خاطر اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور گردن کٹوانے کے لئے جھک جاتا ہے تو اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی طرح اہل مکہ اور ننھیال کی خواہش پر لمبے چوڑے مشورے کے بعد سو اونٹوں کے فدیہ سے "ذبیح اللہ" قرار پا جاتا ہے اور پھر اس نوجوان کا وہی والد یہ اعلان کرتا ہے کہ آج سے یہ عبدالدار نہیں رہا بلکہ "عبداللہ رضی اللہ عنہ" (یعنی اللہ کا بندہ، اللہ کا غلام) ہوگا، لوگ اسماعیل (اسماعیل کے معنی بھی عبداللہ کے ہیں) ذبیح اللہ علیہ السلام کی طرح ایک عبداللہ ذبیح اللہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا کریں گے اور آنے والا نبی منتظر ﷺ اس پر خوشی اور تحدیث نعمت کے طور پر یہ کہا کرے گا انا ابن الذبیحین "میں اللہ کی راہ میں دو ذبح ہونے والوں کا فرزند ہوں"۔ اور شریعت اسلامی میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی نام عبداللہ پسندیدہ ترین نام قرار پا جائے گا! یہ اس لئے کہ نبی منتظر ﷺ اپنے رب کے ہاں اور دنیا کے بعد آخرت میں بھی "محمد بن عبداللہ" (سب سے زیادہ ستودہ ہستی جو اللہ جل شانہ کے بندے کا فرزند ارجمند ہے) کہلائے اور تاکہ اسے "عبدہ صرف اسی کا بندہ" کہلانے کا شرف بھی حاصل ہو سکے اور تہذیب حجازی کا نغمہ خواں اور "نسیم حجازی" کے لقب کا سزاوار محمد اقبال بھی یہ کہنے میں حق بجانب ہو کہ "عبد چیزے دیگر است عبدہ چیزے دیگر!" اور پھر اس عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی شادی بنو زہرہ کی عظیم ترین خاتون سے ہو سکے جس کے لئے ازل سے آمنہ رضی اللہ عنہا کا اسم پاک مقدر ہو چکا تھا یعنی امن و چین اور امانت و صداقت کا سرچشمہ آمنہ رضی اللہ عنہا! تاکہ رسول،

اعظم و آخر ﷺ "رحمۃ للعالمین" بن کر دنیا کو اسلام کا پیغام (یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے سرنگوں ہو جانے کا پیغام) دے تو (دین حق کا علمبردار بھی اسم بامسمّی تسلیم کیا جائے!!) کہ "یہی تو وہ رسول امی ﷺ ہے جس کا وہ ذکر اپنے صحیفوں میں لکھا پاتے ہیں، جو انہیں طیبات کا حکم دے گا، خبائث سے منع کرے گا، ان کا بوجھ ہلکا کرے گا اور ان کی بیڑیاں کھول دے گا(1)! تو یوں ہمارے نبی رحمت حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ ہیں اور وہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا لاڈلا یوں بھی ہے! سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنی رحمت بھری گود میں اپنی شفقت مادری سے ان کے قلب اطہر کو رحمت سے بھر کر رحمۃ للعالمینی کا تاج پہننے کے لئے تیار کر دیا ہے! سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا آپ کے مزار رحمت کے مقام پر تا قیامت اللہ کی رحمتیں برستی رہیں اور دنیا آپ کے لال کی رحمۃ للعالمینی سے تا قیامت بہرہ ور ہوتی رہے روز قیامت میدان حشر میں ان کی شفاعت سے بھی بہرہ ور ہو اور آپ کے مزار اقدس کی خاک کے صدقے ہم جیسے گناہ گاروں کا بھی بیڑا پار ہو جائے! ہماری بھی آخری امید "رحمۃ للعالمین" ہی ہیں، بقول اقبال (2):

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا رحمۃ للعالمینی انتہا!

دوسرا انوکھا اور قابل توجہ ظاہرہ یہ ہے کہ نبی رحمت، داعی اخوت و مساوات کے والد گرامی آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے اور پھر والدہ بھی رحمت و شفقت سے اپنے لخت جگر کے قلب اطہر کو لبریز کر کے چند سال بعد ہی اپنے معصوم و رعنا شوہر سے جا ملتی ہیں! کیوں؟! شاید اس لئے کہ ان عظیم والدین کے ہاں کوئی اور بچہ نہ ہو سکے! اگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بقید حیات رہتے تو ایسے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا تھا!! عرب میں (اور اسلام کی تعلیمات میں بھی) بیوہ کا عقد ثانی نہ صرف پسندیدہ و مستحسن ہے بلکہ عصمت و صیانت کے لئے ضروری بھی ہے! اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ لگتی ہے کہ سب خلق خدا نبی آخر الزمان ﷺ کے بھائی اور بہنیں شمار ہوں! اخوت و مساوات اسلامی کا دور دورہ ہو سکے! یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ فائقہ تھی کہ آپ ﷺ کی اولاد

نرینہ زندہ نہ رہ سکی تا کہ دختران نیک اختر کے واسطے سے صنف نازک کے لئے شفقت و رحمت اور محبت و احترام زبان نبوت سے دنیا میں عام ہو جائے اور عورت کے مرتبے اور مقام سے سب کو آگاہی کے احکام نبوی صادر ہو سکیں!

تیسرا ظاہرہ قابل توجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کے لئے کبھی کوئی دنیاوی سہارا اور پیوند و رشتہ زمین گوارا ہی نہیں کیا! جب ماں باپ کی ضرورت تھی تو وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، جب مکہ والوں کی عداوت توحید و مساوات نے شدت اختیار کی اور وہ اذیت رسانی سے آگے بڑھ کر دست درازی اور چیرہ دستی تک پہنچ گئے تو شیر دلیر چچا ابو طالب رضی اللہ عنہ اور غمگسار شریک حیات خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی نہ تھیں! اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ فائقہ ہمارے آقا ﷺ کے توحید پر ایمان کو پختہ تر کر کے فولادی قوت اور غالب و قاہر ارادے کا مالک بنانا چاہتی تھی! عقیدہ توحید پر پہلے دار ارقم میں پھر صفۂ مسجد نبوی ﷺ میں ایک جماعت کی تربیت ہوئی جس کا ہر فدائی اپنے کار خیر کا مرد میدان تھا! یہی قوت توحید تھی جس نے گوشت پوست کے انسانوں کو خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ پر پختہ اور غیر متزلزل ایمان سے نواز کر ایک ناقابل شکست قوت بنا دیا تھا یہی تربیت یافتہ جماعت ہی تو تھی جو نشہ درویشی میں دمادم کی تربیت پاتی رہی اور جب توحید پر ایمان سے غیر متزلزل فولادی قوت بن گئی تو پھر اس کی ٹھوکر سے دنیا کا رخ بدل گیا۔ شاعر اسلام علامہ محمد اقبال کی نصیحت بھی ہے اور حقیقت کی ترجمانی بھی کہ (3)

با نشہ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن!!

بہر حال دیکھنا یہ ہے کہ بنو زہرہ کی عظیم ترین خاتون بیوگی کے عالم میں دنیا کی شفیق ترین ماں کا کردار کس طرح ادا فرماتی ہیں؟ اس عظیم ترین خاتون اور خوش نصیب ترین ماں نے سب سے پہلے تو ایک مشفق و محب اور مہربان شوہر کی جدائی کا صدمہ پہاڑ جیسے حوصلے اور ہمت کے ساتھ برداشت کیا! بنو ہاشم کے جوان معصوم و رعنا تو کل تک اپنے حسن و

جمال، اخلاق و کمال اور حسب و نسب کے باعث قریش کی ہر دوشیزہ کا مرکز نگاہ اور رفیق حیات بننے کی آخری آرزو تھی وہ آج زیر خاک ہو کر ایک عظیم و حسین خاتون کو چند ماہ کی حاملہ چھوڑ گیا ہے اس پہاڑ جیسے صدمے اور بیوگی کی ہولناک تاریکی کے سامنے ڈٹ جانا بڑے جگرے کا کام ہے اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے یہ سب کچھ بڑے حوصلے اور ہمت کے ساتھ برداشت کر دکھایا تاکہ آنے والے معصوم نبی منتظر کے لئے شفقت و رحمت والی گود کسی نقص یا کمی کا شکار نہ ہونے پائے۔

سردار عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے خسر تھے بلکہ رشتہ میں بہنوئی بھی تھے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا نے اپنے فرزند ارجمند کے دادا کو اس کا والد اور حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ماں اور بہن سمجھ کر خدا کا شکر ادا کیا اور حوصلے، امید اور یقین کے ساتھ اپنے لخت جگر کے مستقبل کے لئے کمر بستہ ہو گئیں!! اگر انسان صبر کرنا چاہے تو اللہ کے ہاں اس کے لئے سہاروں کی کمی نہیں ہوتی! یہ سبق ہمیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی عملی زندگی سے ملتا ہے!

ولادت نبوی ﷺ کے وقت حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیت اللہ شریف کے طواف اور ذکر اللہ میں مشغول تھے، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خسر محترم اور رشتے کے بہنوئی کو خوشخبری کا پیغام بھجوایا تو وہ اپنے معصوم و محبوب اور مرحوم بیٹے کا عظیم وارث پیدا ہونے پر بے حد خوش ہوئے اور فوراً گھر آ گئے جب دروازے پر پہنچتے ہیں تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا خوشی مگر بے تکلفی کے انداز میں فرماتی ہیں:

> ”ابو الحارث! (یہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی کنیت تھی، عرب ہمیشہ اپنے بڑے بیٹے سے کنیت اختیار کرتے تھے اور کنیت سے بلانا بھی جہاں احترام کی دلیل ہے وہاں بے تکلفی پر بھی دلالت کرتا ہے!!) دیکھیے! آپ کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے جو بہت عجیب ہے!!“

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنی بہو اور سالی کی بات سن کر قدرے گھبرا سے گئے اور

کہنے لگے "کیا وہ مکمل انسان تو ہے نا؟!" سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے ان کی گھبراہٹ کو دور کرتے ہوئے فرمایا: ہاں بالکل مکمل انسان ہے مگر وہ اس حالت میں پیدا ہوا ہے کہ سجدے کی حالت میں تھا، پھر اس نے سر اوپر اٹھایا اور انگلیاں آسمان کی طرف اٹھائیں (4)!

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے پیارے بیٹے کی عظیم و جلیل نشانی کو بیت اللہ لے گئے اور انہیں اٹھائے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دعا فرمائی! وہ اپنے عظیم پوتے کے متعلق سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی زبانی ان خوارق و کرامات کو سن کر بے حد خوش ہوئے تھے، انہیں یہ یقین ہونے لگا تھا کہ جو کچھ اہل کتاب کے علماء سے سنا، جو کچھ قیافہ شناسوں نے بتایا اور بنو ہاشم و بنو زہرہ کے ملاپ سے جس عظیم بچے نے دنیا میں آنا تھا وہ آپ ﷺ ہی ہیں اس لئے ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے (5):

لیکونن لابنی هذا شأن "میرے اس بیٹے کی یقیناً نرالی شان ہوگی"

اور اس موقع پر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ (6):

الحمد لله الذی اعطانی هذا الغلام الطیب الاردان
قد ساد فی المهد علی الغلمان أعیذه بالله ذی الارکان!
حتی اراه بالغ البنیان أعیذه من شر ذی شنآن
من حاسد مضطرب العنان!

"(۱) اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر ہے جس نے مجھے یہ بچہ عطا فرمایا ہے جو پاکیزہ اعضاء و لباس والا ہے۔

(۲) وہ گہوارے میں بچوں کا سردار بن گیا ہے میں اسے اس خدا کی پناہ میں دیتا ہوں جو طاقت والا ہے۔

(۳) یہاں تک کہ میں اسے مضبوط بنیاد والا دیکھوں میں اس کے لئے ہر دشمن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں!

(۴) ہر مضطرب زبان والے حاسد سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں!"۔

اب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا دل سے یہ ارادہ کر چکی تھیں کہ وہ اس بڑی شان والے اور عظیم الشان مستقبل والے بیٹے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی پرورش و تربیت کے ساتھ ساتھ اسے حاسدوں اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیں گی، ولادت نبوی ﷺ کے بعد ان کی عملی زندگی اور مختلف مواقع پر ان کے ہر موقف سے یہی ثابت ہوتا ہے، بنو سعد جیسے عظیم الاخلاق قبیلے میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رضاعت و پرورش سے لے کر مکہ مکرمہ واپس بلائے جانے تک اور مکہ مکرمہ سے یثرب یا مدینہ کے اسفار پر لانے اور لے جانے سے لے کر ابواء کے مقام پر اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کرنے تک ان کے قول و فعل سے ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنے عظیم فرزند کو عظمت و عزت کی چوٹی پر دیکھنا چاہتی تھیں! سیدہ کی یہی آرزو تھی کہ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو قائدانہ کردار عطا ہو اور وہ انسانیت کی بھلائی کے لئے وہ عظیم کردار ادا فرمائیں جو حق تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر و مقدر فرما دیا ہے!

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو زہرہ سے ہیں، ان کی والدہ محترمہ کا نام ''الشفاء'' تھا، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آیا یہی تھیں، ولادت کے وقت کی بہت سی باتیں انہوں نے اپنے عملی مشاہدہ کے بعد بیان فرمائیں، آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا، شیر خدا و رسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہالہ حضور ﷺ کے رشتے کی خالہ تھیں، سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایک ہی بھائی عبد یغوث بن وہب کا ذکر ملتا ہے جو نبی پاک ﷺ کے حقیقی ماموں ہوئے، حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا ابولہب کی لونڈی تھیں، انہوں نے بھی حضور ﷺ کو دودھ پلایا اور ابولہب کو خوشخبری بھی سنائی تو اس نے خوش ہو کر انہیں آزاد کر دیا تھا، حضرت ام ایمن آپ ﷺ کے والد کی لونڈی تھیں جو آپ ﷺ کو ورثہ میں ملی تھیں، انہوں نے بھی رضاعی ماں ہونے کا شرف پایا، لیکن رضاعت کا اصل فریضہ آپ ﷺ کی عظیم رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے انجام دیا، کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی بنو سعد ہی میں رضاعت اور پرورش کے مراحل طے کیے

تھے اور بنو سعد کی جو خاتون حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلاتی تھیں انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو بھی دودھ پلایا تھا(7)، جب آپ ﷺ اپنی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے!

بنو سعد کی خواتین مکہ مکرمہ آتی تھیں اور قریش کے بچے پالنے کے لئے لے جاتی تھیں، حضور ﷺ کو یتیم جان کر کسی کی رغبت نہ ہوئی، مائی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے جب رسول اکرم ﷺ کو دیکھا تو خیال آیا کہ جب آپ ﷺ یتیم ہیں اور مالدار بھی نہیں تو بیوہ ماں کیا کر سکے گی؟! حلیمہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ اس یتیم بچے کے سوا اور کوئی بچہ رضاعت کے لئے دستیاب نہیں، شوہر نے کہا: یہی بچہ لے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسی میں ہمارے لئے خیر و برکت کا سامان فرمادے گا، چنانچہ خود حلیمہ سعدیہ سید ولد آدم کی والدہ ماجدہ کے پاس آئیں، بچہ لے لیا اور اسے اپنی گود میں رکھ لیا، لیکن اب پہلا حیران کن منظر سامنے آتا ہے، حلیمہ پہلے اپنی چھاتی میں دودھ کی کمی محسوس کرتی تھیں، مگر یہ دودھ کہاں سے امڈ آیا، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے پہلی بار اپنی رضاعی ماں کا دودھ سیر ہو کر پیا مگر صرف ایک طرف کا! حلیمہ نے دوسری طرف کا دودھ آگے کیا تو بچے نے منہ پھیر لیا: کیوں! رضاعی بھائی بھی تو ہے! یہ اس کا حق ہے! رضاعی بھائی نے بھی پہلی بار سیر ہو کر اپنی ماں کا دودھ پیا حالانکہ پہلے اکثر دودھ کی کمی کی وجہ سے وہ بھوکا رہ جاتا تھا اور سو نہیں سکتا تھا! حلیمہ حیرت میں ڈوبی پہلی برکت پر گہری سوچ میں تھیں، سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی آواز پر چونک پڑتی ہیں (8):

"سنو بہن! اپنے اس بیٹے کے بارے میں کچھ پوچھ تو لو" سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی آواز تھی! کیونکہ یہ میرا لخت جگر کوئی معمولی بچہ نہیں ہے! مستقبل میں یہ بڑی شان والا ہوگا!!"

پھر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا حلیمہ سعدیہ کو وہ سب کچھ بتانے لگیں جو انہوں نے ولادت کے وقت سے اب تک دیکھا تھا یا ان سے کہا گیا تھا، پھر فرمانے لگیں، تین راتوں سے مجھے کوئی بار بار یہ کہہ جا رہا تھا کہ اپنے بیٹے کو رضاعت کے لئے بنو سعد بن بکر میں بھیج دیجئے بلکہ بنو سعد کے بھی ابو ذویب کے گھرانے میں بھیجئے! حلیمہ سعدیہ بولیں: ہاں بہن! یہ بچہ جو

میری گود میں ہے اس کے والد ہی تو ابوذویب ہیں! یہ میرے شوہر ہی کا نام ہے! حلیمہ کی خوشی کی تو کوئی انتہا نہ رہی! سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی باتوں سے بے حد خوش ہوئیں!

پھر بچے کو لے کر دونوں میاں بیوی اور دو بچوں پر مشتمل یہ قافلہ چل پڑتا ہے، گدھی پر نمدا ڈال دیا گیا، حلیمہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ اس پر سوار ہو جاتی ہیں، حلیمہ کے شوہر حارث ابوذ ویب بھی اپنی بوڑھی لاغر اونٹنی پر سوار ہو جاتے ہیں، وادی سر رسامنے تھی، آتے ہوئے بنو سعد کی خواتین کا قافلہ آگے آگے تھا مگر اب حلیمہ کا قافلہ ان سے آگے آگے ہے! حیران ہو کر پوچھتی ہیں: حلیمہ ہم یہ کیا دیکھ رہی ہیں سیدھی سادی حلیمہ کہنے لگتی ہیں: مجھے تو بخدا بہت اچھا اور بابرکت بچہ ملا ہے! خواتین پوچھنے لگیں: تو کیا یہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا پوتا ہے؟ حلیمہ نے کہا: بالکل وہی ہے!! مگر حلیمہ نے یہ محسوس کیا کہ بعض خواتین حسد سے جلنے لگی ہیں (9)!!

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اپنے لخت جگر کے چھوٹے سے قافلے کو رخصت کرنے کے بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی ممتا کا دل گھبرا گیا مگر صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنے فرزند جلیل کے لئے سراپا دعا و التجا بن جاتی ہیں اور یہ دعائیں اور التجائیں لفظوں میں ڈھلنے لگتی ہیں (10):

أعيذه بالله ذی الجلال من شر ما مر علی الجبال
حتی اراه حامل الحلال ويفعل العرف الی الموالی
وغيرهم من حشوة الرجال!

"(۱) میں اپنے بیٹے کو اللہ ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں، کہ وہ اسے اس شر سے محفوظ رکھے جو پہاڑوں سے بھی اونچا ہے۔

(۲) اللہ کرے میں اپنے لخت جگر کو اس حال میں دیکھ سکوں کہ خوبصورت حلہ زیب تن کیے ہوئے ہو۔

(۳) اور غلاموں کے علاوہ دوسرے زیردست لوگوں سے بھی نیکی کرتا رہے!"۔

یہ رجزیہ کلام ہے، اس کی سب سے بڑی خوبی اس کی سادگی اور خلوص ہے! مگر اس سے بھی بڑھ کر یہ دعا اور تمنا ہے جو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے دل سے نکل رہی ہے! یہ ماں کی آرزو تھی کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوہ و دشت کے شرور سے محفوظ رہیں، جوان ہو کر خوبصورت لباس میں ہوں اور غلاموں کے مولی، یتیموں کے والی، غریبوں کے سرپرست اور ضعیفوں کے ماوی و ملجا بن جائیں مگر اس رجزیہ کلام میں آپ یہ دیکھ سکتے ہیں کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نہ صرف یہ کہ اپنے محبوب شوہر بنو ہاشم کے جوان معصوم و رعنا عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی جدائی کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کر رہی ہیں بلکہ انہیں یہ بھی یقین ہے کہ وہ بہت جلد اپنے رفیق حیات سے جا ملیں گی! اسی لئے اپنے لخت جگر کو جلد سے جلد بڑا ہوتا دیکھنا چاہتی ہیں، وہ اپنے پیارے محمد ﷺ کو اپنی تمام شفقتیں اور رحمتیں دینا چاہتی ہیں تا کہ رحمۃ للعالمین ﷺ انہیں خلق خدا میں بانٹ سکیں!

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بھی اللہ کی عجیب بندی تھیں! سرور کائنات ﷺ اور آمنہ رضی اللہ عنہا کے فرزند جلیل ﷺ کے لئے بے حد فکر مند ہو جاتی تھیں! مکہ مکرمہ سے جب سعادت دارین لے کر چلی تھیں تو انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بچے کی ماں آمنہ رضی اللہ عنہا نے جو کچھ اس کے متعلق فرمایا ہے وہ صدق و امانت سے ہی کہا ہے! یہ بچہ تو واقعی کوئی غیر معمولی ہستی ہو گی! چنانچہ ایک طرف بچے کی پرورش اور نگہداشت دل و جان سے کرنے لگی تھیں اور دوسری طرف بہن آمنہ رضی اللہ عنہا کا بھی بہت خیال آتا تھا! یہ ''ظئریت'' (ظئریت دو عورتوں اور دو مردوں کا وہ باہمی رشتہ ہے جو رضاعت سے پیدا ہوتا ہے، حضرت حلیمہ حضور ﷺ کی تو رضاعی ماں تھیں مگر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ کی ظئر تھیں! یہ رشتہ شاید ہم نہ سمجھ سکیں کہ ہمارے ہاں یہ کبھی رائج نہیں رہا مگر دو عورتیں جو باہم سوتنیں ہوتی ہیں وہ جس قدر ایک دوسرے سے عداوت رکھتی ہیں، ایک دوسرے سے جلتی ہیں اس کے بالکل برعکس جو دو عورتیں آپس میں ظئر ہوتی ہیں ان میں باہم اتنا ہی پیار اور خلوص ہوتا ہے! کیوں نہ ہو آخر ایک اپنا لخت جگر دوسری کے سپرد کرتی ہے اور اسے معقول معاوضہ بھی ادا

کرنا ہوتا ہے جب کہ دوسری اپنے جسم کا حصہ اپنا دودھ پلاتی ہے جو اس کے اپنے بچے کا حق ہوتا ہے مگر پھر بھی رشتہ پاکیزہ ہے!!) بھی عجیب رشتہ ہے کم از کم ان دو عظیم خواتین (حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا) کے رویے اور باہمی اعتماد اور حسن سلوک سے تو یہی ثابت ہوتا ہے!!

مصطفیٰ ﷺ جب دو برس کے ہو گئے اور دودھ چھڑا دیا گیا تو یوں لگتا تھا جیسے آپ ﷺ چار سال کے ہوں (11): اس پر حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی! وہ جلد سے جلد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو ان کے لخت جگر سے ملانا چاہتی تھیں، اس میں ماں بیٹے کی اس ملاقات سے جو خوشی ہونا تھی اس کے لئے تو ہمارے پاس پیمانہ نہیں! اس کا کوئی پیمانہ اللہ تعالیٰ نے بھی نہیں بنایا! شاید بنانا مناسب ہی نہ تھا! اسی لئے تو اپنے نیک بندوں سے اپنی محبت کا اندازہ بتانا چاہا تو فرمایا جتنا پیار ایک ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے مجھے اپنے نیک بندوں سے بھی ایسا ہی پیار ہوتا ہے! لہٰذا ان ماں بیٹے کو اپنے سینے سے لگانے میں جو خوشی ہوئی ہو گی اس کا نہ ہم کوئی اندازہ لگا سکتے ہیں اور نہ اسے لفظوں میں بیان کرنے کی سکت ہے!

ہاں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بہت خوش تھیں کہ وہ خود آمنہ رضی اللہ عنہا سے ملیں گی اور بیٹے کو ماں سے ملائیں گی! دونوں کے جگر کی ٹھنڈک سے حلیمہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے جگر میں ٹھنڈک پائیں گی اور خوش ہوں گی، اللہ تعالیٰ کی کائنات کو بھی یہ اندازہ ہو گا کہ ماں بیٹے کا رشتہ کیا ہوتا ہے اور بچھڑی ماں جب اپنے لخت جگر کو سینے سے لگاتی ہے تو ٹھنڈک کی مقدار ہی نہیں اس ٹھنڈک کا معیار کیا ہوتا ہے؟ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا خوشی خوشی مکہ مکرمہ آئیں! بیٹے کو ماں سے ملایا، اپنی طرح (مہربان بہن) آمنہ رضی اللہ عنہا سے ملیں، بچے کے احوال سے آگاہ کیا اور اس کی برکات کا ذکر کیا مگر کیا دیکھتی ہیں کہ آمنہ رضی اللہ عنہا التجائیں کر رہی ہیں کہ حلیمہ میرے بچے کو واپس لے جا! سنا نہیں تو نے مکہ میں ایک وبا پھیلی ہوئی ہے! مجھے ڈر ہے کہ میرا لخت جگر کہیں بیمار نہ ہو جائے! اللہ کی قسم! میرے لخت جگر کو ایک شان عطا

ہونے والی ہے! آپ کو تو بہن بتا چکی ہوں!

چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بچے کو لے کر فوراً واپس چلی جاتی ہیں! کتنی ہمدردی ہے آمنہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لخت جگر کے شاندار مستقبل سے! کس قدر یقین ہے بلکہ پختہ ایمان ہے کہ اللہ کے صحائف میں جو آیا ہے وہ سچ ہے! لوگ جو بتاتے ہیں درست ہے! میرا بیٹا انسانیت کا قائد اور رہنما ہوگا!!

دو سال اور بیت جاتے ہیں! حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ چار سال کے ہو جاتے ہیں! اپنی رضاعی بہن کے ساتھ قریب ہی کے علاقے میں مویشی چرا رہے ہیں! شق صدر کا واقعہ پیش آتا ہے آپ ﷺ کا رضاعی بھائی دوڑا دوڑا جاتا ہے اور بتاتا ہے کہ دو آدمی آئے ہیں، ہمارے قریشی بھائی کا سینہ چاک کر دیا ہے آپ ذرا جلدی چلیے، حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر حارث ابوذویب دوڑتے دوڑتے آتے ہیں، مگر آمنہ رضی اللہ عنہا کا لال تو مسکرا رہا ہے البتہ سینہ پر چرنے کا نشان ہے! کوئی درد نہیں، کوئی تکلیف نہیں تو پھر کچھ نہیں مگر حلیمہ فکرمند ہو جاتی ہیں! آمنہ رضی اللہ عنہا کی باتیں یاد آتی ہیں، وہ یہودی یاد آتے ہیں جو مکہ سے پہلی مرتبہ آتے ہوئے ملے تھے! حلیمہ نے یونہی کہہ دیا تھا کہ میرا بچہ ہے جس میں یہ نشانات اور علامات ہیں! اے یہودیو! بتاؤ تو سہی تم کیا کہتے ہو؟ اور انہوں نے کہا تھا کہ ہم اسے مار ڈالیں گے! کیا یہ یتیم ہے؟ تو حلیمہ نے کہا تھا کہ نہیں میرا تو یہ شوہر حارث میرے ساتھ ہے! تب یہودیوں نے کہا تھا کہ مائی پھر تیرے اس بچے کے پاس بھی کچھ نہیں! آنے والا تو یتیم ہوگا (12)!

حلیمہ فوراً بچے کو آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے آئیں اور بتایا کہ یہ واقعہ ہے! ہم اسے انتہائی مجبوری میں واپس لائے ہیں مگر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں! بہن گھبراؤ نہیں! ایسی باتیں تو ہوں گی مگر میرے لخت جگر کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے اور حلیمہ اب تیسری بار پھر محمد ﷺ کو مکہ سے بنو سعد لیے جا رہی ہیں (13):

یوں آمنہ رضی اللہ عنہا کا لال مزید ایک سال کے لئے بنو سعد بن بکر کے رضاعی فرزند

کی حیثیت سے اپنی برکات اور خوارق و کرامات سے انہیں معمور کرتا رہا، حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے یہ طے کیا تھا کہ اب وہ اپنے رضاعی بیٹے کو کہیں دور نہیں جانے دیں گی اور سب کو ان کا خاص خیال رکھنے کی تائید کی تھی، پھر ایک دن کیا دیکھتی ہیں کہ ایک بادل آپ ﷺ پر سایہ کیے ہوئے ہے، جب آپ ﷺ رک جاتے تو بادل بھی رک جاتا اور جب آپ ﷺ چلنے لگتے تو بادل بھی چلنے لگتا! رسول اکرم ﷺ کے اس منظر سے بھی حلیمہ فکر مند ہو گئیں چنانچہ فیصلہ کیا کہ اب یہ امانت آمنہ رضی اللہ عنہا کو لوٹا ہی دی جائے اور یوں ایک سال بعد ہی اپنے رضاعی بیٹے کو لے کر مکہ مکرمہ آ گئیں جب کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک ابھی پانچ سال کی تھی۔

شاید یہ قدرت کا نظام تھا کہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے لختِ جگر کو اپنی محبت اور شفقت کی جو دولت بخشنا چاہتی ہیں اور جو دعائیں دینا چاہتی ہیں دے لیں مگر ایک دیہاتی خاتون شہر مکہ میں آئیں تو بھیڑ میں اپنا رضاعی بیٹا گم کر بیٹھیں بہت ڈھونڈا مگر دولت گم گشتہ دستیاب نہ ہو سکی، فوراً حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا، سردار عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بھی بہت تلاش کروایا مگر آپ ﷺ نہ ملے تو عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو گئے اور یوں آہ و زاری کرتے ہوئے گویا ہوئے (14):

لاھم أد راکبی محمداً أدہ واصطنع عندی یداً
أنت الذی جعلت لی عضداً لا یبعد الدھر بہ فیبعدا
انت الذی سمیتہ محمدا

(۱) اے اللہ! میرے شہسوار محمد ﷺ کو واپس لے آ! انہیں مجھ تک پہنچا دیجئے اور مجھ پر احسان کیجئے۔

(۲) تو ہی تو ہے یا رب! جس نے ان کو میرا دست و بازو بنایا! زمانہ انہیں دور نہ لے جا سکے کہ وہ مجھ سے جدا ہی ہو جائیں!

(۴) مولی! تیرے ہی حکم سے میں نے ان کا نام محمد ﷺ رکھا!!

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیت اللہ شریف میں یونہی دعائیں مانگ رہے تھے کہ ایک آواز سنائی دی کہ پریشان مت ہو! محمد ﷺ کا رب حی و قیوم موجود ہے وہی ان کی حفاظت کرے گا وہ نہ انہیں رسوا ہونے دے گا اور نہ ضائع ہونے دے گا، وہ تو وادی تہامہ میں ایک درخت کے نیچے کھڑے ہیں (15)۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ یہ سن کر فوراً اونٹ پر سوار ہو گئے اور چل پڑے، ورقہ بن نوفل بھی ان کے ساتھ ہو گئے، وہ جب وہاں پہنچے تو آنحضرت ﷺ ایک درخت کے نیچے کھڑے تھے۔

چونکہ قدرت خداوندی سے آپ ﷺ کی نشوونما بہت تیزی سے ہوئی تھی جیسا کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس لئے دادا پوتے کو پہچان نہ سکے اور پوچھا کہ لڑکے تم کون ہو؟ اس پر آپ ﷺ نے جواب دیا "میں تو محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہوں" حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے انتہائی جذبات میں خوشی سے کہا: تم پر میری جان قربان ہو! میں ہی تمہارا دادا عبدالمطلب ہوں! حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے پوتے کو ساتھ سوار کر لیا اور گھر آ گئے، مکہ میں آ کر انہوں نے کئی ایک گائیں اور بکریاں ذبح کیں اور اہل مکہ کی پر تکلف دعوت کی! سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو جب حلیمہ رضی اللہ عنہا کی آمد اور اس واقعہ کی تفاصیل معلوم ہوئیں تو وہ فرمانے لگیں: "دایہ! تم از خود بچے کو واپس کیوں لے آئی ہو! حالانکہ تم تو اس کو مزید عرصہ کے لئے اپنے پاس رکھنے کی خواہش مند تھیں" اس پر حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب دیا کہ اب یہ بڑے ہو گئے ہیں اور بخدا میں اپنی ذمہ داری پوری کر چکی ہوں، مجھے تو ہر وقت ڈر رہتا ہے کہ کہیں ان کو کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے اب میں آپ کی خواہش کے مطابق یہ امانت آپ کے سپرد کرتی ہوں!!

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو اس پر حیرت ہوئی اور پوچھا کہ اصل بات کیا ہے؟ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے مجبور ہو کر سارے واقعات کہہ سنائے اور یہ بھی اعتراف کیا کہ وہ آپ

ﷺ کے حوالے سے شیطان سے خوفزدہ تھیں، اس پر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے جو جواب دیا وہ اپنے لخت جگر کے عظیم مستقبل اور انسانی قیادت اور خدمت پر ان کے ایمان کی دلیل ہے، انہوں نے فرمایا(16)! ''واللہ! یہ ہر گز نہیں ہو سکتا! شیطان تو ان کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا! میرے لخت جگر کی تو شان ہی نرالی ہو گی!!'' پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو وہ ساری باتیں دوبارہ کہہ سنائیں جو وہ بیٹے کے بچپن، حمل، ولادت اور رضاعت کے متعلق حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو پہلے ہی بتا چکی تھیں!!

رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے موقف سے تین باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ نبی منتظر کے حوالے سے انہوں نے جو کچھ اہل کتاب سے سنا اور جانا تھا یا قیافہ شناسوں اور مستقبل کا حال بتانے والوں سے سنا تھا وہ سچ ثابت ہوتا ہوا دکھائی دیا اور یہودی و مسیحی علماء کی باتوں پر یقین کے علاوہ حضرت محمد ﷺ کے نور نبوت، حمل و ولادت کے وقت خوارق و کرامات سے بھی یہ یقین ہو گیا تھا کہ بنو ہاشم بنو زہرہ دونوں قبائل کے اس نور نظر کو اللہ تعالیٰ کسی منصب سے نوازنے والے ہیں، دوسرے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہودی اور شیاطین باوجود شدید عداوت اور حسد کے آپ ﷺ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے!

تیسرے یہ کہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ایسی شخصیات تھیں جو نبوت محمد ﷺ پر قبل از بعثت اور اعلان نبوت پیشگی ایمان لا چکی تھیں! اگر وہ اعلان نبوت کے وقت زندہ ہوتیں تو بلا چون و چرا اپنے ایمان کا اعلان کر دیتیں! یوں لگتا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو جیسے اپنے مختصر سے ایام زندگی کا اندازہ ہو گیا تھا، نیک روحوں کا اپنے رب سے قریبی رابطہ ہوتا ہے اور انہیں آنے والے وقت کا پیشگی احساس ہی نہیں بلکہ یقین بھی ہو جاتا ہے، چنانچہ بنو سعد سے اپنے لخت جگر کی واپسی کے بعد عملی زندگی کی بقیہ منازل و مراحل سے وہ انہیں اپنی زندگی میں ہی باخبر کرنا چاہتی تھیں، سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کو قبل از وقت ان کا دار الہجرت دکھانے کے ساتھ ساتھ حضرت عبداللہ کی قبر کی بھی

زیارت کرانے اور وہاں پر موجود بنو ہاشم کے رشتے ناطے سے آگاہ کرنا چاہتی تھیں، لیکن سب سے بڑھ کر اور سرفہرست یہ کہ وہ جگہ اور وہ لوگ خود بھی دیکھنا چاہتی تھیں جہاں ان کے جواں مرگ معصوم شوہر نے آخری وقت گزارا اور وفات کے بعد دفن ہوئے تھے اور ساتھ ہی اپنے پیارے بیٹے کو بھی یہ سب کچھ دکھانا چاہتی تھیں، اس لئے یثرب کے سفر پر روانہ ہوئیں جو ان کے عظیم و جلیل فرزند کے نام سے مدینۃ النبی ﷺ یا مدینہ منورہ بننے والا تھا!

ہمارے سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی "ایک مشترکہ خوبی" یہ رہی ہے کہ مکھی پر مکھی مارنا اور لکیر کی فقیری کو اپنانا ان پر ختم ہے! حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شام کے تجارتی سفر سے واپسی پر بیماری کی وجہ سے یثرب میں رک گئے تھے اور فوت ہو کر وہیں دفن ہوئے تھے، بعد میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے عظیم و جلیل فرزند کے ساتھ اس آخری سفر یثرب کے لئے وہاں گئیں اور کچھ دن قیام فرمایا، ہمارے تمام قدیم اور بعض نئے سیرت نگار اور تذکرہ نویس آنکھیں بند کر کے یہی لکھتے چلے گئے ہیں کہ "حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے ننھیال کے ہاں یثرب میں رک گئے تھے" اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے اس سفر کے متعلق بھی یہی فرماتے چلے گئے ہیں کہ "آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے لخت جگر کو ان کے ننھیال سے ملوانے یثرب لے گئی تھیں!" مگر جیسا کہ ذکر ہوا یثرب میں نہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ننھیال تھے اور نہ حضور ﷺ کے! بلکہ یثرب میں تو صرف عمرو العلا ہاشم کے بیٹے شیبۃ الحمد یا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ننھیال تھے! حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ننھیال تو بنو یقظہ بن مرہ تھے جو قریش مکہ ہی کی ایک شاخ تھی! مگر ہمارے سیرت نگار اور تذکرہ نویس بنو عدی بن نجار کو دونوں باپ بیٹے (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند حضرت محمد ﷺ) کے ننھیال بھی لکھتے چلے گئے ہیں! حالانکہ یہ بنو عدی بن نجار تو حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ ماجدہ سلمیٰ بنت عمرو بن زید کے میکے والے ہیں!

ہو سکتا ہے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی یہ عظیم ماں کافی عرصہ زندہ رہی ہوں اور بیٹے شیبۃ الحمد کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی دادی سے اور پوتے محمد ﷺ اپنے والد کی قبر

کی زیارت کے علاوہ اپنی پڑدادی سے بھی ملنے گئے ہوں اور یار لوگوں نے اسے ننھیال سے میل ملاقات بنا دیا ہو، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بنو عدی بن نجار کے لوگ بڑے سخی دل اور مہمان نواز تھے اس لئے اپنے نواسے عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد کو بھی اپنے نواسے ہی تصور کرتے ہوں! علامہ شبلی غالباً جدید دور کے پہلے سیرت نگار ہیں جو اس غلطی سے آگاہ ہوئے اور ساتھ ہی یہ امکان بھی مانا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی قبر دیکھنے آئی اور بیٹے کو بھی دکھانے لائی ہوں جو "نابغہ کی حویلی" (دار النابغہ) میں مدفون تھے۔ قرین قیاس یہ بھی ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنی بہو اور پوتے کو دادی سلمی یعنی اپنی والدہ سے ملنے کے لئے ساتھ لائی ہوں تا کہ وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قبر بھی دیکھ لیں اور پڑدادی سے بھی مل لیں لیکن ایک بات واضح ہے کہ یثرب یا مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ننھیال تھے نہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بلکہ ننھیال تھے تو صرف حضرت شیبۃ الحمد یعنی عبدالمطلب بن ہاشم کے تھے جہاں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے دو سوتیلے بھائی بھی مقیم تھے جو سلمی کے پہلے خاوند کی اولاد تھے (17)!

ابن سعد کے بیان کے مطابق جب رسول اکرم ﷺ کی عمر چھ سال ہوئی تو والدہ ماجدہ آپ ﷺ کو مدینہ منورہ لے گئیں جہاں آپ ﷺ بنو عدی بن نجار کے ہاں مہمان ٹھہرے اس سفر میں جیسا کہ آگے آتا ہے حضرت عبدالمطلب اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں، قیام کی مدت ایک ماہ بیان ہوئی ہے (18)۔

ہجرت کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اپنے صحابہ کرام کو وہ جگہیں دکھاتے تھے اور بتاتے تھے جہاں جہاں آپ کا گزر ہوا یا قیام رہا تھا، انصار کی ایک انیسہ نامی بچی پاس والے ٹیلے پر آپ ﷺ کے ساتھ کھیلا کرتی تھی، آپ ﷺ کو وہ تالاب بھی یاد تھا جس میں وہ تیرتے تھے اور پرندوں سے کھیلتے تھے۔

روایت ہے کہ یہود مدینہ کو یہ علم ہو گیا کہ بنو عدی بن نجار کے ہاں مہمان بن کر آنے والا بچہ نبی منتظر ہو گا اور یہ شہر مدینہ آپ ﷺ کا دار الہجرت ہو گا! حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا

کو ان باتوں کا علم ہوا تو انہوں نے حضور ﷺ کو وہاں سے جلد سے جلد نکال لانے کا فیصلہ کیا کہ مبادا یہودی آپ ﷺ کو کوئی گزند پہنچانے کی کوشش کریں چنانچہ یہ قافلہ مکہ کے لئے روانہ ہو گیا، تاہم یہ بات قیاس میں نہیں آتی کہ یہ قافلہ صرف دو اونٹوں پر سفر کر رہا تھا اور یہ کہ اس میں ماں بیٹے کے ساتھ صرف حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہی تھیں! یہ یقین نہیں آتا کہ سردار عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوہ بہو اپنے اکلوتے در یتیم کے ساتھ صرف دو اونٹوں پر بغیر محافظوں کے سفر کر رہی ہوں!

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستے پر ایک مقام ہے جسے ''ابوا'' کہتے ہیں اور جو مدینہ منورہ کے زیادہ قریب ہے، یہاں پہنچ کر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سخت بیمار پڑ گئیں ابواء بوء کی جمع ہے جس کے معنی ہیں جمع ہونا، اکٹھا ہونا، یہاں کئی اطراف کا بارشی پانی اکٹھا ہو جاتا ہے، اس لئے یہ نام پڑا، جب بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو سیدہ نے اپنے لخت جگر کو آخری نصیحتیں فرمائیں اور دعائیں دینے لگیں، رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک اس وقت چھ سال ہوگی، اپنے اکلوتے اور پیارے بیٹے کے رخ مبارک کو غور سے دیکھتے ہوئے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا (19):

بارک فیک اللہ من غلام

بچے! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے! اے وہ جو موت کا شکار ہونے والے کا یتیم بیٹا ہے!

آخری وقت میں نزع کے عالم میں بڑے بڑے لوگ درد جانکنی کے باعث سب کچھ بھول جاتے ہیں مگر قربان جایئے اسلام کی اس عظیم القدر خاتون کے اپنی تمام قرشیت کی فصاحت اور کمال ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے قدرت ربانی کے ایک ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ذمہ داری کو پوری طرح نبھایا۔ کیوں نہ ہوتا آخر محمد ﷺ جیسے تاریخ انسانی کے متفق علیہ بطل اعظم و اجل کی ماں ہیں! خواتین اسلام نے اسی طرح اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا اور اپنی عظمت کا ثبوت دیا ہے! پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تو رسول اعظم و آخر ﷺ کی والدہ ماجدہ ہیں! ان کی عظمت، ان کے حوصلے اور ان

کے احساس ذمہ داری کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے!!؟

بات قدرے لمبی تو ہو رہی ہے مگر معاملہ چونکہ قلب و روح مصطفیٰ ﷺ کی راحت و آرام اور سرور و سکون کا ہے۔ والدین کریمین رضی اللہ عنہما کی شخصیت و سیرت کے ساتھ ساتھ بعد از وفات انہیں تکلیف پہچانے اور روح مصطفیٰ ﷺ کو اذیت پہنچانے کے عظیم گناہ سے بچنے کا ہے، مگر سب سے بڑھ کر راقم کی عقیدت، ایمان اور حب مصطفیٰ ﷺ کا ہے اس لئے اس مختصر باب کو بھی اور مختصر کرتے ہوئے علامہ احمد قسطلانی صاحب ''المواهب اللدنية بالمنح المحمدية'' کے ایک محاکمہ پر بات کو ختم کرتے ہیں جو انہوں نے یہ لکھنے کے بعد، کہ اہل فترت پر جب تک کوئی حجت قائم نہ ہو یعنی انہیں رسول ﷺ کی دعوت نہ پہنچے اس وقت تک ان کو ناجی اور مغفور تصور کیا جائے، یوں پیش فرمایا ہے کہ(20):

''آپ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کی نجات کے بارے میں دونوں طرف کے جو دلائل میسر آئے انہیں ہم نے پیش کر دیا ہے حالانکہ بہتر یہی تھا کہ ہم اس مسئلے میں نہ پڑتے مگر معاصر علماء کے ہاں چونکہ اس کی بحث چھڑی ہوئی ہے اس لئے یہی وجہ ہمیں اس بحث کے لئے کھینچ لائی!'' حافظ شمس الدین دمشقی نے کیا خوب کہا ہے:

حبا الله النبي مزيد فضل على فضل و كان به رؤوفا

فأحيا أمه وكذا أباه لايمان به فضلا لطيفا

مسلم، فالقديم بذا قدير وما كان الحديث به ضعيفا!

''یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے لئے اپنے فضل پر مزید فضل فرمایا کہ وہ آپ ﷺ پر بہت مہربان ہے، چنانچہ اس نے آپ ﷺ کے والدین کو دوبارہ زندگی بخشی اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے، یہ ایک خاص فضل ربانی ہے، تم اسے مان لو کیونکہ خدائے لم یزل اس بات پر قادر ہے خواہ اس سلسلے کی حدیث ضعیف ہی ہے!''

سو اب والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے متعلق ایسی بات سوچنے سے بھی بچو جس میں

نقص یا عیب نکلتا ہو، کیونکہ یہ بات نبی اکرم ﷺ کے لئے باعث ایذاء ہے، آج بھی عرف عام یہی ہے کہ اگر کسی کے والدین کی ایسی بات یا صفت کا ذکر ہو جو نقص یا عیب کو ثابت کرتی ہو تو اسے یہ سن کر اذیت محسوس ہوتی ہے، نبی علیہ السلام نے خود بھی یہ فرمایا ہے کہ (21)

''لا توذوا الاحیاء بالاموات ''یعنی مرنے والوں کے ذکر سے زندوں کو اذیت مت دیا کرو' اسے طبرانی نے (اور ترمذی واحمد نے بھی) روایت کیا ہے، بلاشبہ نبی ﷺ کو اذیت پہنچانا کفر ہے اور ایسا کرنے والے کی سزا قتل ہے اگر وہ توبہ نہ کرے!!

تمہ باب صرف یہ بات ہے کہ ان تمام دلائل سے مصطفیٰ ﷺ کے لئے دل آزاری اور اذیت کا باعث بننا، والدین کریمین رضی اللہ عنہما کا تمام کبائر وصغائر بلکہ لغزشوں سے بھی پاک ہوتے ہوئے فترت پر یا حنیفیت پر ہونا، شرک و بت پرستی سے اجتناب کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین توحید پر ہونا اور سب سے بڑھ کر نبوت محمدی ﷺ پر قبل از اعلان پیشگی ایمان لاکر اسلام سے مشرف ہونا ایسے دلائل ہیں جو قلب سلیم کے لئے باعث اطمینان وتسلی ہیں اور والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے ایمان اور مغفرت کو بغیر کسی شک وشبہ کے واضح طور پر ثابت کرتے ہیں! اللہ تعالیٰ دل مصطفیٰ ﷺ کے لئے باعث راحت وتسکین بننے کے طفیل دامن مصطفیٰ ﷺ کا سایہ نصیب فرمائے اور حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ رسول عربی ﷺ کی جنت میں زیارت اور روز حشر شفاعت عطا فرمائے، آمین!!

یہ بھی کیا لمحہ تھا! سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا سر مبارک ان کے عظیم وجلیل بلکہ اعظم واجل فرزند کی مبارک گود میں ہے اور وہ خالق حقیقی کے جوار میں جانے کے لئے رخصت ہو رہی ہیں! اس منظر کو کیا کہیں؟ بس یہی کافی ہے کہ اسے چشم تصور میں ہمیشہ زندہ رکھیں! حق مغفرت کند......!

آخری بات یہ کہ بعض معاند حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ان اشعار پر بھی جل اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا وہ عالم غیب کی خبر رکھتی تھیں؟! ارے بھائی مت جلو! یہ تو سیدہ کے

خواب کے حوالے سے بات ہو رہی ہے! خواب پر بھی اعتراض کرتے ہو؟ اللہ کے بندو! آنکھیں کھولو! ہوش کے ناخن لو! حق تعالیٰ نے اپنی ایک بندی کو خواب دکھلایا تھا جو شعروں میں ڈھل گیا ہے اس پر طعن مت کرو کہ آمنہ رضی اللہ عنہا غیب کا علم رکھتی تھیں؟ یہ تو سیدہ کا خواب ہے جس کا حضور ﷺ نے بھی اکثر ذکر فرمایا ہے!!۔

سیدہ آمنہ مؤمنہ سلام اللہ علیہا

ہماری اسلامی تاریخ بھی مسلمانوں کی طرح سادہ لوحی اور بھولے پن کا مرقع ہے۔ مسلمان آسانی سے دھوکہ کھا جاتا ہے، ہر سنی سنائی پر یقین کر لیتا ہے اور یہ بھی نہیں سوچتا۔ یا شاید سوچ ہی نہیں سکتا؟! کہ اس کا نفع یا نقصان کس میں ہے چنانچہ مسلم مؤرخین کو بھی جو کچھ میسر آیا کسی چھان بین کے بغیر ہی اسے ضبط تحریر میں لے آئے اور ریکارڈ کر دیا، یہ ریکارڈ اور اس طرح ضبط تحریر میں لایا گیا مواد مسلمانوں کے حق میں ہو یا خلاف اسلام کے لئے مفید ہو یا نقصان رساں اس کا خیال نہیں رکھا گیا، یہ روش منصفانہ تو ہے اور یہی انصاف ہی اسلام اور مسلمان کی شان بھی ہے یہی انصاف ہی انسانیت کی زینت بھی ہے اور ضرورت بھی۔ مگر بعد میں آنے والوں کا کام ریکارڈ کی چھان پھٹک اور مواد کی تنقید و تنقیح بھی ہے! کیونکہ اس طرح جو رطب و یابس کے ڈھیر لگ جاتے ہیں ان میں سے حقائق کی کھوج لگانا بھی صبر و ہمت کا کام بن جاتا ہے!

لیکن اسلامی تاریخ کے بعض ادوار ایسے بھی ہیں جن کے متعلق معلوماتی مواد یا تو بہت ہی ناقص ہے اور یا پھر کونوں اور گوشوں میں بکھر کر رہ گیا ہے جسے اکٹھا کرنا اور ڈھونڈھ نکالنا بھی صبر آزما کام ہے۔ مکی عہد نبوت کی سیرت و تاریخ اسلام بھی اسی زمرے میں آتی ہے، بعض اوقات تو یوں لگتا ہے کہ جہالت نے اس پر دبیز پردے تان دیئے ہیں۔ اس عہد کے بعض تاریخی گوشے کس قدر پردۂ اخفا میں ہیں اور ان کی کھوج لگانا ایک صبر آزما کام ہے مگر حقائق تک پہنچنے کی بھی اشد ضرورت ہے، اس کا کچھ اندازہ تو مجھے اس وقت ہوا تھا جب میں نے تقریباً دس سال قبل ''سیرت نبوی کے ایک اہم گوشے دار ارقم'' کی مختصر سی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش کی تھی (1)۔ اور کچھ اندازہ اس وقت ہوا جب دو سال پہلے ''سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا'' کے عنوان سے حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی والدہ ماجدہ کے احوال

وآثار کو موضوع تحقیق بنانے کی فکر ہوئی!

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مکی عہد نبوی کی تاریخ کے بعض پہلو بظاہر بے حد تشنہ ہیں اور بعض اہم واقعات وحوادث پر جہالت اور بے نیازی کے دانستہ یا نادانستہ پردے پڑے ہوئے ہیں حتی کہ کھوج لگا کر حقائق کو ڈھونڈھنا اور بکھرے ہوئے ٹکڑے جوڑ کر کچھ بنانا اور مرتب کر دکھانا اگر ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور ہے، اس اخفاء اور پردہ پوشی کی کچھ وجوہات ہیں:

(۱) مکی عہد کی اسلامی تاریخ کے واقعات وحوادث کو اپنے دماغوں میں محفوظ رکھنے والے جب مکہ ہی کو چھوڑ گئے اور مدنی زندگی کے واقعات وحوادث میں مصروف ہو گئے تو مکی عہد کی تاریخ پس منظر میں چلی گئی اور آگے مکمل طور پر منتقل نہ ہو سکی!

(۲) اسلامی جہاد وفتوحات نے باقی سرگرمیوں کو ماند کر دیا، مسلمانوں کی ایک معقول تعداد مفتوحہ شہروں یا نئی بستیوں میں آباد ہو گئی، اس طرح مکی عہد حتی کہ مدنی عہد کی بھی کئی باتیں طاق نسیان کی نذر ہو گئیں۔

(۳) جو لوگ مکہ فتح ہونے تک اسلام سے بیگانہ رہے بلکہ جاہلیت میں اسلام کے شدید مخالف بھی رہے یا تو وہ اپنی مخالفانہ باتیں بتانے سے جھجکتے تھے یا اسلامی تاریخ کے اہم واقعات ان سے اوجھل ہی رہے!

(۴) ایک المناک سبب یہ بھی تھا کہ جب علوم مدون ہونے لگے تو خلافت راشدہ ختم ہو چکی تھی اور ملوکیت وآمریت نے مسلم دانشور کے ذہن کو جکڑ لیا تھا اس ضمن میں بنوامیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ عداوت نے بھی بہت کام دکھایا، بنو ہاشم خصوصاً اہل بیت اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کے امیج کو دانستہ خراب کروایا گیا!

یہ اور کچھ دوسرے اسباب تھے جن کے باعث ہاشمی خانوادہ کی تاریخ کو دانستہ بگاڑا گیا اور فراموشی وگمنامی کے سپرد کر دیا گیا، سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے احوال وآثار جمع کرنے میں دشواری کے کچھ اسباب تو یہی تھے مگر کچھ اور بھی ہو سکتے ہیں! تاریخ انسانی کی سب سے

زیادہ خوش نصیب اور عظیم ترین خاتون سیدہ آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا کی شخصیت کو اجاگر کرنا اور حقائق کو سامنے لانا آسان کام نہ سہی مگر اتنا مشکل بھی نہیں، بس کھوج لگانے کے لئے گہرائی میں اترنا پڑتا ہے اور بعض اوقات بہت دور تک جانا پڑتا ہے، یہ حقائق ادھر ادھر بڑی آب وتاب کے ساتھ موجود ہیں اور انہیں دریافت کر کے از سرنو مرتب کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ حقائق مرتے نہیں اور نہ یہ مرنے کے لئے ہوتے ہیں بلکہ یہ زندہ رہتے ہیں اور زندہ رہنے کے لئے ہوتے ہیں!

بہر حال ایک حقیقت ریکارڈ پر لانا اعتراف حق کی بات ہوگی کہ حضرت آمنہ مؤمنہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت اور سیرت کو اجاگر کرنے کے آغاز پر میرے قلم کو اپنی زندگی کے سب سے بڑے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، رسول اعظم و آخر ﷺ تخلیق کے اعتبار سے سب سے پہلے اور آمد وظہور کے لحاظ سے سب سے آخری نبی ورسول ہیں اور اس طرح وہ تمام اولو العزم انبیاء میں سرفہرست بلکہ سب کا سرعنوان ہیں، اس لئے آپ کے والدین کریمین کو بھی اصولی طور پر دیگر جلیل القدر انبیائے کرام کے آباء وامہات سے نمایاں تر اور برتر نہیں تو کم سے کم ان کے برابر تو ہونا چاہیے مگر ایسے ہے نہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ ایسے رہنے نہیں دیا گیا!

میرے قلمی وعلمی صدمے کا سبب یہ ہے کہ میں نے علمی دنیا کے بعض نئے اور پرانے "بزرگوں" کو والدین کریمین سیدنا مصطفیٰ ﷺ کے مؤمن ہونے نہ ہونے یا نجات پانے والا ہونے نہ ہونے کی بحث اور مخمصہ میں مبتلا پایا ہے!! حالانکہ پورے اسلامی لٹریچر میں ان دونوں ہستیوں کے کسی عیب یا نقص میں ملوث ہونے کا کوئی ادنی سے ادنی اشارہ تک نہیں پایا جاتا! بلکہ اس کے برعکس ان کے پاکیزہ کردار ہونے، حق پرست اور موحد ہونے کے بھی واضح اشارات ملتے ہیں، دونوں کے متعلق یہ ثابت ہے کہ وہ اخلاق وضوابط سے عبارت اس سنت پر عمل پیرا تھے جو اس وقت کے قائد قریش سردار عبد المطلب نے آخر کار حنیفیت کی طرف مائل ہونے کے بعد قریش کے لئے پسند فرمائی تھی (2)۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ والدین کریمین حضرت مصطفیٰ ﷺ کے ایمان اور نجات کو بلا وجہ اور نا قابل یقین سبب سے مشکوک بنانے والے وہ بزرگ ہیں جو انبیائے سابقین میں سے کسی کے والدین کی طرف شرک وبت پرستی کی نسبت کو پسند ہی نہیں فرماتے۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جس بت گر اور صنم پرست باپ (اب) کا ذکر ہے اسے، ان کا چچا قرار دیتے ہیں جسے مجازاً باپ کہہ دیا گیا ہے(3)۔ ہم بھی اس تاویل کی مخالفت نہیں کرتے اس لئے کہ انبیائے کرام کے آباء واجداد اور امہات وجدات کا کفر و شرک سے مبرا ہونا اور پاکباز ہونا لازم ہے، مگر ادھر حال یہ ہے کہ والدین کریمین مصطفیٰ ﷺ کا پاکیزہ کردار ہونا بھی ثابت ہے اور ان کے شرک وبت پرستی میں ملوث ہونے کا ذکر بھی کہیں نہیں ملتا، بس ایک آدھ ضعیف یا موضوع خبر واحد سے یہ پتہ چلا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اپنی والدہ ماجدہ کے لئے استغفار کی اجازت نہیں ملی یا یہ کہ آپ ﷺ نے کسی سائل کو محض تسلی دینے کے لئے معاذ اللہ یہ فرما دیا کہ جس طرح تیرا والد یا تیری والدہ دوزخ میں ہے اسی طرح میرے والد یا میری والدہ بھی دوزخ میں ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

جب کہ ثقہ و مستند محدثین ان اخبار آحاد کی اسناد کو ضعیف اور متون میں تضاد و تعارض ثابت کر کے ان سے استدلال کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے مگر بایں ہمہ بعض بزرگوں نے والدین کریمین کے ایمان اور نجات کو مشکوک بنانا "پسند فرمایا ہے" بلکہ ایک آدھ نے تو انہیں سیدھا دوزخ پہنچانے پر مستقل کتاب بھی لکھ ماری ہے والعیاذ باللہ! اور یہ نہیں سوچا کہ وہ کیا غضب ڈھا رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی توہین وتنقیص کا پہلو بھی اس سے نکلتا ہے اور حضرت مصطفیٰ ﷺ کی روح پاک کو اذیت پہنچانے کے گناہ کبیرہ کے مرتکب اور لعنت کے مستحق تو بن ہی رہے ہیں، والعیاذ باللہ

لیکن سوال یہ سامنے آتا ہے کہ ان اخبار آحاد کی بنیاد پر والدین کریمین کے خلاف لب کشائی کی جرأت کہاں سے آئی؟ اس مسئلہ کو خلط مبحث کی زد میں کیوں لایا گیا؟ کیا اس کے پیچھے وہ حاسدین اور معاندین نہیں ہو سکتے جو بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل میں سے

آخری نبی کی بعثت پر تلملا اٹھے تھے اور حسد و غیظ کی آگ میں جل بھن کر رہ گئے تھے اور چودہ صدیوں سے آج تک اسلام اور مسلمان کی بیخ کنی پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں؟ اس امکان کو کلی طور پر رد کرنا ممکن نہیں بلکہ مناسب ہی نہیں! کیونکہ ابن الجوزی وغیرہ نے یہود اور منافقین کے یہ طعنے نقل کیے ہیں کہ جو نبی اپنے والدین کو اپنے رب سے معاذ اللہ نہیں بخشوا سکتا وہ ہماری نجات کے لئے کیسے کارآمد ہو سکتا ہے(4)!!

لیکن پہلے ان اخبار آحاد پر ایک نظر ڈالتے ہیں جو اکثر و بیشتر بعض ثقہ محدثین جیسے ابن سعد، ذہبی، دار قطنی، سیوطی اور صالحی شامی وغیرہ کے نزدیک استدلال کے قابل ہی نہیں ہیں اس لئے ان کی بنیاد پر شکوک و شبہات کے گھوڑے سرپٹ نہیں دوڑائے جا سکتے، سب سے پہلے تو والدین کریمین خصوصاً سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا نبی پاک ﷺ کی دعا پر جی اٹھنے، ایمان سے مشرف ہونے اور پھر فوت ہو جانے والی حدیث کے امکان پر ہمارا ایمان ہے کہ ایسے ہو سکتا تھا کیونکہ مقتول بنی اسرائیل کے جی اٹھنے اور اپنے قاتل کی نشاندہی کر کے مر جانے، اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا قرآن کریم میں مذکور اور ثابت ہے خود رسول اکرم ﷺ کے دست اعجاز پر اموات کے احیاء کا ذکر موجود ہے، پھر جس ہستی کے اشارہ سے سورج لوٹ آئے اور پوری کائنات کا ایک مردہ دن دوبارہ زندہ ہو جائے یا جس کے مستجاب الدعوات ہونے کا یہ عالم ہو کہ سَلْ تُعْطَ "پیارے مانگ عطا ہوگا" کا حکم رب ہو وہ اگر اپنے والدین کریمین کے مشرف بہ ایمان کی دعا مانگیں گے تو کیا قبول نہ ہوگی؟! ہم ایسا ہونے کے امکان پر تو ایمان لاتے ہیں مگر اس پر مزید بحث یا تبصرہ نہیں کرتے، سوائے اس کے کہ بعض محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس میں حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا مرقد عقبہ حجون مکہ مکرمہ میں بتایا گیا ہے جو غلط ہے(5)!!

اس سلسلے کی دوسری اور تیسری احادیث وہ ہیں جن میں سے ایک میں کسی سائل کو آپ نے بتایا کہ تیری ماں دوزخ میں ہے یا کسی سائل کو بتایا گیا کہ تیرا باپ دوزخ میں ہے اور پھر اس کی تسلی کے لئے فرمایا گیا کہ تیرے والد اور میرے والد دونوں دوزخ میں ہیں، قطع

نظر اس سے کہ ان دونوں حدیثوں سے شان مصطفوی کی تنقیص وتوہین کا پہلو نکلتا ہے، والعیاذ باللہ، کیونکہ اس پر بعض یہود اور منافقین نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ تو اپنے والدین کو بھی نہیں بخشوا سکتے تو پھر بھلا یہ نبی مختار کس طرح ہیں (6)؟! نیز ان دونوں حدیثوں کا معنی اور مدعا اس ارشاد نبوی سے متصادم ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ مرنے والوں کو برا بھلا کہہ کر ان کے لواحقین کو اذیت مت پہنچایا کرو، اس ارشاد نبوی کی صحت اور صداقت مسلم ہے اور یہ روایت ودرایت کے اصولوں کے مطابق ہے، کسی کے مردہ والد یا بھائی کو اگر برا بھلا کہا جائے تو اسے دکھ ہوتا ہے تو رشتہ دار کا دل رکھنا قدرتی اور معقول بات ہے، سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات ماننے کے قابل ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کسی انسان کی دل آزاری کر سکتے ہیں؟ یہ بات اخلاق مصطفوی کے خلاف ہے کہ جس سے آپ لوگوں کو منع کر رہے ہیں وہی بات خود کر کے اپنے ارشاد کی نفی کریں (معاذ اللہ)! یہ نہیں ہو سکتا، معاذ اللہ آپ اپنی زبان مبارک سے کسی کی دل آزاری بھی نہیں کر سکتے! چہ جائیکہ دوسروں کی تسلی کے لئے اپنے والدین کریمین کو دوسرے کے مرنے والوں کے ہمراہ ذکر کر کے ان کی روحوں کو تکلیف بھی پہنچائیں۔ یہ تو عذر گناہ بدتر از گناہ کے زمرے میں آتا ہے اس قسم کے سوالات کے جوابات میں فصاحت وبلاغت نبوی تمثیل واستعارہ کا رنگ اختیار کر جاتی تھی اور کبھی کبھی تو دل لگی کے دلچسپ اور خوبصورت مناظر جوابات نبوی کی زینت ہوتے تھے، اس طرح مذکورہ دونوں حدیثوں کا اسلوب بھی افصح العرب ﷺ کے اسلوب کے برعکس ہے، اس لئے اس قسم کی احادیث جو اخبار آحاد کا درجہ بھی رکھتی ہیں اور اہل فن کو ان کی ثقاہت وصحت پر بھی اعتراض ہے ان سے کسی کے مؤمن یا کافر ہونے کو ثابت نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ حضرت مصطفیٰ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان اور نجات کے سلسلے میں ان سے استدلال کیا جائے، گویا فنی اور معنوی اعتبار سے بھی یہ دونوں حدیثیں محل نظر ہیں۔

اب ہم امام مسلم کی صحیح حدیث کو لیتے ہیں جو غالباً غلط فہمی کا باعث بنی ہے اور یونہی بعض لوگوں نے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے سلسلے میں غلط روش اپنائی ہے، شاید یہ غلط فہمی اور غلط

روش امام مسلم کی اس صحیح حدیث پر گہرا غور وفکر نہ کرنے کا نتیجہ ہو، یہ صلح حدیبیہ یا عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر ہوا، آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو بتایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ ماجدہ کے لئے بخشش کی دعا مانگنے کی اجازت چاہی تو نہیں ملی مگر ان کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو وہ عطا ہوگئی، بخشش کی دعا کی اجازت نہ ملنے کو یہ معنی پہنائے گئے کہ شاید اس کا سبب کفر وشرک ہو، اور پھر سورہ توبہ کی آیت 113 سے استشہاد بھی کرلیا گیا کہ نبی کریم ﷺ اور ایمان والوں کے لئے کسی مشرک کے لئے بخشش کی دعا کرنا جائز نہیں (7)، حالانکہ سورہ توبہ کا نزول تو عمرۃ الحدیبیہ کے بہت بعد میں ہوا اس لئے اس آیت کو اس حدیث کا حصہ نہیں بنایا جاسکتا، اس حدیث میں کچھ باتوں کا ذکر ہے ایک یہ کہ والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مل گئی، تو اگر خدانخواستہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا اس گناہ کبیرہ شرک میں ملوث ہوتیں تو زیارت تو کیا ان کی تو قبر پر جانے یا کھڑا ہونے کی بھی اجازت نہ ہوتی جیسا کہ لا تقم علی قبرہ "ان کی قبر پر کھڑے بھی مت ہوں (8) میں واضح طور پر نہی وارد ہوئی ہے، زیارت کی اجازت اس بات کی دلیل ہے کہ استغفار سے منع کرنے کا سبب کفرو شرک نہیں کوئی اور ہے! کیونکہ تین قسم کے لوگوں کے لئے استغفار کی مستقل ممانعت ہے (۱) جاحد و منکر ہو (۲) کافر ومشرک ہو (۳) کھلا منافق ہو ے ممانعت کی ایک چوتھی قسم بھی ہے جو وقتی، عارضی اور مشروط ہے، یہ مدیون ومقروض کے لئے استغفار کی ممانعت ہے، جب تک قرض ادا نہ ہوتا اس وقت تک مرنے والے کے لئے استغفار سے آپ کو منع کیا گیا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی دعا جنت میں فوری داخلہ کی ضمانت ہے اس لئے مقروض کیلئے اس وقت تک دعائے مغفرت سے آپ کو روکا گیا جب تک قرضہ ادا نہ ہو جائے

(۲) سیدہ آمنہ مؤمنہ سلام اللہ علیہا کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت پہلی تین قسموں۔ یعنی جحود وانکار، کفر وشرک اور منافقت والی ممانعت نہیں تھی، چوتھی یعنی وقتی اور عارضی ممانعت کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے، ممکن ہے انہوں نے کسی کا کچھ دینا دلانا ہو اور رسول اکرم ﷺ چونکہ آپ کے وارث ہیں، آپ نے یہ ذمہ داری بطریق احسن پوری فرمادی ہوگی، اس کے بعد

سراپا شفقت و محبت سیدہ آمنہ مؤمنہ سلام اللہ علیہا کے لئے دعائے مغفرت تو کیا رحمۃ للعالمین ﷺ کی مبارک زبان تشکر اور مروت سے تو اپنی والدہ ماجدہ کے لئے رحمتوں کی بارشیں مانگی گئی ہوں گی!!

(۳) جیسا کہ بیان ہوا کہ اگر خدانخواستہ یہ ممانعت پہلی تین قسموں میں سے کوئی ہوتی تو پھر تو قبر کی زیارت کیا وہاں تو جانے کی بھی ممانعت تھی، لیکن جن لوگوں کو غلط فہمی ہوئی کہ یہ ممانعت بھی پہلی اقسام ثلاثہ میں سے تھی وہی لوگ بغیر نتائج و مآل پر نظر کیے ایک غلط روش پر چل نکلے۔ ان کے نزدیک والدین کریمین کا ایمان اور بخشش مشکوک قرار پا گئی، پھر ان کے نزدیک اسی امی وامکما (میری والدہ اور تم دونوں کی والدہ) اور ابی وابوک (میرے والد اور تیرے والد) والی حدیثیں بھی صحیح اور مؤید قرار پا گئیں یہاں تک کہ ملا علی قاری جیسے بزرگوں نے والدین کریمین کے دوزخی ہونے پر مستقل کتابیں لکھ ماریں، والعیاذ باللہ! (ملا علی قاری کا تائب ہونا بھی ثابت ہے!) ہمارے نزدیک صحیح مسلم کی حدیث میں استغفار کی ممانعت عارضی ہوگی جو وجود مصطفیٰ ﷺ کے طفیل زائل ہو کر معدوم قرار پا گئی اس لئے سراپا شفقت و محبت سیدہ آمنہ مؤمنہ بھی ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے موحدہ حنیفیہ بھی ہیں بلکہ اپنے فرزند ارجمند ﷺ کی نبوت پر قبل از بعثت ایمان لانے سے مشرف ہونے کے باعث ابولہب کے سوا باقی تمام بنو ہاشم کے بزرگوں کی طرح "مسلمہ" بھی ہیں۔ رضی اللہ عنہا و عنہم جمیعا!!

اس سلسلے کی ایک پانچویں حدیث بھی ہے جو ابن سعد متوفی 230ھ نے روایت کی ہے (ابن سعد نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے حجون میں دفن ہونے اور زندہ کیے جانے والی حدیث کو بھی درست نہیں مانا) طبقات میں اس پانچویں حدیث کے الفاظ ہیں (9):

فلما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عمرۃ الحدیبیۃ بالابواء قال: ان اللہ قد اذن لمحمد فی زیارۃ قبر امہ فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاصلحہ و بکی عندہ وبکی المسلمون لبکاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فقیل له فقال: ادركتني (الرحمة؟) ورحمتها فبكيت!!

"تو جب رسول اللہ ﷺ عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر ابواء کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت فرمائی ہے، چنانچہ آپ قبر کے پاس گئے، اسے درست کیا اور اس کے پاس روئے، آپ کے رونے پر مسلمان بھی رونے لگے، آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے رحمت و ہمدردی نے آلیا تھا، مجھے اپنی والدہ پر ترس آ گیا تھا اس لئے رو دیا!"

(یہ وہی مسلم والی حدیث ہے مگر اس میں استغفار کی ممانعت کا ذکر موجود نہیں)

تو یہ وہ رقت و رحمت کا منظر ہے جسے ابن سعد نے روایت کیا ہے، یہ وہ منظر ہے جو سیدہ آمنہ مؤمنہ سلام اللہ علیہا کے مرقد مبارک پر اس وقت کی کائنات نے مشاہدہ کیا تھا، جب رحمۃ للعالمین ﷺ اپنی سراپا شفقت و محبت ماں کے قدموں میں حاضر ہوئے تھے، وہ مقدس ماں جس نے اپنے لخت جگر کے قلب و جگر کو شفقت اور رحمت سے بھر دیا تھا تاکہ وہ اس جنت کو دیکھ سکیں جو پیاری ماں کے مبارک قدموں کے نیچے ہوتی ہے! مصطفیٰ ﷺ کو اپنی ماں کی دعاؤں، تمناؤں اور مستقبل کے خوابوں سے لبریز وہ آخری منظر بھی یقیناً یاد آیا ہوگا جب چھ سال کی عمر میں اسی ابواء کے مقام پر دم واپسیں اپنی والدہ ماجدہ کی مبارک زبان سے وہ سچائیاں سن رہے تھے جو رخصت ہونے والے اپنے لواحقین کو بلا کم و کاست بتا کر رخصت ہوا کرتے ہیں! یہود کے شر سے اپنے لخت جگر کو ہمیشہ بچانے کے جتن کرنے والی اور سردار عبدالمطلب کی طرح اپنے لخت جگر کی آئندہ شان پر ایمان رکھنے والی آمنہ بنت وہب اس لمحے اپنے لخت جگر کے لئے آخری دعا کر کے تمناؤں سے لبریز پیشین گوئیاں کر کے اور اپنے در یتیم کے رخ انور پر الوداعی نظر ڈال کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر رہی تھیں!

وہ بھی ابواء کا ایک منظر تھا اور یہ منظر بھی ابواء ہی کا ہے، مصطفیٰ ﷺ اپنے دست مبارک سے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر سنوار چکے ہیں، ایک ٹھنڈی آہ نکلتی ہے پھر گریہ و بکا کا طوفان امڈ آتا ہے، آپ کے جان نثار صحابہ بھی سراپا غم اور سراسر آہ و بکاء ہیں! یہ سرمدی منظر

امت کے لئے ایک مثال ہے، ایک سبق ہے ایک دعوت ہے اور اس بات کا قطعی اعلان ہے کہ سیدہ آمنہ مؤمنہ سلام اللہ علیہا جنت کا پھول ہیں، جس کی مہک اب بھی مصطفیٰ ﷺ کے مشام جاں کو مہکا رہی ہے، انہیں ترس آیا تو آپ کے لئے مشقت اٹھانے والی، قدموں میں آنکھیں بچھانے والی اور قدم قدم پر اپنے لخت جگر کا خیال رکھنے والی جواں مرگ بیوہ آمنہ بنت وہب مگر انہیں افسوس تھا تو اس بات کا کہ کاش آج وہ زندہ ہوتیں تو اپنی دعاؤں، تمناؤں کا نتیجہ اور اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھتیں۔

اس بات کی تکمیل کے لئے "سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا" کے متعلقہ باب سے یہ اقتباس پیش ہے جو طویل تو ہے مگر مفید بھی ہے (10):

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پاک کے واقعات موتیوں کی طرح کتب سیر و تراجم، تفاسیر قرآن کریم اور ذخیرہ کتب حدیث کے وسیع سمندروں میں بکھری پڑی ہیں اور غوطہ زنی سے یہ موتی جمع کر کے صفحات سیرت پر سجائے جاسکتے ہیں اور یوں والدین کریمین رضی اللہ عنہما کی زندگی کے حقائق کو سامنے لاکر توہمات و خرافات کو مسترد کیا جاسکتا ہے، اس کی ایک روشن و پائندہ مثال امام جلال الدین سیوطی ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، حضرت سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسلام و ایمان کے متعلق چار واضح دلائل قائم کیے ہیں جن میں سے ہر ایک دلیل مقصد کو واضح طور پر ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، نیز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو دلائل قائم فرمائے ہیں وہ قلوب مؤمنہ کی تسکین و مسرت کو دوبالا کر دیتے ہیں (11)۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے ایمان اور مغفرت کے متعلق جو سات رسائل تصنیف فرمائے ہیں ان میں سے ایک رسالے کا نام ہے "السبل الجلیة فی الآباء العلیة" یعنی اعلیٰ مراتب والے آباء کے متعلق روشن رستے" فاضل مترجم نے اسے "والدین مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں صحیح عقیدہ" کا نام دیا ہے، اس رسالے میں امام سیوطی نے ان دلائل کا علمی جائزہ پیش کیا ہے جو ہمارے فاضل ائمہ و علماء نے

رسول اللہ ﷺ کے آباء واجداد اور والدین کے ایمان اور مغفرت کے بعد دخول جنت کے بارے میں پیش کیے ہیں، امام سیوطی اس رسالے کے دیباچے میں فرماتے ہیں (12):

"رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق یہ میری چھٹی تصنیف ہے، ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نجات پانے والے ہیں اور ان کے متعلق یہ بھی طے ہے کہ وہ آخرت میں بخشے جائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے، ائمہ علماء کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے، تاہم بخشش کے ان طریقوں کے سلسلے میں فرق ہے اور اختلاف بھی موجود ہے"۔

مقصد یہ ہے کہ علمائے اسلام کی ایک معتدبہ جماعت نبی اکرم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایمان، مغفرت اور دخول جنت کی قائل ہے، تاہم ان کے نزدیک اس بخشش و دخول جنت کی وجہ الگ الگ ہے اور سیوطی کے بیان کے مطابق یہ طریقے یا وجوہات چار ہیں!

(۱) پہلی وجہ کا تعلق زمانہ "فترت" سے ہے یعنی ظہور قدسی سے پہلے کا زمانہ جاہلیت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، پہلے والے رسولوں کی تعلیمات مفقود ہو چکی تھیں اور نئے آنے والے نبی کی نبوت کا ابھی تک اعلان نہیں ہوا تھا۔ علاوہ ازیں والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نوجوانی میں ہی فوت ہو گئے تھے، حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عمر اٹھارہ سال اور ایک قول کے مطابق پچیس سال تھی جب کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے معصوم شوہر کی وفات کے بعد تقریباً چھ سال زندہ رہیں اور تقریباً بیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں، کہتے ہیں کہ جو نوجوانی میں فوت ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ ہوتا ہے اور بات بھی درست ہے کہ اس معصوم جوان سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کون عزیز و محبوب بندہ ہو سکتا ہے، جس نے اللہ جل شانہ کے محبوب اور نور سرمدی کو جنم دیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور ﷺ کی ولادت باسعادت سے قبل ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے، البتہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ولادت کے بعد بھی تقریباً چھ سال زندہ

رہیں تا کہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریتیم کو شفقت ومحبت کی اس دولت سے مالا مال کر دیں جو ایک بچے کو والدین سے نصیب ہو سکتی ہے، اچھی ماں بچے کو باپ کی شفقت بھی دے سکتی ہے لیکن ایسے باپ بہت ہی کم ہوتے ہیں جو اپنے لختِ جگر کو ماں کی ممتا کا پیار بھی دے سکیں! حضور ﷺ کے والدین کی وفات میں اسی ترتیب میں بھی شاید یہی حکمت ربانی کارفرما ہو!!

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو بعثت نبوی اور اعلان نبوت سے قبل ہی دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے تھے اور انہیں تو دعوت اسلام پہنچی ہی نہیں تھی وہ اس نعمت سے زندگی میں نوازے ہی نہیں گئے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اس ذمہ داری کے لئے بھی کسی بھی طرح جوابدہ قرار نہیں دیئے جا سکتے! لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو کسی ایسے معاملے کا ذمہ دار اور پابند نہیں بناتے جو اس کی طاقت اور استطاعت سے باہر ہو (13)!! کے حکم ربانی کی رو سے آپ ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کو ذمہ دار اور مکلف نہیں ٹھہرایا جا سکتا، اس سلسلے میں شرعی ضابطہ یا قانونی اصول یہ آیت کریمہ قرار پائی ہے کہ:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

"یعنی ہم کسی کو اس وقت تک سزا اور عذاب کا مستوجب نہیں ٹھہراتے جب تک اس کے پاس رسول نہ بھیجیں!!"۔

سو جب تک رسالت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا باقاعدہ اعلان نہ ہوا تھا اور آپ ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کو اس کی باقاعدہ دعوت نہیں دی گئی تھی اس وقت تک وہ ان پر ایمان لانے کے مکلف کیسے ہو سکتے تھے!؟ یہ تو تکلیف مالا یطاق (جس کی طاقت ہی نہیں اس کا ذمہ دار ٹھہرانا) والی بات ہے، بننے سے پہلے ہی کسی قانون کے لاگو ہونے کی بات غیر معقول ہے، اسی طرح قبل از وقت کوئی شریعت بھی نافذ نہیں سمجھی جا سکتی ہے، قانون بننے یا شریعت نافذ ہونے سے پہلے والے لوگ ان کے مکلف یا ذمہ دار نہیں

ہوتے ہاں اگر اپنے قول یا فعل سے کسی آنے والے واقعہ کی کوئی علانیہ تائید کر دے (جیسا کہ ابولہب کے سوا باقی تمام بنو ہاشم کا موقف بعثت نبوی ہے) تو یہ الگ بات ہوگی، زمانہ فترت کے یہ لوگ اگر نیک تھے تو وہ ناجی اور مغفور ہیں اور والدین کریمین رضی اللہ عنہما کی کوئی لغزش مذکور نہیں اس لئے وہ بری، معصوم اور ناجی و مغفور ہیں! اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمتیں ہوں اور وہ ان سے راضی ہو، آمین!

(۲) والدین کریمین رضی اللہ عنہما کی مغفرت اور بخشش کی دوسری صورت امام سیوطی نے یہ ذکر فرمائی ہے کہ وہ شریعت محمدی ﷺ سے پہلے والی شریعت ابراہیمی علیہ السلام کے پابند اور اس پر عامل تھے، سنت ابراہیمی پر والدین کریمین رضی اللہ عنہما کا عمل ثابت ہے، حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنت خلیل علیہ السلام کو زندہ کرنے کی نیت سے اسماعیل ذبیح اللہ کی طرح اپنے عزیز ترین فرزند کو اپنی نذر کے مطابق قربان کرنا چاہا مگر اسماعیل ذبیح اللہ کی جگہ بطور ہدیہ دنبہ لایا گیا جب کہ عبداللہ ذبیح اللہ رضی اللہ عنہ کا فدیہ سو اونٹ قرار پائے تھے! بہر حال یہ شریعت و سنت ابراہیمی پر عمل کا یقینی ثبوت ہے! حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا بت پرستی سے اعراض کرنا اور حق و باطل میں تمیز کرنا اور توحید پر عمل پیرا ہونا بھی ثابت ہے لہٰذا سنت ابراہیمی کی پیروی کے باعث آپ ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما مغفور اور ناجی ہیں اغفر لہما اللہ ورضی عنہما!

(۳) والدین کریمین رضی اللہ عنہما کی مغفرت اور نجات کا تیسرا رستہ یا تیسری صورت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دعا فرمائی جسے شرف قبولیت عطا ہوا اور آپ کے والدین کریمین زندہ کیے گئے، وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا، اس مضمون کی ایک حدیث بھی روایت ہوئی ہے جسے ابن الجوزی جیسے بزرگوں نے تو موضوع قرار دیا ہے مگر وہ موضوع نہیں! اسے مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے، پیغمبرانہ معجزات کی دنیا میں یہ بات ناممکن بھی نہیں ہے، بنی اسرائیل کے ایک مقتول کا زندہ کیا جانا اور پھر اپنے قاتل کی نشاندہی کر کے دوبارہ مرنا از روئے قرآن ثابت ہے اگر سورج کا

واپس آنا اور شق القمر جیسے معجزات محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام برحق ہیں اور یقینا ہیں تو پھر والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے حق میں دعائے مصطفوی ﷺ کا شرف قبولیت پانا بھی اسی طرح ثابت اور برحق ہے! ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے حق میں دعائے مصطفوی ﷺ کا مستجاب ہونا بھی یقینی، برحق اور کافی ہے! اس سلسلے میں امام ابو القاسم سہیلی کا بیان قابل توجہ ہے، وہ فرماتے ہیں (14):

''اللہ جل شانہ قادر مطلق ہیں اور ہر شے پر قادر ہیں، اللہ کی قدرت کسی کام سے عاجز نہیں اور اس کی رحمت ہر شے کو محیط ہے، اللہ تعالیٰ کا رسول بھی اس خصوصی کرم کا اہل اور مستحق ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو جس فضل و کرم سے نوازنا چاہے نواز سکتا ہے اور جس کرامت کے انعام سے سرفراز فرمانا چاہے فرما سکتا ہے!''۔

(۴) سیوطی کے نزدیک والدین مصطفیٰ ﷺ کی مغفرت اور نجات کا چوتھا راستہ حنیفیت ہے، حنفاء (واحد حنیف) حق پرستوں کی ایک قسم تھی جو شرک و بت پرستی سے نفرت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یعنی توحید کی قائل تھی، شرک سے دور اور توحید پر ایمان رکھنے والے لوگوں میں زید بن عمرو بن نفیل (جس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ اپنی ذات میں ایک امت تھا اور اسی حیثیت میں یوم حشر کو اٹھایا جائے گا!!) قس بن ساعدہ الایادی، ورقہ بن نوفل اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بزرگ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں! امام رازی نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ آدم سے لے کر حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما تک حضور ﷺ کے تمام آبا و اجداد مختلف مراحل نسب میں توحید پرست تھے! مزید یہ بات احادیث نبوی سے بھی ثابت ہے کہ تمام حنفاء اہل جنت میں سے ہیں اس لئے رسول اکرم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما بھی حنفاء ہونے کے باعث اہل جنت میں سے ہیں اور ناجی و مغفور ہیں!

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ سلف اور علمائے اہل سنت کے اقوال و آراء کی بنیاد پر یہ دلائل اربعہ پیش فرمائے ہیں، ان میں سے ہر ایک دلیل وزنی ہے اور اطمینان دلانے یا

قائل کرنے کے لئے کافی ہے، تاہم ان دلائل پر اضافہ بھی ممکن ہے اور عقل وفکر کے مطابق اہل علم ودانش اور حق شناس لوگ اس اضافے کو ضرور تسلیم بھی کریں گے مثلاً:

(۵) جیسا کہ کتب سیرت و تاریخ میں ذکر ہوا، رسول اکرم ﷺ کا دو ذبیح اطاعت گزاروں پر فخر کرنا اور انہیں ایک ساتھ تثنیہ کی شکل میں ملا کر ذکر فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے والد گرامی اور دادا محترم کا سنت ابراہیمی کو تازہ کرنا نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے پسند فرمایا بلکہ اسے واقعی احیائے ملت ابراہیمی تصور فرمایا، اس طرح گویا بنو ہاشم کے دو عظیم باپ بیٹے نے اس احیائے سنت سے قبول اسلام کا اعلان فرمایا، حضرت عبداللہ ذبیح اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کا ایک ساتھ زبان رسالت مآب ﷺ پر آنا نبی اور امتی ہونے کے حقیقی اور پختہ تعلق پر دلالت کرتا ہے اور حقیقت میں حضرت عبداللہ اور ان کے والد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے امتی تھے، یوں ان کا ایمان بلکہ اسلام بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۶) رسول اکرم ﷺ کا بارہا اپنے سلسلہ نسب کے اسلاف خصوصاً اپنے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فخر کرنا اور خود کے نکاح الاسلام سے دنیا میں تشریف لانے کا تذکرہ کرنا بھی والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایمان وطہارت کی دلیل ہے، اصلاب الطاہرین سے ارحام الطاہرات میں منتقل ہوتے رہنے کا یہی مقصد ہے۔

(۷) "رسالت ونبوت کی حفاظت کا خدائی نظام" کے عنوان سے اس کتاب کے ایک خاص باب میں سورۃ المائدہ، الرعد، الشعراء اور الطور کی آیات کریمہ کی رو سے آپ کے سلسلۂ نسب اور نور نبوت کے محفوظ ومصون طور پر منتقل ہوتے رہنے کا نظام جب اللہ رب العزت کی نگاہوں میں ہے اور اسی ذات کی یہ ضمانت ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ آپ ﷺ کے تمام آباء و امہات از آدم علیہ السلام وحوا تا عبداللہ و آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پاک دامن، پاک طینت، اللہ کے اطاعت گزار بندے اور کبائر سے معصوم تھے، اسی کا نام ایمان ہے! اور اس ایمان کو والدین کریمین پر پہنچ کر مشکوک ہونے کے بجائے مزید روشن ومضبوط تر ہونا چاہیے

جو یقیناً ہے، اس لئے اس سے والدین کریمین کے ایمان کے متعلق معاذ اللہ شک میں پڑنے کی بجائے دولت یقین سے سرفراز ہونے کا موقع ملتا ہے ہاں ڈھٹائی کی بات بالکل الگ ہے!! یہ مذکورہ نصوص قرآن، احادیث نبوی اور اقوال سلف کی تائید مزید سے حضور ﷺ کے شرف نسب کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی ثابت کرتی ہیں کہ والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اس سلسلے کے تمام طاہرین وطاہرات کبائر سے مجتنب ومحفوظ تھے۔

(۸) آپ ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال وارشادات ان کے حق پر ہونے، دین توحید کو پسند کرنے اور کبائر سے بلکہ معمولی لغزشوں سے بھی پاک ہونے کا ثبوت ہیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ رجزیہ کلام ان کے تقوی پر دلالت کرتا ہے:

اما الحرام فالممات دونه والحل لا حل فاستبينه

فكيف بالامر الذی تبغينه يحمی الكريم عرضه و دينه

یعنی حرام کے ارتکاب پر تو میں موت کو ترجیح دیتا ہوں، رہا حلال تو وہ بھی نہیں کھاتا یہاں تک کہ میں واضح طور پر تسلی نہ کرلوں، تو بھلا وہ برا کام کیسے ممکن ہے جو تو چاہتی ہے اس لئے کہ شریف انسان اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرتا ہے!

سو جو انسان اس قدر محتاط ہو، اجتناب کرتا ہو، عزت ودین کے تحفظ کا قائل ہو اور حلال بھی پھونک پھونک کر کھانے کا اعتراف واعلان کرے اس کے ایمان ومغفرت میں شک کرنا ڈھٹائی نہیں تو اور کیا ہے!

اپنے شوہر کے مرثیہ میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس شعر سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سخاوت اور مروت ان کے فرزند ارجمند ﷺ کو وراثت میں منتقل ہوئی تھی۔

فان تک غالته المنايا و ريبها فقد كان معطاء كثير التراحم!

یعنی اگر موت اور اس کے حملے نے (حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو فنا کر دیا ہے تو کیا ہوا؟ وہ تو سخاوت ومروت والے تھے اور کثرت سے رحم کھانے

والے تھے (والد رحمۃ للعالمین ﷺ جو تھے!)

اس باب کا اختتام ان حقائق پر کرتے ہیں (یہ جانتے ہوئے اور مانتے ہوئے کہ والدین کریمین کے ایمان و بخشش کے متعلق امام سیوطی اور امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہما نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس موضوع پر حرف آخر ہے) کہ:

(۱) سیدہ آمنہ مؤمنہ سلام اللہ علیہا کے ایمان و مغفرت کے حوالے سے جو اخبار آحاد ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے امام مسلم والی حدیث سے استدلال کرنے میں لغزش ہوئی ہے، صحیح مسلم کی اس حدیث کو طبقات ابن سعد والی حدیث سے ملا کر پڑھا جائے تو بات واضح طور پر سامنے آتی ہے اور کسی قسم کی غلط فہمی یا شک باقی نہیں رہتا، باقی ماندہ اخبار آحاد یا تو تعارض اور تضاد کا شکار ہیں اور یا وہ ثقہ محدثین کے نزدیک استدلال کے قابل نہیں ہیں، اس سلسلے میں علامہ عبدالعلی لکھنوی فرنگی محلی جیسے جلیل القدر فقیہ متکلم اور مفتی کا یہ ارشاد خصوصیت سے ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے جو فرماتے ہیں کہ:

> **واما الاحاديث الواردة فى ابوى سيد العالم صلوات الله وسلامه عليه وآله واصحابه وسلم فمتعارضة مروية آحاد فلا تعويل عليها فى الاعتقاد**
>
> ''یعنی رہی وہ احادیث جو سیدنا رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے متعلق وارد ہوئی ہیں تو یہ تو بطور اخبار آحاد مروی ہیں اور باہم متعارض ہیں اس لئے ان پر عقیدہ کے باب میں بھروسہ نہیں کیا جا سکتا''۔

(۲) والدین کریمین سیدنا مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے شرک یا کفر میں ملوث ہونے کا تو ادنیٰ سا اشارہ بھی کہیں نہیں آیا بلکہ اس کے برعکس ایسی مستند تاریخی نصوص ہیں جن سے ان کے موحد ہونے اور ہر قسم کی آلائشوں سے بری ہونے کے ثبوت ملتے ہیں۔

(۳) رسالت مآب ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں آدم و حوا سے لے کر نیچے تک اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا، اس ارشاد نبوی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے والدین

کریمین مؤمن اور ناجی ہیں کیونکہ مشرک و کافر طاہر نہیں ہوتے بلکہ از روئے قرآن نجس و ناپاک ہوتے ہیں، اس سلسلے میں ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے:

ان الاحادیث مصرحة لفظا فی اکثرہ معنی فی کلہ، أن آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر الانبیاء وامھاتہ الی آدم و حواء لیس فیھم کافر لأن الکافر لا یقال فی حقہ أنہ مختار ولا کریم ولا طاھر بل نجس

''یعنی اس سلسلے میں وارد ہونے والی احادیث میں سے اکثر لفظی طور پر تصریح کرتی ہیں اور معنوی طور پر تو سب کی سب واضح ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ایسے آبا جو نبی نہیں تھے اور تمام امہات آدم و حوا تک میں سے کوئی بھی کافر نہ تھا کیونکہ کافر کے حق میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مختار کریم یا طاہر ہے بلکہ کافر تو نجس اور ناپاک ہوتا ہے''۔

(۴) سورۃ الشعراء کی آیت کریمہ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ بھی اس باب میں اشارۃ النص کی حیثیت رکھتی ہے کہ نور نبوی ساجدین و ساجدات سے ساجدین و ساجدات کو منتقل ہوتا رہا، یہ آیت اگرچہ اشارۃ النص کی حیثیت رکھتی ہے تاہم اس سلسلے میں وارد ہونے والی اخبار آحاد سے زیادہ معتبر زیادہ محکم اور ان سب سے افضل ہے۔

(۵) رسول اللہ ﷺ کا اس بات پر فخر کرنا کہ انا ابن الذبیحین ''میں تو اللہ کی راہ میں دو ذبح ہونے والوں حضرت اسماعیل و حضرت عبداللہ علیہما السلام کا فرزند ہوں''۔ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کا فدیہ ایک دنبہ تھا جب کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا فدیہ سو اونٹ تھے، حضرت عبداللہ اور حضرت اسماعیل کے برابر مذکور ہونا اور دونوں پر حضور ﷺ کا یکساں فخر کرنا حضرت عبداللہ کی عظمت، طہارت اور تقدس پر دلالت کرتا ہے۔

(۶) آپ کا یہ ارشاد بھی اس باب میں ایک نص کی حیثیت رکھتا ہے کہ ''میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا ہوں، سیدنا مسیح ابن مریم علیہما السلام کی بشارت ہوں اور اپنی

والدہ ماجدہ کے اس خواب کی تعبیر ہوں جو انہوں نے میرے متعلق دیکھا تھا اور انبیائے کرام کی مائیں تو اسی طرح کے نیک خواب دیکھا کرتی ہیں! یہاں پر سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا پاکیزہ خواب بھی حضرت ابراہیم کی دعا اور حضرت عیسیٰ کی بشارت کے برابر ذکر ہوا ہے، حضرت آمنہ مؤمنہ کا خواب وہی تھا جس کا ایک منظر ان دعاؤں، نیک تمناؤں اور پیشین گوئیوں کی شکل میں ابواء کے مقام پر سامنے آیا جب سیدہ آمنہ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر رہی تھیں اور جس کا اعادہ عمرۃ الحدیبیۃ کے موقع پر اس آہ و بکا کی شکل میں ہوا جس میں آپ ﷺ کے ساتھ تمام صحابہ کرام بھی شریک تھے!!

(۷) ہمارے اہل سنت و جماعت کے تمام بزرگان سلف وخلف کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیائے کرام کی عصمت و طہارت کا ذمہ خود اللہ جل جلالہ نے لے رکھا ہے ان کے نزدیک ہر نبی معصوم ہوتا ہے اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہوتا ہے اس لئے کہ منصب نبوت و رسالت کا یہی تقاضا ہے، یہ انسانی طبائع اور قلب و دماغ کی رغبت و عقیدت کا معاملہ ہے، ہمارے بزرگوں نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے والد کو بت گری اور صنم پرستی میں ملوث نہیں مانا، بلکہ قرآن کریم میں وارد (آزر) کو اب یا والد کے بجائے عم یا برادر والد مانا ہے اور بت شکن ابراہیم علیہ السلام کو (تارح) کا بیٹا مانا ہے!

تو سوال اب یہ ہے کہ عصمت و طہارت کے تحفظ کا یہ نظام ربانی معاذ اللہ صرف والدین کریمین مصطفیٰ ﷺ پر پہنچ کر کیوں گڑ بڑ کا شکار ہو گیا! نبی الانبیاء اول و آخر اور اعظم الرسل ﷺ کے اس شرف پر دست درازی اور زبان درازی کے پیچھے کہیں ان حاسدین و معاندین کا ہاتھ تو نہیں ہے جو بنو اسرائیل سے بنو اسماعیل میں نبوت کے منتقل ہونے پر جل بھن کر رہ گئے تھے؟! حضور ﷺ تو فرماتے ہیں کہ میں اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا ہوں مگر یار لوگ اخبار آحاد جو ضعیف، موضوع اور متعارض بھی قرار دی گئی ہیں ان کی بنیاد پر والدین کریمین علیہما السلام کے ایمان اور نجات کو زیر بحث لانے پر کمر بستہ ہو گئے ہیں، حتیٰ کہ سیدہ آمنہ مؤمنہ سلام اللہ علیہا کی وفات اور مدفن جیسے واضح اور تاریخی طور

پر ثابت معاملات میں بھی الجھ کر شکوک وشبہات کی دنیا میں بھٹکتے پھرتے ہیں! حقائق نہ چھپ سکتے ہیں نہ مر سکتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا مؤمنہ موحدہ بلکہ مسلمہ بھی ہیں، یہی حال بنو ہاشم کے جوان رعنا اور معصوم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے ایمان کا ہے! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی والدین کریمین مصطفیٰ ﷺ کے ہمراہ جنت میں معیت نبوی عطا فرمائے آمین ثم آمین!

امہات رسول اللہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی حقیقی والدہ ماجدہ تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں مگر آپ ﷺ کی امہات میں وہ خوش نصیب و نیک اختر خواتین بھی شامل ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا اور وہ بھی جو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے لے کر اوپر حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام تک کے سلسلہ رحم و نسب میں آتی ہیں، ان سب کے اجمالی ذکر کے بغیر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ تشنہ سا معلوم ہوتا رہے گا، یہ یاد رکھتے ہوئے کہ نبی محتشم رسول اعظم و آخر ﷺ اپنی ان امہات طیبات کا بھی پورا احترام فرماتے تھے اور حسب موقع ان کی خبر گیری اور صلہ رحمی بھی کرتے تھے (1)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ "قبیلہ قریش تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک نور کی شکل میں تھا، سید ولد آدم حضرت مصطفی ﷺ کی حرمت و برکت کے طفیل ہزارں سال تک یہ نور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا رہا اور اس کی وجہ سے ملائکہ بھی تسبیح و تقدیس میں لگے رہے، جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوگئی تو یہ نور اللہ تعالیٰ نے پشت آدم علیہ السلام میں ڈال دیا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے صلب آدم علیہ السلام میں زمین پر بھیج دیا پھر صلب نوح علیہ السلام پھر صلب ابراہیم علیہ السلام اور صلب اسماعیل علیہ السلام میں منتقل کر دیا پھر اللہ تعالیٰ مجھے معزز و محترم پشتوں اور ارحام طاہرہ میں منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے اپنے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے ہاں جنم لیا جو ہمیشہ پاک وصاف اور نیک رہے (2)!

یہ روایت سیرت حلبیہ میں آئی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت حوا سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تک ارحام طاہرہ اور آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک اصلاب طیبہ میں رہے اور دنیا میں تشریف لائے، نیز یہ بھی

کہ آپ ﷺ کو اپنے سلسلہ ارحام وانساب کا علم تھا اور آپ نے اس سلسلے کی پاک دامنی و طہارت سے امت کو آگاہ فرمایا تھا کیونکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نیک پاک اور نیک والدین کے سلسلہ نسب ورحم کے مالک تھے، آپ ﷺ نے اپنی نیک پاک امہات کا تذکرہ فرماتے ہوئے یہ واضح کیا کہ آپ ﷺ کی تمام دادیاں اور نانیاں اوپر تک نیک پاک تھیں اور یہی انبیائے کرام علیہم السلام کی شان ہے(3)۔

آپ ﷺ کی رضاعی ماؤں (دودھ پلانے والی ماؤں) میں سب سے پہلا نام حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا (ثوبیہ غلط ہے، ثا کے اوپر پیش، واؤ کے اوپر زبر اور یا کے اوپر جزم اور با کے اوپر زبر ہے) کا ہے جو آپ ﷺ کے چچا ابولہب کی لونڈی تھیں اور اس وقت ان کے دودھ پیتے بچے کا نام مسروح تھا، حضور ﷺ کو دودھ پلانے کی خوشی میں ابولہب نے حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا تھا، آپ ﷺ ہمیشہ اپنی اس رضاعی ماں کا بہت خیال رکھتے تھے، مدینہ سے بھی انہیں تحائف ارسال فرماتے اور مدد کرتے تھے، جب وہ فوت ہو گئیں تو پوچھا کہ کیا ان کا کوئی وارث ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ ان کا بیٹا اور آپ ﷺ کا رضاعی بھائی مسروح بھی فوت ہو چکا ہے اس لئے اب ان کا پیچھے کوئی رشتہ دار باقی نہیں رہا(4)۔

دوسری رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ہیں، سیرت پاک کے بہت سے واقعات ان سے وابستہ ہیں، حضور ﷺ ان سے بے حد احترام اور محبت سے پیش آتے اور ان کے خاندان سمیت ان کا بہت خیال کرتے تھے، بہت محترم اور عظیم خاتون ہیں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا جب آپ ﷺ کو ساتھ لے گئیں تو بنو سعد ہی کی ایک خاتون، جن کا نام ام حمزہ مذکور ہے اور جنہوں نے حضرت حمزہ شیر خدا اور رسول ﷺ کو بھی دودھ پلایا تھا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بھی دودھ پلایا، یوں وہ آپ ﷺ کی تیسری رضاعی ماں بنتی ہیں، یہ تفصیل امام محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی 942ھ نے اپنی کتاب سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد (جو سیرت شامیہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے) میں

ذکر کی ہے (5)۔

شامی نے ہی ذکر کیا ہے کہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی گود میں جانے سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی طرح حضور اکرم ﷺ کو دودھ پلایا تھا غالباً اسی لئے مروی ہے کہ جب مقام ابواء میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر چلی تھیں تو نبی معصوم کی معصوم زبان پر یہ الفاظ تھے: "اب تو آپ ہی میری ماں ہیں (6)!" یہ بھی یاد رہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں جو آپ ﷺ کو اپنے والد گرامی سے ورثہ میں ملنے والی اشیاء میں شامل تھیں! اس طرح گویا ام ایمن رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کی چوتھی رضاعی ماں بنتی ہیں! امام شامی ہی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ بنو سلیم بن فہم کی تین اور خواتین نے بھی حضور اکرم ﷺ کو دودھ پلایا تھا، واللہ اعلم بالصواب۔ یوں حضور اکرم ﷺ کی رضاعی ماؤں کی تعداد سات ہو جاتی ہے، ابن حزم نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اسی قبیلہ بنو سلیم سے تھے! امام شامی نے حضور اکرم ﷺ کی آٹھویں رضاعی ماں کا بھی ذکر کیا ہے جن کا نام "ام فروہ" لکھا ہے تاہم یہ یقینی بات نہیں ہے، ابن اسحاق نے ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "سورۃ الکافرون شرک سے برأت کا اعلان ہے اس لئے سوتے وقت اس کی تلاوت کرنا چاہیے"۔

ابن الکلبی انساب عرب کے ماہر تھے، ان کی کتاب انساب العرب بعد میں آنے والے تمام ماہرین انساب عرب کے لئے ماخذ ومصدر ثابت ہوئی، ابن الکلبی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پدری سلسلہ نسب اور مادری سلسلہ نسب دونوں سلسلوں کی پانچ سو خواتین (یعنی آپ ﷺ کے سلسلہ ددیال اور ننھیال کی خواتین) کے احوال معلوم کیے ہیں اور ان بزرگ خواتین کے انساب احوال اور خاندانی وجاہت کا ذکر کیا ہے، ان تمام محترم خواتین میں سے کوئی بھی کم اصل یا کمزور کردار کی نہ تھی، سب کی سب پاک دامن اور

پاکباز خواتین مذکور ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور رسول اعظم و خاتم ﷺ کا نور نبوت پاک اصلاب سے پاک ارحام میں محفوظ و مامون فرمایا گیا، کتب سیرت میں مادری اور پدری سلسلہ نسب کی ان تمام خواتین کے نام و نسب اور سیرت کا ذکر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ نسب میں آنے والی محترم خواتین میں سے بعض کا تذکرہ یوں موجود ہے (8):

(۱) برہ (بمعنی نیک اور صالح) رضی اللہ عنہا بنت عبد العزی بن عثمان بن عبد الدار بن قصی بن کلاب، سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ اور رسول اعظم ﷺ کی نانی محترمہ ہیں۔

(۲) ام حبیب بنت اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ، برہ کی والدہ ماجدہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی نانی محترمہ ہیں۔

(۳) برہ بنت عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن لوی بن غالب جو ام حبیب نانی محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں۔

(۴) قلابہ بنت حارث بن مالک بن جاشہ بن غنم بن لحیان بن عادلہ جن کا سلسلہ نسب الیاس بن مضر سے جا ملتا ہے اور برہ مذکورہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔

(۵) امیمہ بنت مالک بن غنم، جن کا نسب الیاس بن مضر سے جا ملتا ہے اور قلابہ بنت حارث مذکورہ کی والدہ تھیں۔

(۶) ذب بنت ثعلبہ بن حارث بن تمیم، جن کا نسب الیاس بن مضر سے جا ملتا ہے، یہ امیمہ بنت مالک مذکورہ کی والدہ تھیں۔

(۷) دب بنت ثعلبہ کی والدہ کا نام عاتکہ بنت غاضر ہے، ان کا نسب بھی مضر سے جا ملتا ہے۔

(۸) عاتکہ بنت غاضرہ کی والدہ لیلیٰ بن عوف تھیں جن کا سلسلہ نسب ثقیف سے جا ملتا ہے جو طائف کے سرداروں کا خاندان تھا۔

(۹) حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی دادی یا ان کے والد سرہ ماجدہ کی والدہ یعنی وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی والدہ کا نام قیلہ تھا جو ابو قیلہ کی بیٹی اور قبیلہ خزاعہ سے تھیں۔

(۱۰) قیلہ بنت ابی قیلہ کی والدہ یعنی وہب بن عبد مناف کی دادی کا نام سلمی بنت لوی بن غالب تھا اور وہ قبیلہ قریش سے تھیں۔

(۱۱) سلمی بنت کعب کی والدہ ماویہ بنت کعب بن یقین تھیں جو قضاعہ قبیلہ سے تھی۔

(۱۲) ابوقیلہ بن غالب مذکور کی والدہ سلافہ بنت وہب بن بکیر ہیں اور وہ قبیلہ اوس سے تھیں۔

(۱۳) سلافہ بنت وہب کی والدہ قیس بن ربیعہ کی بیٹی تھیں اور قبیلہ بنو مازن سے تھیں۔

(۱۴) نجعہ بنت عبید بن حارث خزرج سے ہیں۔

(۱۵) جمل بنت مالک بنوخزاعہ سے ہیں اور وہ عبد مناف بن زہرہ کی والدہ ہیں۔

(۱۶) فاطمہ بنت سعد زہرہ بن کلاب کی والدہ ہیں اور وہ بنو ازد سے تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کے پدری سلسلہ نسب کی محترم و پاک دامن ماؤں کے نام یوں ہیں (9):

(۱) فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران، جو بنو قریضہ بن مرہ سے تھیں اور سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ اور سید ولد آدم علیہ السلام رسول اعظم و آخر کی دادی محترمہ ہیں، حضرت زبیر اور حضرت ابو طالب کی والدہ ماجدہ بھی یہی فاطمہ بنت عمرو ہی تھیں۔

(۲) ان فاطمہ بنت عمرو کی والدہ محترمہ صخرۃ بنت عبد بن عمران بھی بنو قریضہ بن مرہ سے تھیں۔

(۳) تخمر بنت عبد بن قصی صخرہ بنت عبد کی والدہ محترمہ ہیں۔

(۴) سلمی بن عمرو بن زید قبیلہ بنو عدی بن نجار سے تھیں اور حضرت شیبۃ الحمد یعنی سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بن ہاشم کی والدہ ماجدہ ہیں، بڑی پروقار اور رعب دار اور عزت دار خاتون تھیں، نہایت حوصلہ مند اور مدبر خاتون تھیں، شادی کے وقت وہ اپنے شوہر سے حق تفویض طلاق ضرور مانگتی تھیں۔

(۵) عمیرہ بنت صخرۃ بن حبیب بن حارث بن مازن بن نجار سے تھیں اور مذکورہ سلمی بنت عمرو بن زید کی والدہ محترمہ تھیں۔

(۶) سلمیٰ بنت عبدالاشہل مذکورہ عمیرہ بنت صخرۃ کی والدہ ہیں اور بنو دینار بن نجار سے تھیں۔

(۷) امیلہ بنت زعود بنوعدی بن نجار سے تھیں اور سلمیٰ بنت عبدالاشہل مذکورہ کی والدہ ہیں۔

(۸) عاتکہ بنت مرہ بن ہلال بنوثعلبہ بن بیشہ سے تھیں اور عمرو العلا ہاشم بن عبد مناف کی والدہ ماجدہ ہیں۔

(۹) ماویہ بنت حوزہ بنوہوازن سے تھیں اور عاتکہ مذکورہ کی والدہ ہیں۔

(۱۰) رقاش بنت اخم ماویہ بنت حوزہ کی ماں ہیں اور قبیلہ بنو مذحج سے تھیں۔

(۱۱) کبشہ بنت رافقی بن مالک بن ربیعہ بن کعب سے تھیں اور رقاش بنت اخم کی والدہ محترمہ ہیں۔

(۱۲) حبی بنت حلیل قبیلہ خزاعہ سے تھیں اور عبد مناف بن قصی (والد ہاشم عمرو العلا) کی والدہ محترمہ ہیں۔

(۱۳) ہند بنت عامر بن نضر بنوخزاعہ سے تھیں حبی کی والدہ ہیں۔

(۱۴) لیلیٰ بنت مازن بن کعب قبیلہ بنوخزاعہ سے تھیں اور ہند بنت عامر کی ماں ہیں۔

(۱۵) فاطمہ بنت سعد بنوعامر الجادر سے تھیں اور قصی بن کلاب کی والدہ ہیں۔

(۱۶) ظریفہ بنت قیس بن امیہ بنوقیس عیلان سے تھیں اور فاطمہ بنت سعد کی والدہ ہیں۔

(۱۷) صخرہ بنت عامر بن کعب بنوانمار سے تھیں اور ظریفہ مذکورہ کی والدہ ہیں۔

(۱۸) ہندہ بنت سریہ بن ثعلبہ بنوکنانہ بن خزیمہ سے تھیں اور کلاب بن مرہ کی والدہ ہیں۔

(۱۹) امامہ بنت عبد مناۃ بنوکنانہ سے تھیں اور ہندہ بنت سریہ مذکورہ کی ماں ہیں۔

(۲۰) ہند بنت ودان بنواسد بن خزیمہ سے تھیں اور امامہ بنت عبد منان کی والدہ ہیں۔

(۲۱) وحشیہ بنت شیبان بنونضر بن کنانہ سے تھیں اور مرہ بن کعب کی والدہ ہیں۔

(۲۲) وحشیہ بنت وائل بنوجدیلہ سے تھیں اور وحشیہ بنت شیبان کی ماں ہیں۔

(۲۳) ماویہ بنت ضبیعہ بنوربیعہ بن نزار سے تھیں اور وحشیہ مذکورہ کی والدہ ہیں۔

(۲۴) ماویہ بنت کعب بن نعمانت بنوقضاعہ سے تھیں اور کعب بن لوی کی والدہ ہیں۔

(۲۵) عاتکہ بنت کاہل بنو عذرہ سے تھیں اور ماویہ بنت کعب بن نعمان کی ماں ہیں۔

(۲۶) عاتکہ بنت مخلد بنو کنانہ سے اور لوی بن غالب کی والدہ تھیں۔

(۲۷) امیہ بنت شعبان بنو بکر بن وائل سے تھیں اور عاتکہ بنت مخلد کی ماں ہیں۔

(۲۸) تماضر بنت حارث بنو اسد بن خزیمہ سے تھیں اور امیہ بنت شعبان کی والدہ ہیں۔

(۲۹) رہم بنت کاہل بنو اسد بن خزیمہ سے تھیں اور تماضر بنت حارث کی ماں ہیں۔

(۳۰) لیلیٰ بنت حارث بنو ہذیل بن مدرکہ سے تھیں اور رہم بنت کاہل کی والدہ ہیں۔

(۳۱) عاتکہ بنت اسعد بن وث لیلیٰ بنت حارث کی والدہ ہیں۔

(۳۲) زینب بنت ربیعہ بنو ھنب سے تھیں اور عاتکہ بنت اسعد کی والدہ ہیں۔

(۳۳) جندلہ بنت عامر قبیلہ بنو زید بن مالک جرہمی سے تھیں اور فہر بن مالک کی ماں تھیں۔

(۳۴) ہند بنت ظلیم قبیلہ بنو جرہم سے تھیں اور جندلہ بنت عامر کی ماں ہیں۔

(۳۵) عکرشہ بنت عدوان قبیلہ بنو قیس عیلان سے تھیں اور مالک بن نضر کی والدہ ہیں۔

(۳۶) تیرہ بنت مرہ بن اد بن طابخہ نضر بن کنانہ کی والدہ ہیں۔

(۳۷) عوانہ بنت سعد بن قیس بن عیلان کنانہ بن خزیمہ کی والدہ ہیں۔

(۳۸) دعد بنت الیاس بن مضر عوانہ بنت سعد کی والدہ ہیں۔

(۳۹) سلمی بنت اسلم بنو قضاعہ سیت میں اور خزیمہ بن مدرکہ کی والدہ ہیں۔

(۴۰) مدرکہ بن الیاس کی والدہ لیلیٰ بنت علوان ہیں جن کا لقب خندف تھا اور وہ بنو قضاعہ سے تھیں۔

(۴۱) ضریہ بنت ربیعہ بن نزار جو لیلیٰ بنت علوان کی ماں ہیں مکہ کے قریب ایک تالاب اس ضریہ کے نام سے ایک چشمہ ہے جو "ماء ضریہ" کہلاتا ہے۔

(۴۲) رباب بنت حیدہ بن معد بن عدنان الیاس بن مضر کی والدہ ہیں۔

(۴۳) سودہ بنت عک بن ریث بن عدنان بن اود، مضر بن نزار کی والدہ ہیں۔

(۴۴) معانہ بنت جوشم بنو جرہم سے تھیں اور نزار بن معد بن عدنان کی ماں ہیں۔

(۴۵) سلمی بنت حارث قبیلہ بنو لخم سے تھیں اور معانہ بنت جوشم کی والدہ ہیں۔

(۴۶) مہدہ بنت لخم معد بن عدنان کی والدہ ہیں۔

امہات رسول اللہ ﷺ میں سے ان خواتین کا تذکرہ اجمالی اس غرض سے کیا جانا ضروری ہوا تا کہ نور نبوت محمدی ﷺ کا پاک ارحام میں منتقل ہونا واضح طور پر ثابت ہو اور یہ بھی پتہ چلے کہ ہمارے علماء سلف نے اللہ کے اس ارشاد کہ: "اے محبوب تو ہماری نظروں میں ہے" اور "ہم تجھے اطاعت گزار بندوں میں منتقل ہوتا دیکھتے رہے ہیں"۔ کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ "میں اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل کیا جاتا رہا ہوں" کو ثابت اور اجاگر کرنے کے لئے کس قدر محنت شاقہ اور اہتمام خاص سے کام لیا گیا ہے اور یہ بھی کہ لوگ والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے ایمان و مغفرت کو متنازع بنانے میں حق بجانب ہرگز نہیں ہیں۔ رسول اکرم ﷺ افصح العرب تھے، آپ ﷺ کی زبان مبارک سے عربی زبان کے الفاظ و محاورات یوں ڈھل کر نکلتے تھے جیسے موتی اور جواہر یا پھول سامنے آرہے ہیں مگر یوں ہی بکھرے ہوئے یا منتشر نہیں بلکہ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں ایسے موتی اور پھول جو ہاروں کی شکل میں پرو کر سامنے آرہے ہیں (10)!

جاحظ کے علاوہ دیگر علمائے ادب نے بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہونے والے یہ موتی اور پھول چن چن کر اپنی تصانیف کو سجایا ہے، استاد گرامی مولانا عبدالعزیز میمن پر اللہ کی رحمتیں ہوں، یہ بات دنیا نے پہلی بار ان کی زبان قلم سے سنی اور پڑھی کہ ہماری کتب ادب و امالی بلا استثناء لسان نبوت کے جواہر پاروں سے اپنے پہلے باب یا سب سے پہلے لیکچر کا آغاز کرتی ہیں! حمی الوطیس (معرکہ گرم ہو گیا) اور ہدنۃ علی دخن (سلگتے ہوئے دھوئیں پر معاہدہ امن) جیسے محاورے آپ ﷺ سے قبل عربی زبان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے، مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی صحابیات میں زینب نام کی خواتین بہت زیادہ تھیں، ان میں سے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: انا زینب (میں زینب ہوں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ای الزیانب انت "تو کون سی زینب ہے" زینب کی جمع زیانب سے

عربی زبان پہلے آگاہ نہیں تھی!

آپ ﷺ کی امہات صالحات طیبات میں عاتکہ (بمعنی طاہرہ) اور فاطمہ (بمعنی دنیاوی آلائشوں سے پاک) کے نام کی خواتین بہت آئی ہیں، غزوہ حنین میں آپ ﷺ کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا تھا! انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب ''اس میں کوئی شک نہیں میں ہی اللہ کا نبی ہوں اور میں عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا فرزند ہوں'' اس موقع پر زبان نبوت سے جو جواہر عربیہ بھی ڈھل کر نکلے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ انا ابن الفواطم والعواتک ''میں فاطماؤں اور عاتکاؤں کا لخت جگر بھی ہوں!!''۔

اوپر اس فصل میں جو 62 نام آئے ہیں ان میں یہ فواطم اور عواتک تلاش کی جا سکتی ہیں اس کا مطلب ہے کہ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کے کردار کو جس طرح حسن اخلاق سے سجایا تھا اسی طرح آپ ﷺ کے حسب ونسب کو بھی پاک اور محفوظ رکھا تھا، پھر اللہ تعالیٰ کے فرمان (11): وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ⑪ ''جہاں تک آپ ﷺ پر رب کے انعامات کا تعلق ہے تو انہیں بیان کر کے لوگوں کو سناتے رہیے! اسی ارشاد ربانی کی تعمیل میں رسول اعظم و آخر ﷺ کے لئے دنیا پر یہ واضح کرنا لازم ٹھہرا تھا کہ ازل میں جس نبی اول و آخر ﷺ کی پیروی وتصدیق کے لئے تمام نبیوں سے عہد لیا گیا، جس نے تمام نبیوں کی نبوت کی تصدیق کرنا اور شہادت دینا تھی اور جس نے دنیا میں توحید کا ڈنکا بجا کر فرعونوں، نمرودوں اور شدادوں کو اپنی خفت وحقارت کا احساس دلا کر خدائی کے دعوے کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ازلی وابدی شریعت کو محفوظ ومصئون کر کے دائمی ضابطہ حیات بنانا تھا اس کی یہ شان بھی ضروری تھی! اس کی سیرت وشخصیت کو ہر قسم کے نقائص اور عیوب سے پاک رکھنا بھی لازم تھا۔

اسی طرح والدین کریمین رضی اللہ عنہما طاہرین مومنین کے متعلق انتہائی احتیاط سے کام لینا بھی واجب ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حضور ﷺ کی اذیت کا باعث بن کر ملعون ٹھہرا دیئے جائیں! اسبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد یعنی سیرت شامیہ کے فاضل مصنف امام

محمد بن یوسف صالحی دمشقی نے ارشاد نبوی ﷺ انا ابن العواتک والفواطم "یعنی میں عاتکاؤں اور فاطماؤں کی اولاد ہوں"۔ کی مفصل تشریح کی ہے اور عواتک اور فواطم کی تفصیل بھی دی ہے (12)، عواتک اور فواطم کی لغوی تشریح بھی پیش کی ہے اور بتایا ہے کہ عاتکہ کے ایک معنی تو طاہرہ اور پاک دامن کے ہیں اور اس کے علاوہ عاتکہ شریف، محترم اور سردار عورت کو بھی کہتے ہیں، لیکن ان کی یہ بات بھی بہت اہم اور قابل توجہ ہے کہ اس سے نبی محتشم ﷺ کا مقصد فخر و مباہات نہیں ہے بلکہ بیان حقیقت اور تحدیث نعمت ہے اور اس بات کا اعلان واطمینان ہے کہ رسول اعظم و آخر ﷺ کا منصب نبوت و رسالت پر فائز ہونا اللہ تعالیٰ کا منشا و تقدیر تھی کیونکہ وہی اس بات کا علم رکھتا ہے کہ اس منصب کا اہل کون ہے اور یہ کس کے شایان شان ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ'' اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ وہ اپنی رسالت اور پیغام رسانی کا بار امانت کس کو سونپیں (13)!!

لیکن یہاں بھی فخر و مباہات ہرگز مقصود نہیں ہے بلکہ یہ بھی تحدیث نعمت اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی پر اظہار تشکر کے ساتھ اس بات کا اعلان ہے کہ حضور ﷺ کا حسب و نسب اور شرافت قدرت ربانی کا عطیہ ہے اور اس حقیقت سے سب کا آگاہ ہونا ضروری ہے، اہل ایمان کے لئے یہ نفاست و نظافت اور پاکیزگی و طہارت تقویت ایمان اور اطمینان قلب کا باعث ہوگا جب کہ دنیا والوں کے لئے دعوت فکر ہوگی کہ اس حسب و نسب اور عز و شرف کا حامل والا صادق و امین ہی منصب رسالت و نبوت کا مستحق ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جس ہستی کو اپنے اس کرم و شرف سے نوازا ہے وہ اس کے مشن دین اور کتاب زندہ کی ضامن و محافظ ہے! رسول اللہ ﷺ کو اپنی والدہ ماجدہ سے بے پناہ محبت ہے اس جواں مرگ بیوہ پاک دامن خاتون اعظم نے دم واپسیں ابواء کے مقام پر اپنے لخت جگر کے رخ انور کو دیکھتے ہوئے دعائیں دی تھیں، مستقبل میں آپ ﷺ کے منصب سیادت و قیادت پر فائز ہونے کی آرزو کی تھی اور حق پر ثابت قدمی اور باطل سے اجتناب کی مشفقانہ تلقین فرمائی تھی (14) وہ رسول اعظم ﷺ نے ہمیشہ ملحوظ رکھی اور اپنی تمام بزرگ صالحہ و طاہرہ امہات کے

احترام کے علاوہ جو رضاعی مائیں زندہ تھیں ان کی دیکھ بھال، صلہ رحمی اور محبت واحترام کو عملی طور پر جاری رکھا اور "ماں کے قدموں تلے جنت ہے" کا دنیا کو درس دینے والے نے اپنے عمل سے بھی اسے پوری طرح ثابت کر دیا! یہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی مشفقانہ تربیت اور احکام ربانی پر یقین محکم اور عمل پیہم کا زندہ جاوید اسوہ حسنہ ہے!

شعراء کا نذرانہ عقیدت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے حضور میں

مدح رسول ﷺ اور نعت گوئی عہد نبوی میں ہی شروع ہوگئی تھی، کئی ایک عرب شعراء نے رسول اللہ ﷺ کی مدح کی، ان میں عرب کا ایک عظیم شاعر جو فحول شعراء (بڑے اور پختہ کلام شعراء) میں سے تھا اور بعثت نبوی کے وقت زندہ تھا، جس کا نام قیس اور لقب الاعشی الکبیر ہے اور ضخیم دیوان کا مالک ہے، اس نے اپنا دالیہ قصیدہ حضور ﷺ کی مدح میں کہا تھا جو شاعر کے دیوان میں موجود ہے اعشی کے اس قصیدہ کے دو شعر ہیں:

نبی یری مالا یرون وذکرہ أغار لعمری فی البلاد و أ نجدا

لہ صدقات ما تغب ونائل ولیس عطاء الیوم یمنعہ غدا

"آپ ایک ایسے نبی ہیں جو ایسی چیزیں جانتے ہیں جنہیں لوگ نہیں جانتے جب کہ آپ کا ذکر دنیا کے ہر نشیب و فراز میں پھیل چکا ہے، آپ کی بخشش اور عطا میں دیر نہیں لگتی اور آج کی عطاء کے بعد آنے والے کل میں بھی آپ عطا فرماتے ہیں"۔

اعشی کبیر کے علاوہ بھی بہت سے عرب شعراء نے مدح مصطفیٰ ﷺ میں حصہ لیا، خصوصاً انصار کے تین شعراء حضرت حسان، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم نے کفار مکہ کے شعراء کے "شعری حملوں" کا خوب جواب دیا اور رسول اللہ ﷺ کی مدح میں بھی قصائد کہے، ان شعراء کے کلام میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے قبیلہ بنو زہرہ کی فضیلت کو بھی موضوع سخن بنایا گیا ہے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

اومن بنی زھرۃ الاخیار قد علموا أومن بنی جمح البیض المناجیدا

"کاش میں بنو زہرہ میں سے ہوتا جو لوگوں میں چنے ہوئے نیک لوگ مشہور ہیں! یا میں بنو جمح کے شریف بہادروں میں سے ہوتا"۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور عزت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت حسان

فرماتے ہیں:

تا للہ ما حملت أنثى ولا وضعت　　مثل الرسول نبی الأمة الهادی

''اللہ کی قسم! نہ کسی عورت کے پیٹ میں بچے نے پرورش پائی نہ کسی نے ایسے بچے کو جنم دیا جیسے کہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو اس امت کے نبی اور ہادی ہیں''۔

اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ آپ ﷺ ہی اپنے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے اکلوتے فرزند تھے اور آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے جسم پاک سے ایک نور الگ ہوا جس نے خلق خدا کے لئے حق کی روشنی عام کر دی اور اس نور کو سب نے دیکھا حضرت حسان اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یابکر آمنة المبارک بکرها　　ولدته محصنة بسعد الاسعد

نورا أضاء علی البریة کلها　　من یهد للنور المبارک یهتدی

''اے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پلوٹھی کے فرزند! اور ان کا یہ پلوٹھی کا فرزند بہت بابرکت ہے! آپ ﷺ کو انہوں نے خوش بخت ترین گھڑی میں جنم دیا ایسی حالت میں کہ وہ پاکباز و پاک دامن خاتون تھیں۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسے نور کو جنم دیا جو تمام مخلوق کے لئے روشن ہو کر چکا تھا! اب جو اس نور سے مستفید ہونے کے لئے رستہ پالے گا وہی اس بابرکت نور حق کے طفیل ہدایت یافتہ ہوگا''۔

نضر بن حارث قریش کے ان مفسدوں میں سے تھا جو پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں کو ستانے اور ان کا تمسخر اڑانے میں پیش پیش تھے جنگ بدر کے موقع پر وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا، اس کی بیٹی قتیلہ بنت نضر بن حارث نے اس موقع پر کچھ شعر کہے اور رسول اللہ ﷺ کو بھجوائے ان میں یہ شعر بھی تھا جس سے سیدہ آمنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کی مدح ظاہر ہوتی ہے:

أمحمد، ولأنت ضنء نجیبة　　فی قومها والفحل فحل معرق!

''اے محمد ﷺ! اور آپ ﷺ تو ایک شریف و نجیب عورت کے فرزند ہیں جو

اپنے قبیلے میں بڑی معزز ومحترم تھی اور اس کا شوہر بھی ایک شریف اور بہادر مرد تھا"۔

مشہور قصیدہ بردہ شریف کے شاعر امام محمد بن سعید البوصیری نے مدح رسول اللہ ﷺ میں متعدد قصائد لکھے ہیں ان میں سے ایک ان کا ہمزیہ قصیدہ بھی ہے جو قصیدہ بردہ کی طرح بہت طویل ہے اور سیرت طیبہ کے بہت سے پہلوؤں پر مشتمل ہے، آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے اس قصیدے کے چار شعر ہیں:

فهنيئا لآمنة الفضل الذی شرفت به حواء
من لحواء أنها حملت أحمد أو أنها به نفساء
يوم نالت بوضعه ابنة وهب من فخار مالم تنله النساء
وأتت قومها بأفضل مما حملت قبل مريم العذراء

"تو اسی لئے خوشگوار اور مبارک ہو آمنہ رضی اللہ عنہا کے لئے وہ فضیلت جس کا شرف ان کے طفیل حضرت حواء کو بھی حاصل ہو گیا ہے۔ کون ہے جو بنت حواء کو مبارک دے کہ وہ شکم میں احمد ﷺ کو اٹھائے ہوئے ہے یا اس کو جنم دینے کا شرف پا چکی ہے۔ اس دن جب کہ آپ ﷺ کو جنم دے کر وہب کی بیٹی نے ایسا فخر حاصل کیا جو دوسری عورتوں میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے پاس ایک افضل ترین ہستی کو لے کر آئیں جو اس ہستی سے بھی افضل ہے جو کنواری مریم اپنے لوگوں کے پاس اٹھا لائی تھیں"۔

امام بوصیری کے نعتیہ قصائد میں سے ایک دالیہ قصیدہ بھی ہے، یہ بھی ہمزیہ اور میمیہ (قصیدہ بردہ) کی طرح خاصہ طویل ہے، اس کے دو شعر ہیں:

الى سيد لم تأت انثى بمثله ولاضم حجر مثله ولا مهد
ولم يمش فى نعل ولا وطئ الثرى شبيه له فى العالمين ولانئد

"ایک ایسے آقا ﷺ تک جن کی مثل کسی اور عورت نے نہیں جنا، نہ ان جیسا کسی ماں کی گود میں کھیلا اور نہ گہوارہ میں دیکھا گیا۔ آپ ﷺ جیسا کوئی نعلین پہن کر

چلا ہے اور نہ ان جیسے کسی نے زمین پر قدم رکھا ہے، نہ تو کائنات میں ان جیسا کوئی ہے اور نہ آپ کا کوئی شریک ہوا ہے"۔

عربی زبان میں نعت گوئی اور مدح رسول ﷺ کی امامت تو بلاشبہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعر دربار نبوت کے حصے میں آتی ہے تاہم عربی نعت گوئی کو بام عروج پر پہنچانے کا شرف امام بوصیری اور علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمہما اللہ کو حاصل ہے، بوصیری کے نعتیہ قصائد سے یوں لگتا ہے جیسے وہ فنافی مدح رسول ہیں! تاہم علامہ نبہانی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے تک کے تمام قصائد جو نعت یا مدح رسول اللہ ﷺ میں کہے گئے انہیں یک جا کر دیا ہے اور تین ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب کو "المجموعة النبهانية" کا نام دیا ہے، یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ خود بھی محبت رسول ﷺ میں ڈوب کر نعت کہتے ہیں، اس مجموعہ میں ان کے اپنے بھی بے شمار قصائد جمع ہیں بوصیری کے قصیدہ ہمزیہ کی تقلید کرتے ہوئے نبہانی نے بھی ایک ہمزیہ قصیدہ رسول اللہ ﷺ کی نذر کیا ہے، فرماتے ہیں(7):

ما تت ام النبی وهوابن ست وأبوه، وبيته الاحشاء

ثم أحياهما القدير فحازا شرف الدين، حبذا الاحياء

وهما ناجيان من غير شك فترة أوحياة، أو حنفاء

ليس يرتاب في نجاتهما الارفيع في الدين، أورقعاء

كيف ترجى النجاة للناس ممن ما أتى والدين منه النجاء

أيرون الدعاء ما كان منه لما، أودعا، وخاب الدعاء

"نبی ﷺ کی والدہ ماجدہ فوت ہوئیں تو آپ ﷺ کی عمر چھ برس تھی، اور آپ ﷺ ابھی ماں کے پیٹ میں ہی تھے جب آپ ﷺ کے والد ماجد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پھر اللہ قادر مطلق نے ان دونوں کو زندہ کر دیا، اسی طرح انہوں نے ایمان لانے اور مسلمان ہونے کا شرف پالیا، کیا کہنا اس زندہ کیے جانے کا۔

اور وہ دونوں والدین کریمین رضی اللہ عنہما بلاشبہ بخشے ہوئے ہیں یا تو ''فترت'' میں پیدا ہونے کے باعث، یا زندہ کیے جانے کے طفیل، یا اس لئے کہ وہ حنیف تھے یعنی توحید پرست تھے اور بت پرستی سے بیزار تھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو اور ان سے جو ہم میں سے نیک ہیں اور جو کمینے ہیں وہ ناراض ہوتے رہیں۔ ان دونوں کی بخشش میں وہی شک کرتا ہے جو مرد عقیدے میں بیکار اور نکما ہوتا ہے یا جو عورت اپنے عقیدہ میں بیکار ہوتی ہے۔ وہ لوگ بخشش کی کیا امید رکھتے ہیں جو دین کے سرچشمے سے بے خبر ہیں۔ کیا ان لوگوں کو یہ پتہ نہیں کہ نبی اکرم ﷺ ان کے لئے دعا فرمائیں اور اللہ جل شانہ ان کی اس دعا کو قبول نہ فرمائیں''۔

عرب شاعر شہاب الدین محمود ولادت نبوی کا تذکرہ کرتے ہیں اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ان ارشادات کو یاد کرتے ہیں جو انہوں نے ولادت نبوی سے قبل اور ولادت کے بعد بکثرت بیان فرمائے تھے، وہ کہتے ہیں:

وآمنة لم تلق فی حملک الأذا وقد أمنت من کل ضیم وشدة

وقیل لها فی السر آمنة أبشری بحمل رسول الله خیر الخلیقة

وقد أبصرت نورا أضاء لها به معاهد بصری کلها وتجلت

''اور اے رسول برحق! جب آپ شکم آمنہ رضی اللہ عنہا میں تھے تو انہیں آپ ﷺ سے کوئی بوجھ یا تکلیف نہیں محسوس ہوئی بلکہ وہ ہر زیادتی اور سختی سے بھی مامون و محفوظ ہو گئی تھیں۔ انہیں رازداری سے بتا دیا گیا تھا کہ اے آمنہ رضی اللہ عنہا! آپ کو خوشخبری ہو آپ اللہ تعالیٰ کے رسول کی ماں بننے والی ہیں جو تمام مخلوق سے افضل و برتر ہیں۔ اور انہوں نے ولادت کے وقت ایک روشنی دیکھی تھی جس کے سبب انہیں شہر بصریٰ کے تمام مکانات و محلات واضح طور پر دکھائی دیئے تھے''۔

جدید عربی شاعری میں مصر کے قومی شاعر احمد شوقی کو بہت بلند اور نمایاں مقام حاصل ہے، شوقی نے کئی ایک انبیائے کرام کی شان میں شعر کہنے کے علاوہ دو طویل قصیدے سو سے

زائد شعروں پر مشتمل کہے ہیں جو رسول اکرم ﷺ کی مدح میں ہیں اور یہ دونوں قصیدے امام شرف الدین محمد بن سعید بوصیری کی یاد دلاتے ہیں ان میں سے ایک قصیدہ میمیہ ہے جو ''نہج البردۃ'' یعنی قصیدہ بردہ کی طرز پر ہے، دوسرا قصیدہ ہمزیہ ہے، یہ بھی امام بوصیری کے قصیدہ ہمزیہ کی طرز پر ہے مگر اس قصیدے میں نہ صرف شوقی اپنی شاعری کی بلندیوں پر نظر آتا ہے بلکہ اس نے مدح رسول میں بھی عربی نعت گوئی کی چوٹی سر کر لی ہے، شوقی کا ہمزیہ ولادت کے حوالے سے شروع ہوتا ہے مگر اس میں شاعر نے جو نئے معانی و افکار پیدا کیے ہیں اور حسین و جاذب نظر الفاظ و تراکیب میں جو جدت پیدا کی ہے وہ عربی نعت گوئی کو ایک نیا رنگ عطا کرتی ہے اور ایک نئے رخ پر ڈالتی ہے، شوقی کے یہ معانی و افکار اور یہ اسلوب بیان عربی شاعری کی بھی ایک نئی دنیا کو سامنے لاتا ہے، احمد شوقی کے قصیدۂ ہمزہ کا مطلع ہے:

ولد الهدى فالكائنات ضياء وفم الزمان تبسم وثناء

''سراپا ہدایت کی ولادت ہوئی تو کائنات روشنی بن گئی! زمانے کا منہ تبسم اور ثنا بن گیا''۔

شاعر نے اپنے اس مطلع القصیدہ میں عربی زبان کے چار مصدر استعمال کیے ہیں مشتق کے برعکس مصدر زیادہ فصیح و بلیغ اور زیادہ پر معنی ہوتا ہے، اسی طرح مشتق کے مقابلے میں یہ کثرت اور دوام پر بھی دلالت کرتا ہے اسی طرح فعل کے مقابلے میں اسم مصدر بھی زیادہ پر معنی اور فصیح ہے کیونکہ فعل حدوث یعنی واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے جب کہ مصدر وسعت اور جامعیت کے علاوہ دوام پر بھی دلالت کرتا ہے۔ ظاہر ہے حادث ہونا ایک عارضی چیز ہے جب کہ مصدر دوام و ثبات کا متقاضی ہے، اس شعر میں فعل صرف ایک ''ولد'' ہے یعنی پیدا ہوا، کائنات اسم ہے، فم الزمان دو اسموں کا مرکب اضافی ہے، فم الزمان تبسم و ثناء خوبصورت استعارہ ہے اور مبالغہ پر بھی دلالت کرتا ہے، زمانے کا منہ تبسم و ثنا ہے یعنی زمانہ سراپا مسکراہٹ اور ستائش بن گیا ہے، زمانہ کا منہ مسکرایا نہیں اور نہ فاعل مسکرانے والا ہے بلکہ سراپا مسکرانا اور سراپا ستائش کرنا ہے، زمانہ تھوڑا مسکراتا یا ستائش کرتا ہے یہ تو اہل زمانہ

ہیں جو مسکراتے اور ستائش کرتے ہیں! اسی طرح ہدایت دینے والا ہادی اور روشن کرنے والا یعنی "مضی" بھی نہیں استعمال کیا اور نہ یہ کہا کہ ہدایت دی یا روشن کیا بلکہ مجسم ہدایت کہا ہے، یہ نہیں کہا کہ ہدایت دینے والے محمد ﷺ پیدا ہوئے بلکہ یہ کہا کہ سراپا ہدایت کی ولادت ہوئی اور یہ اسلوب کمال فصاحت و بلاغت کا عجب رنگ لیے ہوئے ہے۔

پھر کہتے ہیں:

والروح والملأ الملائک حوله للدین والدنیا به بشراء

والوحی یقطر سلسلا من سلسل واللوح والقلم البدیع رواء

نظمت أسامی الرسل وهی صحیفة واسم محمد فیها طغراء

"روح الامین جبریل اور ان کے ساتھ فرشتوں کی تمام محفل اس سراپا ہدایت کے سبب تمام دین و دنیا کے لئے خوشخبری دینے والے بن گئے ہیں۔ وحی ربانی کا سلسلہ مسلسل جاری و ساری ہے، لوح محفوظ اور انوکھا قلم بھی تر و تازہ ہیں۔ رسولوں کے نام ترتیب سے لکھے گئے ہیں جو ایک صحیفہ کی شکل میں ہیں اور "محمد" ﷺ کا اسم پاک اس صحیفہ رسل کا سرعنوان ہے"۔

اگلے تین شعروں میں ولادت کے حوالے کے ساتھ ساتھ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی ارشاد ہے جو حضرت حواء کی نمائندگی کرتی ہیں اور اسی کے ساتھ ہی بنو ہاشم کے توحید پرست حنفاء کا تذکرہ بھی ہے۔ جو اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نور نبوی اصلاب طاہرہ سے ارحام طیبہ میں منتقل ہوتا رہا۔

یا خیر من جاء الوجود تحیة من مرسلین الی الهدی بک جاء وا

بیت النبیین الذی لا یلتقی الا الحنائف فیه والحنفاء

خیر الأبوة حازهم لک آدم دون الأنام وأحرزت حواء

"اے وہ ہستی جو ان منتخب انبیاء کرام میں افضل ترین ہے جو دنیا میں سلامتی کا پیغام بن کر آئے وہ سب آپ کے سبب آئے اور میثاق ازل کے بعد آئے۔ آپ

ﷺ کا تعلق ایسے گھرانے سے ہے جو نبیوں کا گھرانہ ہے اور جس میں صرف توحید پرست حنفاء مرد اور توحید پرست خواتین ہی باہم رشتہ ازدواج میں منسلک کیے جاتے رہے (یعنی آپ کے آباء و امہات سب صالح و توحید پرست تھے)۔ آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کے ان آباء و اجداد کو اپنی پشت میں رکھا جو سب کے سب بھلے لوگ تھے! دوسروں کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا! اسی طرح آپ ﷺ کے لئے آپ ﷺ کی جن امہات کو حضرت حواء نے اپنے پاک رحم میں رکھا وہ بھی بہترین اور نیک مائیں تھیں"۔

"حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے حضور شعراء کا نذرانہ عقیدت" اگر ڈاکٹریٹ کے مقالے کا عنوان ہو تو شاید موضوع کے ساتھ انصاف کیا جا سکے، اس مختصری کتاب کی ایک چھوٹی سی فصل میں تو "مشتے نمونہ از خروارے" ہی ممکن ہے، عرب شعراء نے مدح رسول اللہ ﷺ کے ضمن میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو جو خراج تحسین پیش کیا ہے وہ بھی بہت وسیع دنیا ہے اسی طرح فارسی، اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں میں بھی سیرت و مدح رسول کا جولا محدود لٹریچر وجود میں آگیا ہے اس میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو بھی خراج عقیدت و احترام پیش کیا گیا ہے اس لئے اس کے احاطہ کی کوشش بھی روا نہیں البتہ دو باتیں کہنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا!

ایک تو یہ کہ اردو شعراء نے "آمنہ کا لال" کی ترکیب بکثرت استعمال کی ہے:
مثلاً حفیظ جالندھری کہتے ہیں:

سلام اے آمنہ کے لال محبوب سبحانی
سلام اے فخر موجودات، فخر نوع انسانی

یا عظیم قریشی اس بات کو ذرا مختلف انداز میں کہتے ہیں!

سلام "علی گوہر آمنہ سلام" علی محور فاطمہ

عارف رحمانی بھی تقریباً یہی بات کہتے ہیں:

اے جگر گوشئہ آمنہ السلام حاصل مقصد دو سرا السلام!

غالباً ''آمنہ کا لال'' کی ترکیب کو اردو زبان میں متعارف کرانے کا سہرا مصور غم علامہ راشد الخیری دہلوی کے حصے میں آتا ہے جنہوں نے ولادت نبوی کے حوالے سے ایک خوبصورت کتاب لکھی اور اس کا یہی نام رکھا تھا!

لیکن اردو شعراء نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو خراج عقیدت پیش کرتے وقت ایک وسیع کینوس کو بھی سامنے رکھا ہے اور سیرت پاک کے اس پہلو کو اپنے اپنے مختلف رنگوں میں بھی پیش کیا ہے اور شاعرانہ فکر و معنی کی بھی ایک وسیع دنیا تخلیق کر کے اردو ادب کو چار چاند لگا دیئے ہیں جیسے مثلاً صاحب مسدس فرماتے ہیں۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے خلیل و نوید مسیحا!

برعظیم پاک و ہند میں فن نعت گوئی کی امامت و قیادت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں آتی ہے، وہ مدح مصطفیٰ ﷺ کے میدان میں ایک نرالا رنگ ڈھنگ رکھتے ہیں اور ان کا انداز گفتار اور اسلوب بیان بھی ان کا اپنا ہی ہے جو انہی کو زیب دیتا ہے، سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی قدر و منزلت کا بھی وہ کامل احساس رکھتے ہیں اس لئے جب وہ ان کی شان عظمت کا گیت گاتے ہیں تو ایک خاص انداز اپناتے ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اولوا العزم انبیائے کرام علیہم السلام کی امہات طیبات میں والدہ ماجدہ مصطفیٰ ﷺ کے امتیازی رتبہ و مقام کے متعلق خصوصی تصور رکھتے ہیں، وہ یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ رسول اعظم و آخر ﷺ کی والدہ ماجدہ سب سے نمایاں، سب سے زیادہ خوش نصیب اور سب سے اعلیٰ و برتر ہیں اس لئے کہ وہ جس ہستی کی ماں ہونے کا فخر رکھتی ہیں وہ بھی سب سے اعلیٰ و اولیٰ نبی ہیں، وہ ایک جگہ والدہ ماجدہ سیدنا مسیح علیہ السلام سے حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی شان عظمت کا تقابل کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ''وہی سب سے افضل آیا'' ہیں۔

وہ کنواری پاک مریم، وہ نفخت فیہ کا دم
ہے عجب شان اعظم مگر آمنہ کا جایا

وہی سب سے افضل آیا

اول النبیین خلقا (تخلیق میں سب سے پہلے نبی) اور آخر النبیین بعثا (ظہور میں سب سے آخری نبی) حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی والدہ ماجدہ ہونے کا جو شرف سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا مقدر ٹھہرا ہے وہ بے انتہا قابل فخر اور بے اندازہ باعث مباہات ہے، یہ وہ مقدر ہے جس پر تاریخ بھی ناز کرتی ہے کیونکہ یہ ایک ایسا مقدر ہے جو بے مثال و بے نظیر ہے اور جس نے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کو تاریخ انسانی کی خوش نصیب ترین ہی نہیں عظیم ترین ماں بھی بنا دیا ہے! بھلا اس سے بڑی خوش نصیبی اور اس سے بڑھ کر اور عظمت کیا ہوگی کہ سیدہ آمنہ بنت وہب تاریخ کے سب سے بڑے آدمی کی والدہ ماجدہ ہیں؟! جن کی بڑائی کو صرف اپنوں نے ہی نہیں بلکہ غیروں نے بھی دل سے مانا اور دنیا سے منوایا بھی! عصر حاضر کے ایک مغربی مصنف نے دنیا کے سو منتخب بڑے انسانوں میں سب سے بڑا آدمی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو مانا ہے آخر کیوں نہ ہو آپ ہی کا ظہور مقدس ہی تو ظلمت و نور اور جہالت و علم کے درمیان حد فاصل ہے، ان کے طلوع آفتاب کے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہی اجالا ہے! آپ ہی تاریخ کا وہ نقطہ ہیں جہاں سے مسلسل حق کی فتح اور باطل کی لگاتار شکست جاری ہے جو نظام قدرت کے مطابق فتح کی آخری منزل کی طرف رواں دواں ہے! اقرأ کا تاریخی حکم جہالت کی موت کا اعلان اور علم کی حیات جاوداں کی شہادت ہے، وہی تو نبی العلم اور رسول عدل و سلامتی ہیں جنہوں نے آزادی و مساوات کا ڈنکا بجا کر احترام آدمیت کا اعلان فرمایا، بقول ایک ہندو شاعر:

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

ایسے رسول اعظم و آخر ﷺ کی والدہ ماجدہ تاریخ انسانی کی سب سے خوش نصیب اور سب سے عظیم ماں کیوں نہ ہو؟

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی اسی شان عظمت کا احساس دلاتے ہیں اور سیدہ کی گود کو بلند ترین گہوارہ اور ان کی ذات کو مہتاب رسالت کا

برج قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

مہد والا کی قسمت پہ صدہا درود برج ماہ رسالت پہ لاکھوں سلام!!

ہمارے اردو شعراء نے اپنی نعت گوئی اور مدح سرائی میں شعوری اور لاشعوری طور پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی پیروی کی ہے اور ان کے دیئے ہوئے معانی وافکار کو نئے سے نئے رنگ دے کر آگے بڑھایا ہے پاکستان کے نعت گو شاعر حضرت صائم چشتی بلاشبہ ایک اچھے نعت گو ہیں انہوں نے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی ایک خوبصورت منقبت لکھی ہے، وہ اس منقبت میں سیدہ کے بلند مرتبہ ومقام کا احساس دلاتے اور بے نظیر و بے مثال مقدر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے توحید ربانی اور مسلک حنیفیت پر ان کے ایمان صادق کا ذکر کرتے ہیں اور یہ آرزو کرتے ہیں کہ انہیں بھی جنت الفردوس میں سیدہ کی معیت نصیب ہو تا کہ شفاعت مصطفوی سے نوازے جائیں! ایک حدیث نبوی ہے کہ شعراء تلامیذ الرحمٰن ''شعراء اللہ کے شاگرد'' ہوتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ رحمت خداوندی کا آن پر فیضان ہوتا ہے اور شعراء کو انوکھے معانی اور افکار سوجھتے ہیں، اس منقبت میں حضرت صائم بھی ایک انوکھا تصور پیش کرتے ہیں کہ بنو ہاشم کا تمام خانوادہ جو سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا گھرانہ ہے وہ ازل تا ابد پاک ہی پاک ہے! گویا حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کا تمام گھرانہ ابولہب کے سوا نبوت سے قبل یا نبوت کے بعد رسول ہاشمی ﷺ پر ایمان لا چکا تھا اور آپ کے تینوں چچاؤں نے مصلحت دین کی خاطر دفاع اسلام کے لئے اپنا اپنا محاذ سنبھال لیا تھا!

حضرت صائم کی یہ منقبت دیکھئے، پڑھنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہے، فرماتے ہیں:

واہ رتبہ ترا سیدہ آمنہ نور ہے آپ کا سیدہ آمنہ
کب کس کے مقدر میں ہے، وہ ہوا آپ کو جو ملا سیدہ آمنہ
ساری توحید ہے تیری آغوش میں مومنہ، مسلمہ، سیدہ آمنہ
کس کو ایمان ہے، ان سے بڑھ کر ملا گھر ہیں ایمان کا سیدہ آمنہ
آپ مالک ہیں کوثر کی، فردوس کی نور حق کی ضیا سیدہ آمنہ

سارے نبیوں کا سلطان و سردار ہے آپ کا لاڈلا سیدہ آمنہ

آپ ملکہ ہیں جنت کی، فردوس کی آپ پر ہم فدا سیدہ آمنہ

سب فرشتوں کی جھکتی جبیں ہے جہاں وہ ہے حجرہ ترا سیدہ آمنہ

از ازل تا ابد پاک ہی پاک ہے سب گھرانہ ترا سیدہ آمنہ

اپنے محتاج صائم پہ بہر خدا ہو نگاہ عطا سیدہ آمنہ

ہم اس دلچسپ اور اہم باب کا اختتام ایک طویل منقبت پر کرتے ہیں جو فیصل آباد کے ایک ابھرتے ہوئے نعت گو شاعر جناب افضال احمد انور نے لکھی ہے یہ اس عاشق رسول کی عقیدت و محبت کا عکس ہے جو وہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے لئے اپنے دل میں رکھتے ہیں، اس طویل مگر نفیس و خوبصورت منقبت سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اردو کے نعت گو شعراء اپنے نبی محبوب و محتشم ﷺ کی والدہ ماجدہ سے کتنی گہری عقیدت رکھتے ہیں اور وہ ان کی نظر میں کس مرتبہ و مقام کی مالک ہیں، انور صاحب نے سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی سیرت و شخصیت کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا، اس لحاظ سے یہ ایک جامع و کامل منقبت قرار دی جا سکتی ہے لیکن یہ حضرت آمنہ کی طویل ترین اردو منقبت بھی ہے۔

منقبت حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

ازقلم: پروفیسر افضال احمد انور
جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

ام شہ کون و مکاں ہیں سیدہ بی آمنہ
معیار جملہ مادراں ہیں سیدہ بی آمنہ

ممدوحہ کون و مکان مخدومہ پیغمبراں
فخر زمین و آسماں نور یقین مومناں
مشکل کشائے امتاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

ان کا وجود احسان اماں ان کا ہے در کعبے کی جاں
گھر ہے مطاف قدسیاں مرقد عقیدت کا نشاں
بحر سخائے بیکراں، ہیں سیدہ بی آمنہ

پاکیزہ و تسبیح خواں ایقان کی روح و رواں
ایمان کی تاب و تواں تقدیس کی جائے اماں
عفت مآب و پاک جاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

عظمیٰ، ذکیہ، ذاکرہ کرمیٰ، کریمہ، صابرہ
کبریٰ، جلیلہ، طاہرہ رشدیٰ، رشیدہ، شاکرہ
غم خوار، تاباں، قدرداں، ہیں سیدہ بی آمنہ

حسنیٰ، ظہیرہ، زاہدہ سلمیٰ، سلیمہ، عائذہ
علیاء، عقیلہ، حامدہ شرفیٰ، رئیسہ، راشدہ
دانا، توانا، مہرباں، ہیں سیدہ بی آمنہ

ایمان پرور، نکتہ داں الحاد کش، توحید داں
مسند نشیں، گوہر فشاں فریاد رس، راحت رساں
تقدیر دیں کی راز داں ہیں سیدہ بی آمنہ

ان کا خدا معمار کل شوہ ہے، مایہ دار کل
لخت جگر، سردار کل دانندۂ اسرار کل
صدق و صفا کی ترجماں، ہیں سیدہ بی آمنہ

دامن ہے ان کا بالیقیں گہوارۂ ایمان و دیں
ان کے حرم کے زائرین جنت مکیں سدرہ نشیں
زیب مکان و لامکان ہیں سیدہ بی آمنہ

پاکیزہ تر ان کا نسب اور افضل و اشرف حسب
ان کا پسر، محبوب رب ہر نسبت ان کی منتخب
نقد متاع دو جہاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

اللہ اکبر، مرحبا از لطف و فضل کبریا
جن کا ہے جسم باصفا فانوس نور مصطفےٰ
زیب نسائے دو جہاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

حد نظر افزوں زحد بالاتراز وہم و حد
ان کا ادب، دیں کی سند ان پر تحیات ابد
جن پر سلام جاوداں، ہیں سیدہ بی آمنہ

وہ دانش ہر کیف و کم وہ بارش لطف و کرم
وہ تابش لوح و قلم وہ نازش جاہ و حشم
گلزار دیں کی باغباں، ہیں سیدہ بی آمنہ

اللہ کا ان پر کرم کرو بیاں ان کے خدم

بالائے سر ظل نعم سب رفعتیں زیر قدم
جن کے لئے ہر عزوشاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

چھ سال کے تھے شاہ دیں ابوا میں جب راحت گزیں
سرکار کی ماں جی ہوئیں تب روئے خیر المرسلین
جن کا مکان، جنت نشاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

تکریم ان کے رب نے کی وہ یوں کہ جو عمر ان کو دی
اس عمر کی ہوں گی سبھی جملہ خواتین خلد کی
فردوس آراء، کامراں، ہیں سیدہ بی آمنہ

وہ پاک دامن، پاک ہیں گوشہ نشین، خلوت گزیں
وہ انتخاب بہتریں نور نبوت کی امیں
پردہ نشیں، عرش آشیاں، ہیں سیدہ بی آمنہ

یہ ارمغان شاعری انور کی یہ مدحت گری
ہے نذر ام پاک ہی پیش ان کو کیجئے یا نبی
کونین جن کے مدح خواں ہیں سیدہ بی آمنہ

ام شہ کون و مکاں، ہیں سیدہ بی آمنہ
معیار جملہ مادراں، ہیں سیدہ بی آمنہ

سیدہ آمنہ اور ممتا کا مقام بلند

ہم اپنے آقا و ہادی رسول اعظم و آخر ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا مبارک تذکرہ کرنے لگے ہیں مگر ان کے مفصل ذکر مبارک سے پہلے یہ دیکھنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بنو زہرہ کی اس عظیم و جلیل خاتون، قریش کے پاک طینت و پاک باز جوان رعنا و معصوم سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب سلام اللہ علیہا کی رفیقہ حیات اور مقصود تخلیق کائنات، تاریخ انسانی کے سب سے بڑے آدمی اور تاریخ کا دھارا ہی نہیں زمانے کا چلن بدل دینے والے رسول اعظم و آخر ﷺ کو جنم دینے والی سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے طفیل ممتا کا مرتبہ و مقام کس قدر اور کس طرح بلند ہوا اور ان کی برکات سے ان کے فرزند ارجمند ﷺ نے اپنے پیغام و تعلیمات میں ماں کے مقام کو کن بلندیوں تک پہنچا دیا ہے؟!

یہ جاننا اس لئے بھی ضروری ہے کہ امام الانبیاء محسن انسانیت اور آدمی کا بول بالا کر دینے والے سید الاولین و الآخرین ﷺ کو اپنی آغوش شفقت میں لے کر رحمۃ للعالمین کے منصب پر فائز ہونے والے کی تربیت میں اپنا تاریخی ہی نہیں بلکہ تاریخ ساز کردار ادا کرنے والی تاریخ انسانی کی عظیم ترین خاتون اور عالم بشریت کی خوش نصیب ترین ماں کی شخصیت کو فراموش کر کے کتنی بڑی غفلت کا ارتکاب کیا گیا اور اصحاب قلم نے اس باب میں بخل سے کام لے کر احسان فراموشی نہیں کی؟ کیا اس سے دیگر اولوالعزم انبیائے کرام کی ماؤں کے درمیان والدہ ماجدہ سیدنا مصطفیٰ ﷺ کے جائز اعلیٰ و برتر مقام کو کم تر دکھانے کی غلطی نہیں ہوئی؟ میرا قلم آج اور کل کے مؤرخ سے بہ آواز بلند بلکہ دست بگریبان ہو کر سوال کرنے کی جرأت کرتا ہے کہ کیا اس کا پس منظر حاسدین پیغمبر اسلام ﷺ کا وہ بغض و عناد نہیں جو نبوت کے بنو اسرائیل سے بنو اسماعیل میں منتقل ہونے پر پیچ پا ہیں اور آج بھی اسی بغض و حسد کی آگ میں جل رہے ہیں؟ یا اس میں اس مطلق العنان ملوکیت کے منحوس سایہ کا دخل

نہیں جس نے خلافت راشدہ کے بعد اسلامی مفاہیم، شورائی جمہوری طرز حکمرانی، لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ سے عبارت آزادی فکر ورائے اور روح اجتہاد کے سہارے زندہ رہنے والی امت وسطہ۔ کو یکسر گوشۂ گمنامی اور جہالت کی تاریکیوں میں دھکیل کرنابود کرنے کی ناپاک جسارتیں کیں؟ جو کچھ بھی ہوا اس میں خسارہ اہل اسلام کا ہے جنہیں اندرونی اور بیرونی ہاتھوں نے حقائق سے دور رکھا ہوا ہے!!

یہ حقیقت مانے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے وجود پاک اور تاریخ ساز کردار سے ممتا کا مرتبہ ومقام بے اندازہ بلند ہوا ہے ایک تو اس لئے کہ وہ رسول اعظم و آخر ﷺ کی والدہ ماجدہ ہیں جو بلاشبہ محسن انسانیت ہیں اور بطور خاص محسن نسوانیت یا امومت وممتا ہیں دوسرے اس لئے کہ جو دل پاک سیدہ کے سینہ مبارک میں تھا وہ شفقت و رحمت کا گویا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر تھا جس نے صرف چھ سالہ عرصۂ طفولت کے درمیان ہی قلب مصطفیٰ ﷺ کو سرچشمۂ شفقت ورافت بنادیا اور رحمۃ للعالمینی کے لئے مضبوط بنیاد رکھ دی! اسی شفقت ورافت پر ان کے لخت جگر ﷺ کے مکارم اخلاق ومحاسن اعمال کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہوئی اور پھر مکارم ومحاسن کی یہ عمارت ہی اخلاق کے فاتح عالم قلوب ہونے کی مرکزی علامت اور پہچان بن گئی! بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت کا منشا اور تقاضا تھا مگر اس میں سیدہ آمنہ مؤمنہ کے قلب اطہر کے پاکیزہ کردار کا انکار بھی ممکن نہیں! اللہ تعالیٰ کے حکیمانہ ارادہ کا جو چیز وسیلہ اور اس کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہے اس کی اہمیت اور مقام کا اعتراف بھی کرنا ہی پڑتا ہے! لہٰذا عورت کو اس کا جائز مقام دینے اور دلوانے والے رسول اعظم و آخر ﷺ کی والدہ ماجدہ کا ممتا پر جو احسان ہے اس کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں! دنیا جس رسول اعظم و آخر ﷺ کو تاریخ کا سب سے بڑا آدمی مان چکی ہے ان کی والدہ ماجدہ بھی یقیناً انسانی تاریخ کی عظیم ترین خاتون اور خوش نصیب ترین ماں بھی ہیں! اس لئے یہ کہنا دراصل اعتراف حقیقت ہے کہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا عورت پر بہت بڑا احسان ہے اور وہ بلاشبہ ممتا کی لاج ہیں، سیدہ آمنہ کے لال ﷺ ہی

نے تو جنت بھی ماں کے پاؤں کے نیچے قرار دی ہے یہ بھی لسان مصطفوی ہی تھی جس میں والدین میں سے سب سے زیادہ خدمت کی مستحق بھی ماں ہی قرار پائی۔ نبوت کے ان فیصلوں میں سیدہ آمنہ کی شفقت ومحبت کا اپنا کردار ہے اس لئے وہ صرف خواتین اسلام ہی نہیں بلکہ خواتین عالم کی طرف سے بھی خراج عقیدت کی مستحق ہیں!!

یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بنت حواء کو جو کچھ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عطا فرمایا وہ نہ تو اسے کبھی کسی اور سے ملا اور نہ مل سکے گا، شریعت مصطفوی ﷺ نے عورت کے حقوق وفرائض کا ایک معتدل ومنصفانہ نظام دیا ہے جس میں آزادی بھی ہے وقار بھی مگر اس کے ساتھ ہی احترام بھی ہے اور اختیار بھی مگر یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ دنیا کے مسلمان معاشروں نے اپنی جہالت اور پسماندگی کے باعث بنت حوا کا سب کچھ غصب کر رکھا ہے! سیدنا مصطفیٰ ﷺ نے جو کچھ عورت کو عطا فرمایا اس پر مسلمان معاشرے بھی عمل نہیں کر رہے، اس انکار اور گھٹن کا نتیجہ سرکشی اور بغاوت بھی ہو سکتی ہے اگر مسلمان عورت کو اسلامی حقوق وفرائض سے محروم رکھنے پر اصرار ہوتا رہا تو اسلامی مشرق میں بھی وہی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے جو آج مغربی دنیا کے سنجیدہ اہل فکر ودانش کے لئے بھی دردسر بن چکی ہے، مادر پدر آزادی والے حقوق مسلمان عورت کے شایان شان نہیں ہیں اس لئے ذمہ دار مسلم خواتین کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ مسلمان عورت کو وہ تمام حقوق دلوائیں اور فرائض سونپیں جو سیدہ آمنہ کے لال ﷺ کے دین فطرت نے عورت کو عطا کیے ہیں آج ہم تو یہاں ماں کے حقوق اور اس کے قدموں میں جنت کی تلاش کی باتیں کر رہے ہیں مگر دوسری طرف مغربی دنیا کے ملکوں کی ساٹھ سے اسی فی صد آبادی کو تو اپنے ماں باپ کا علم تک ہی نہیں ہے! وہاں ماں کی خدمت، حقوق اور اس کے پاؤں میں جنت کی تلاش تو خواب وخیال کی باتیں ہیں، بوڑھوں کے لئے بنائے گئے مراکز میں ضرورت کی اشیاء تو وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں مگر جو سکون اور جو خوشی اولاد کے ہاتھوں خدمت سے میسر آتی ہے وہ وہاں مفقود ہے، ادھر ہماری جہالت اور پسماندگی نے بھی مسلمان عورت کے حقوق غصب کر کے اسے بے

چینی اور گھٹن میں مبتلا کر رکھا ہے، نام نہاد روشن خیالی کے علمبردار اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمان عورت کو بغاوت و سرکشی پر اکسا رہے ہیں، اگر اسے اسلام کے عطا کردہ حقوق و فرائض سے محروم رکھا گیا تو نتائج کچھ بھی ہو سکتے ہیں! مسلمان معاشروں میں ہر باپ اور ہر بھائی کے ساتھ ساتھ ہر ماں اور ہر بہن کو پوری طرح کمر بستہ ہو کر مسلمان عورت کو اس کے تمام اسلامی حقوق صحیح معنی میں عملی طور پر دلوانے کی کوشش کرنا چاہیے بصورت دیگر کل کو یہاں بھی جاہلیت اولیٰ لوٹ آئے گی اور ہماری آئندہ نسلیں مادر پدر آزادی کے بعد جانوروں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں گی اور وہ خوشی، سکون اپنائیت قطعی معدوم ہو جائے گی جو مشرق کے انسانی معاشروں میں کہیں کہیں آج بھی دکھائی دے جاتی ہے!!

سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی گود میں پرورش پانے اور تربیت حاصل کرنے والے رسول اعظم و آخر ﷺ نے ماں کو ایک مقدس ہستی بنایا، عورت کے حقوق و فرائض کا نہ صرف واضح طور پر تعین فرمایا بلکہ ان پر خود بھی عمل کیا اور دوسروں سے بھی عمل کروایا! اس لئے اسلامی معاشرہ کے لوگوں کو چاہیے کہ عورت کو سیدنا مصطفیٰ ﷺ کی نظر سے دیکھیں اور اسے وہ سب کچھ حاصل کرنے دیں جو اسے سیدہ آمنہ کے لال ﷺ نے عطا فرمایا ہے! اس یقین اور ایمان کے ساتھ کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد ماں کی تربیت کا نتیجہ ہے، رسول اعظم و خاتم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت اور عظمت کے حوالے سے ہماری بات ادھوری اور یہ کتاب بھی نامکمل رہے گی اگر ہم نے اس حقیقت کو عیاں نہ کیا کہ ان کے وجود پاک اور تاریخ ساز کردار سے امومت یا ممتا کا مرتبہ و مقام بے اندازہ بلند ہو گیا ہے! یہ تو مسلم ہے کہ وہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی بھی ماں ہیں کہ ساس بھی ماں ہی ہوتی ہے! رسول پاک ﷺ کی ازواج مطہرات از روئے قرآن کریم تمام امت مسلمہ کی مائیں ہیں لیکن جو ہستی ان کی بھی ماں ہے ان کا درجہ و مقام امت کے لئے خصوصاً امت کی ہر ماں کے لئے کس قدر اہم ہوگا؟

سیدہ آمنہ تاریخ انسانی کی عظیم ترین وخوش نصیب ترین خاتون تو ہیں مگر وہ درحقیقت ممتا کی لاج بھی ہیں! وہ تمام مسلمان ماؤں کے لئے عزت، شرف اور حرمت کا سرچشمہ اولین وآخرین بھی ہیں!! اہل اسلام کی اسی محترم ومقدس ماں کے صدقے ہر مسلمان ماں کو وہ کچھ عطا ہوا ہے، جس کا ان کے بغیر تصور بھی ناممکن تھا! صرف ان کے طفیل ہر ماں کو یہ شرف نصیب ہوا کہ جنت اس کے قدموں کے نیچے قرار پائی ہے! لہٰذا ہر مسلمان ماں کو ان کا احسان مند اور شکر گزار ہونا چاہیے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی عظمت اور اعزاز بھی یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم انہیں خراج عقیدت پیش کریں!!

یہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہی تو ہیں جنہوں نے اپنے ارشادات وتعلیمات سے ماں کا مرتبہ اس قدر بلند فرما دیا ہے، یہ احساس اور شعور سب سے پہلے صرف انہوں نے ہی تو پیدا فرمایا کہ ماں کی ہستی اس شرف واعزاز اور تکریم واحترام کے لائق ہے، شفقت، محبت اور رحمت وہمدردی کو اگر مجسم شکل میں دیکھنا ہو تو ماں کی ممتا میں دیکھو اور اسی جذبے کو سید الاولین والآخرین مصطفیٰ ﷺ کے قلب اطہر میں جاگزیں کرنے اور ذہن میں بٹھانے میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا بھی کردار ہے! انہوں نے اپنے لخت جگر کو ماں کا جو پیار دیا، محبت اور شفقت کا جو عملی سبق دیا اور جس درد وسوز کے ساتھ انہوں نے اپنے در یتیم کی پرورش اور تربیت فرمائی اس نے تاریخ انسانی کے اس سب سے بڑے قائد ورہنما اور رسول اعظم ﷺ کے قلب اطہر کو شفقتوں اور رحمتوں سے بھر دیا اور اس کے ردعمل میں مشفق اعظم رحمۃ للعالمین ﷺ نے ہر ماں کے دامن کو عزت واحترام اور شرف وتعظیم سے بھر دیا، تو یہ سب کچھ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی برکت سے ہوا لہٰذا ہر ماں کو امہات المومنین و المومنات کی اس ماں کی عظمت وتکریم کا قائل ہونا پڑے گا کہ آج جو کچھ ماؤں کے پاس ہے یہ اسی عظیم ترین ماں کا صدقہ ہے!

یہ مانا کہ سید الاولین والآخرین ﷺ ازل سے اپنے رب کی نگاہ کرم کے زیر سایہ تھے کہ اس نے ہی نور نبوت محمدی ﷺ کے تحفظ کا نظام قائم فرمایا اور ابد تک یہی نظام

ناموس محمدی ﷺ کا محافظ ہے مگر یہ بھی تو دیکھیے کہ اسی ذات پاک جل جلالہ نے ہی تو سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس وقت تک زندگی عطا کیے رکھی جس کے دوران میں انہوں نے رحمۃ للعالمین ﷺ کی تربیت اور پرورش میں ہمدردی اور شفقت مادری کی تمام صلاحیتیں صرف کردیں اور سیدہ نے یہ تاریخ ساز کردار ادا کر کے اپنا فرض نبھا دیا! مکہ مکرمہ میں نور قدسی کے تولد و ظہور سے لے کر ابواء کے مقام پر دم واپسیں تک بنو زہرہ کی اس عظیم ترین خاتون اور تاریخ انسانی کی خوش نصیب ترین ماں نے اپنا فریضہ مادری بحسن وخوبی انجام دیا اور یوں وہ ممتا اور امومت کی عظمتوں کا سرمایہ فخر قرار پائیں مگر ان کے صدقے جو انسانیت کی ماؤں کو عطا ہوا وہ ہر ماں پر سیدہ آمنہ کا احسان عظیم ہے!

قرآن کریم اور حدیث نبوی میں ماں کے حقوق کے متعلق جو واضح احکام اور ہدایات وارد ہوئی ہیں ان کی چند ایک چیدہ چیدہ جھلکیوں سے ہی یہ بات ظاہر و باہر طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ سیدہ آمنہ کے لال اور در یتیم نے ماں کو کیا عظمت عطا کی ہے! اگر اس کا سرسری سا تقابل ہی دیگر مذاہب عالم کے بانیوں کی تعلیم سے کر لیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے والدہ کے حقوق کے متعلق جو تاکیدی احکام عطا فرمائے ہیں وہ دوسرے بانیان مذاہب کی تعلیمات سے نہ صرف بہت مختلف ہیں بلکہ حقوق والدین خصوصاً والدہ کے حقوق کے متعلق بے مثال و بے نظیر اور قابل قدر بھی ہیں، دیگر مذاہب میں عورت کا جو مرتبہ و مقام ہے یا والدہ کے حقوق کے متعلق جو احکام ہیں ان کی تفاصیل میں جانے کا تو یہ موقع نہیں، صرف اہل کتاب کے دو ادیان سماویہ میں ماں کے متعلق جو کچھ آیا ہے اس کی ہی ایک جھلک کافی ہوگی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر جو احکام عشرہ یعنی دس احکام عطا ہوئے تھے ان میں صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے کے حکم کے بعد دوسرا حکم والدین سے حسن سلوک کے بارے میں ہے، تورات میں ہے کہ جو شخص والدین کو برا بھلا کہتا ہے، گالی گلوچ تک پہنچ جاتا ہے اور لعن طعن کرتا ہے اس کی سزا قتل ہے، بے شک یہ بہت بڑی سزا ہے مگر یہ حکم صرف ماں کے حوالے سے نہیں بلکہ

ماں باپ دونوں کے متعلق ہے، قرآن کریم نے بھی تورات کے اس حکم کو احکام شریعت میں شامل کیا ہے مگر اس فرق اور اختلاف کے ساتھ کہ "والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرو، اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو پھر دونوں کے سامنے اف بھی مت کرو، انہیں مت جھڑکو اور ادب و احترام سے پیش آؤ ان کے سامنے عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہا کرو"۔

سیدنا مسیح علیہ السلام نے بھی احکام تورات کی تصدیق و تائید فرمائی ہے اس لئے ان کی شریعت بھی دراصل تورات کی شریعت ہی ہے، البتہ قرآن کریم نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے اعترافات دعائیہ کو نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ "اللہ نے مجھے ہر جگہ مبارک بنایا ہے اور زندگی بھر کے لئے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور مجھے اپنی والدہ ماجدہ سے حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے!"۔

قرآن کریم میں والدین کے لئے دل کھول کر مال و دولت خرچ کرنے کا حکم ہے صرف اللہ ہی کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتے ہوئے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بھی حکم دیا گیا اور ان کی ہر بات ماننے کو لازم ٹھہرایا گیا ہے، صرف ایک بات ماننے سے منع کیا گیا ہے اور وہ ہے شرک و بت پرستی کا حکم ان تمام آیات میں ماں باپ دونوں کے ساتھ حسن سلوک کا یکساں حکم دیا گیا ہے مگر بعض مقامات پر والدہ کے حق کو فائق تصور کرتے ہوئے اسے باپ سے زیادہ محبت و احترام عطا کیا گیا ہے چنانچہ سورت لقمان میں ارشاد ربانی ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ

"یعنی ہم نے انسان کو والدین کے حقوق کی تاکید کر دی ہے، ماں نے اسے کمزوری پر کمزوری کے باوجود پیٹ میں اٹھائے رکھا اور پیدائش کے بعد دو برس تک دودھ پلایا"۔

ماں کی صرف یہی خدمت اولاد کو اس کا احسان مند بنانے اور شکر گزار ہونے کے لئے کافی ہے کہ نو ماہ تک بچہ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے، نہ کمزوری کا گلہ ہے نہ تھکاوٹ کی شکایت، پھر کم سے کم ایک دو سال تک اپنے جسم کا جوہر اور طاقت دودھ کی شکل میں اپنے بچے پر نچھاور کر دیتی ہے!

اسی حکم کو سورۂ احقاف میں لفظی فرق اور اختلاف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے: "اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، ماں نے اسے تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا پھر تکلیف کے ساتھ اسے جنم دیا، حمل وضع کرنے اور دودھ چھوڑنے کی مدت تیس ماہ ہے!"۔

یہ ماں ہی ہے جو کئی ماہ تک حمل کا بوجھ اٹھائے پھرتی ہے، ولادت کے وقت جو تکالیف اور صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں ان کا اندازہ صرف ایک ماں ہی کر سکتی ہے پھر اس کے چھوٹے بچے کی نگہداشت بھی ماں ہی کرتی ہے، اس میں والد کی شرکت صرف اتنی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی غذا، لباس اور علاج کی ذمہ داری اٹھاتا ہے، والدین کے یہ کام اگرچہ ایک فطری تقاضا بھی ہے مگر اپنے آرام و راحت اور آسائش کو بچے پر قربان کر دینا بھی بہت بڑی بات ہے، اس لئے اولاد کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ والدین کی اس شفقت و محبت اور ایثار و قربانی کی قدر کرے!! ماں کی ممتا جس خلوص و ایثار کے ساتھ اپنے لخت جگر کی نگہداشت کرتی ہے، اپنا سکھ چین، آرام اور نیند قربان کر کے بچے کی پرورش اور دیکھ بھال کرتی ہے وہ اپنی جگہ انمول اور بے مثال تو ہے مگر اس جذبہ خلوص و ایثار اور اس محبت و شفقت کا نہ تو کوئی بدل ہے اور نہ اس کا حق ادا ہو سکتا ہے ہاں ماں کی اس خدمت و ایثار کا خیال کرتے ہوئے اس سے محبت و احترام سے پیش آنے سے اولاد کی دنیا کے ساتھ آخرت بھی سنور جاتی ہے! بھلا ہے کوئی ایسی ہستی کہ جس کے طفیل انسان کے دونوں جہان سنورتے ہوں! ماں کی شفقت اور بہتر تربیت نے بچہ کو بڑا بنایا، اس کی دنیا میں کامیابی و کامرانی کا سامان کیا، پھر اسی کی برکت سے اور بڑھاپے میں اسے محبت و احترام دینے سے آخرت میں بھی جنت کا

مستحق بن گیا! یہ دونوں جہانوں کی رحمت کا سامان اور کامیابی والدہ کی خدمت واحترام میں ہی ہے اور ان کی شفقت ورحمت کی مرہن منت ہے!

رسول کریم ﷺ سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میری خدمت اور توجہ کا مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری والدہ! اور وہ تیری خبر گیری اور توجہ کی محتاج ہے تو اس کی خدمت کو ہر بات پر مقدم رکھو! یہی تمہارا جہاد ہے، اسی کی خدمت میں تمہارا عمرہ ہے اور اسی توجہ وخبر گیری میں تمہارا حج ہے!

سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ عشق رسول اللہ ﷺ کی اعلیٰ ترین مثال ہیں حب رسول اور عشق مصطفیٰ ﷺ ان کے لئے ایمان واسلام کے مترادف تھا، اسی مخلصانہ محبت اور عشق صادق کے طفیل حضرت اویس نے وہ امتیازی مقام پایا اور نگاہ مصطفیٰ ﷺ میں وہ اس قدر بلند اور عزیز تھے جو اور کسی تابعی کو نصیب ہی نہیں ہوا بلکہ بعض اصحاب رسول نے بھی مقام اویس پر رشک کیا اور سیدنا عمر فاروق اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی بھی دلوں میں یہ آرزو لیے پھرتے رہے کہ انہیں اس عظیم عاشق رسول ﷺ کا دیدار ہی نصیب ہو جائے! یہ مقام "اویسیت" بھی ماں کی خدمت اور اطاعت کا مرہون منت ہے! گویا "اویسیت" (یعنی اویس بننا اور حضرت اویس کا پیروکار ومرید ہونا) بھی ماں کی خدمت، اطاعت اور احترام کا ثمر اور نتیجہ ہے!

سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی ایک داستان ایمان افروز اور حکایت شیرین ولذیذ کی حیثیت رکھتا ہے، وہ یمن کے رہنے والے تھے، حضور اکرم ﷺ کا زمانہ پایا، آپ کی بعثت ونبوت کا حال سنا اور غائبانہ ایمان لانے کے ساتھ ساتھ عشق مصطفیٰ ﷺ میں بلند و بے مثال مقام پر بھی فائز ہو گئے۔ ایمان لانے کے بعد بیس سال تک رسول اللہ ﷺ کی معاصرت یا ہم عصر ہونے کا شرف پایا مگر حجاز کے پڑوس میں ہونے کے باوجود بھی شرف صحابیت سے محروم گئے، بات یہ ہے کہ ان کی والدہ محترمہ ایک ایسے مرض میں مبتلا تھیں کہ علاج ممکن تھا نہ شفایابی! لیکن وہ ہر لمحہ اپنے بیٹے کی تیمارداری کی محتاج تھیں!

لقمان حکیم کے وطن کا فرزند عظیم نہ اپنی ماں کا علاج کروانے کے قابل تھا اور نہ اسے چھوڑ کر کہیں جانا گوارا تھا مگر محبت و ایمان کے بھی اپنے تقاضے تھے اور عشق مصطفیٰ ﷺ کی بھی اپنی قیمت ہے! انہوں نے دل مصطفیٰ ﷺ میں بھی جگہ پائی تھی اور ان سے محبت کی پیغام رسانی بھی جاری تھی! آرزو تھی کہ ایک بار ہی سہی کسی طرح دیدار مصطفوی ﷺ کا شرف نصیب ہو جائے مگر اویس اسی آرزو میں میں تڑپتا رہا اور صحابی ہونے کا شرف نہ پاسکا! یہ امر ربی تھا! ایک طرف نور نبوت محمدی ﷺ کا نظام ربانی اپنی تاریخ لکھ رہا تھا اور دوسری جانب ''اویسیت'' کا رنگ پختہ ہو رہا تھا اگر اویس قرنی کو صحابیت کا شرف عظیم نصیب ہو جاتا تو قصہ ختم ہو جاتا عشق صادق میں تڑپنے اور اجر پانے کے علاوہ اویس اویس نہ رہتے اور ''اویسیت'' ایک مسلک، ایک طریقت اور ایک مثالی رشتہ غائبانہ تاریخ کو نہ میسر آتا!

ایک بار مہربان ماں نے اپنے سراپا اخلاص بچے کو دیدار مصطفوی سے مشرف ہونے کی اجازت بھی عطا کر دی تھی مگر ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا تھا کہ میں زیادہ دیر تیری نگہداشت اور تیمارداری کے بغیر نہیں رہ سکتی، اس لئے مدینہ شریف میں رکنا اور قیام کرنا ممکن نہ ہوگا (9)! اطاعت گزار و وفادار بیٹا خوشی خوشی مدینہ منورہ کی جانب دوڑا مگر قدرت کا اپنا نظام ہے اس نے اپنی شان دکھانا ہوتی ہے اور اپنی تاریخ رقم کرنا ہوتی ہے! اویس مدینہ منورہ پہنچتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے مطلوب و محبوب مصطفیٰ ﷺ تو کسی جہادی مہم پر گئے ہوئے ہیں اور کئی دنوں کے بعد واپسی ہوگی! راضی بقضا اویس قرنی اپنی والدہ ماجدہ کے حکم کا خیال آتے ہی دیدار سے محروم اور شرف محبت کے بغیر ہی انہی قدموں پر واپس ماں کے قدموں میں پہنچ گئے کہ یہیں ان کی جنت بھی تھی اور اسی کے طفیل انہیں دربار مصطفوی سے ''اویسیت'' کا شرف عطا ہونے والا تھا! حضور ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو یہ حکم دیا تھا کہ میرے اس محب صادق سے تم میں سے جس کو شرف ملاقات نصیب ہو وہ خوش نصیب ہوگا! میرے اس محب صادق کی عزت کرنا! نگاہ پیغمبر ﷺ یہ دیکھ رہی تھی کہ اویس قرنی عشاق مصطفوی کے گروہ مقدس کے امام بن گئے ہیں اور ''اویسیت'' عشق صادق کا نام قرار پا گئی ہے! ماں

کے حقوق ادا کرنے والے مخلص اہل ایمان کے لئے اویس قرنی ایک زندہ جاوید مثال اور محترم ہستی بن گئے ہیں!

قصہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ بڑی عبرتوں سے بھرا ہوا ہے اور گہرے غور وفکر کی دعوت دیتا ہے، اس میں ماں کی عظمت وتقدس بھی پوری آب وتاب سے جھلک رہا ہے، ایک مومن مخلص اور عاشق صادق صرف چند منازل سفر کے فاصلے پر ہے مگر اسے اذن سفر نہیں مل رہا اور وہ شرف صحبت نبوی سے محروم ہونے جا رہا ہے! سب سے بڑھ کر یہ کہ نبی آخر الزمان ﷺ جن کی محبت واطاعت کا اللہ تعالیٰ حکم فرما چکے ہیں، ان کے بھی سب کچھ علم میں ہے! آپ جانتے ہیں کہ ایک مومن صادق ہے جس کے صدق وایمان کی شہادتیں زمین وآسمان میں نظر آرہی ہیں اور جس کی محبت واخلاص بلکہ دیوانگی وفریفتگی کے چرچے ہیں، آخر وہی تو ہیں نا جنہوں نے غزوۂ احد میں کافروں کے ہاتھوں اپنے محبوب پیغمبر اعظم وآخر ﷺ کے زخمی ہونے اور دانت کے شہید ہونے کی خبر سنی تو فرط محبت میں اپنے تمام دانت توڑ ڈالے تا کہ اپنی محبوب ہستی کے درد اور نقصان میں پوری طرح شریک متصور ہوں، سادگی، صدق، اخلاص اور عشق رسول میں دیوانہ مدینہ شریف آتا بھی ہے مگر ماں کے حکم کی وجہ سے چند ساعات رکنا بھی جرم سمجھتا ہے اور انہی قدموں پر واپس ہو جاتا ہے تا کہ ان قدموں کی برکت سے محروم نہ ہونے پائے جن کے نیچے جنت ہے!! ایسی قربت اور اتنی دوری؟؟ کیا یہ قدرت ربانی کا عبرت آموز اور بصیرت افروز نظام نہیں جو کوئی خاص حکمت لیے ہے اور کوئی اہم پیغام دینا چاہتا ہے؟

ایک سادہ لوح، ہمہ تن ایمان واخلاص اور سراپا صدق وصفا روح مقدس ہے جو ماں کی حالت زار اور تیمارداری سے روگردانی کو گناہ کبیرہ بلکہ دنیا وآخرت میں سیاہ بختی کے مترادف تصور کرتی ہے! کیا ایسے مومن صادق اور عاشق مخلص کے ذریعہ اللہ اور اس کا رسول صادق وامین انسانیت کو ماں کے تقدس اور عظمت کا سبق اور پیغام نہیں دینا چاہتے؟ حجاز و یمن تو پڑوسی ہیں اور مدینہ منورہ میں چند ساعات رکنے سے شرف صحبت نبوی نصیب ہو سکتا

تھا تو پھر یہ فاصلے یہ محرومی اور یہ ہجر محبوب میں تڑپنا صرف اس لئے نہیں تھا کہ داستان صدق وایمان کو اتنی اہمیت اور حکمت کا حامل بنا دیا جائے کہ خلق خدا کو یہ پیغام حق سمجھ آسکے کہ ماں کے قدموں کے نیچے واقعی جنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہی سب سے پہلے عورت کے مقام اور مرتبہ کا احساس دلایا، عورت کو حقوق دیئے، آزادی اور احترام دلوایا، مرد کی بھلائی اس کے اہل وعیال سے حسن سلوک کی مرہون منت ٹھہرائی، عورت کو مشاورت اور خدمت دین کا اہل ٹھہرایا اور عورت کے وجود کو اپنی پسندیدہ نعمت قرار دیا کیوں؟ اس لئے کہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا جیسی عظیم خاتون نے نبوت ورسالت کی تصدیق کر کے کملی پوش ﷺ کو تسلی دی (11) اور اور اس لئے بھی کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لخت جگر، در یتیم اور رحمۃ للعالمین ﷺ کے قلب وجگر کو اپنی شفقت، رحمت اور محبت سے بھر دیا تھا آمنہ کی یہ شفقت اور محبت تھی جس نے ماں کے حقوق کو سب پر مقدم اور ماں کے قدموں کے نیچے جنت کا اعلان کروایا! آج مسلمان عورت کو دنیا کی ہر عورت سے جو زیادہ حقوق اور مرتبہ ملا ہے تو یہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی شفقت کا ثمر ہے! یہ مسلمان ماؤں کی ماں کا صدقہ اور تاریخ انسانی کی سب سے عظیم اور خوش نصیب ترین ماں کا احسان ہے!

تو یہ تو تھی سیدنا اویس قرنی اور ”اویسیت“ کی کہانی جو اسلامی ادبیات میں اپنے تمام نشیب وفراز اور مختلف پہلوؤں کے ساتھ موجود ہے، یہ ایک ایسی کہانی ہے جو بیک وقت عشق رسول ﷺ اور ماں کی ممتا کے حضور خود کو پابند کر دینے کی داستان ہے اور سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے لال کے گرد گھومتی ہے، اس لئے اس میں ان کی ممتا کا رنگ بھی جھلکتا ہے یہ ”اویسیت“ دراصل ماں کی خدمت واحترام اور عشق مصطفیٰ سے عبارت ہے چونکہ آپ کا حکم تھا کہ بس اپنی ماں کے حضور میں رہو مگر دل کو حب رسول سے آباد رکھو، یہ عجب کہانی ہے کہ اویس حجاز کے پہلو میں واقع یمن میں مقیم تھے مگر دل مدینہ میں تھا، دراصل یہ اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت کا تقاضا بھی تھا اور ایک خاص رنگ بھی تھا جس سے انسانیت کو عشق مصطفیٰ کی

گہرائی اور گیرائی سے بھی آگاہ کرنا مقصود تھا مگر اس کے ساتھ ہی ماں کی حکم عدولی کو جرم سمجھنے کی تلقین بھی تھی کہ ماں کی اطاعت وخدمت اور عشق رسول محبت نبوی کا نعم البدل ہے! مصطفی ﷺ نے جس ماں کے قدموں میں جنت بتائی ہے اس کا مرتبہ اور مقام یہی ہونا چاہیے!

شریعت مصطفوی عورت کو ماں کے روپ میں پیش کر کے اس کے وہ تمام داغ دھونا چاہتی تھی جو غلط تصورات کا نتیجہ تھے اہل کتاب یہود ونصاریٰ عورت کے معاملہ میں افراط و تفریط میں مبتلا تھے توازن واعتدال کی روش سے دنیا کو اس ابتلا سے نجات دلانا مقصود تھا تا کہ مرد وعورت کے درمیان اس منافرت وکراہیت کا قلع قمع ہو جائے جو گھٹیا سوچ اور جاہلانہ تصورات کی پیداوار تھی اس لئے یہاں بھی نظام قدرت نے اپنا کردار ادا کیا چنانچہ رحمۃ للعالمین ﷺ کو ایسی نیک خصلت، پاک طینت اور مجسم رحمت وشفقت خواتین سے واسطہ پڑا جن میں سرفہرست آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا تھیں اس کے بعد آپ کی مرضعات (دودھ پلانے والی مائیں) ہیں جن میں حضرت ثویبہ، حضرت برکت ام ایمن اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہن کے نام آتے ہیں، آپ کی چچی زوجہ حضرت ابو طالب اور والدہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما بھی ان خواتین میں شامل ہیں جنہوں نے اپنی شفقت ومحبت کے انمٹ نقوش قلب مصطفی ﷺ پر ثبت کر دیئے تھے پھر اسی نظام قدرت ربانی نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو آپ کی غمگسار و جاں نثار رفیقہ حیات بنا دیا، جو محبت، سکون اور دلی راحت سرکاری ﷺ کو ان سے میسر آئی اس نے بنت حواء کو آپ کی نظر میں بہت بلند کر دیا، آپ کی مبارک زبان سے کبھی کوئی ایسا لفظ یا اشارہ بھی سامنے نہیں آیا جس سے عورت کی تحقیر یا کراہیت کا پہلو نکلتا ہو، آپ نے عورت کا جب بھی ذکر فرمایا احترام ووقار کے انداز میں بڑے خوبصورت الفاظ زبان پر آئے! یہ دراصل قدرت خود بخود لالہ صحرائی کی حنابندی کر رہی تھی، یوں در مصطفی ﷺ سے عورت کو وہ سب کچھ مل گیا جس کی اسے ضرورت تھی اور جو آج تک دنیا بنت حواء کو نہ دے سکی اور نہ دے سکے گی!

سرچشمۂ فصاحت وبلاغت عربی افصح العرب ﷺ کی پاک زبان سے عورت کے

لئے جو خوبصورت الفاظ ادا ہوئے وہ پڑھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتے ہیں، حدی خوانی عربوں کی زندگی میں وہی حیثیت رکھتی ہے جو سفینہ صحراء یعنی اونٹ کو حاصل ہے، حدی ایک طرز سخن ہے اور لحن غنا بھی، طویل سفر صحراء جب مسافروں کے لئے بوجھل ہو جاتا ہے اور تھکاوٹ سے اونٹوں کی رفتار سست پڑنے لگتی ہے تو اس وقت کوئی خوش الحان حدی خوان قافلہ صحراء کے کام آتا ہے، وہ جب خوش الحانی اور سوز و گداز سے حدی خوانی کرتا ہے تو سفینہ صحراء مست ہو کر جھوم اٹھتا ہے اور رفتار تیز ہو جاتی ہے اور سوز و گداز سے نرم دل مسافر خصوصاً خواتین تو تڑپ اٹھتی اور آہیں بھرتی ہیں! اسی طرح گویا ایک اچھا حدی خوان لق و دق صحراء میں نہ صرف یہ کہ تھکے ماندے اونٹوں کی رفتار تیز کر دیتا ہے بلکہ پورے کاروان پر ایک وجد طاری کر دیتا ہے ایک ایسے ہی ریگستانی سفر کے دوران حدی خوان نے جب اپنے سوز و گداز سے قافلہ والوں کو گرما دیا، جن میں خواتین بھی تھیں، تو وہ آہیں اور سسکیاں بھرنے لگیں، اس موقع پر سالار قافلہ سیدنا مصطفیٰ ﷺ نے نرم و نازک نسوانی دلوں کو آبگینوں سے تشبیہ دیتے ہوئے حدی خوان کو ذرا دھیمے سروں میں حدی خوانی کا حکم دیا اور ایک ایسا خوبصورت محاورہ بولا جو افصح العرب رسول عربی ﷺ کی فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:

"رفقا بالقوا ریر: شیشوں کے ساتھ نرم روش اختیار کرو!"۔

نماز میں بندہ مومن اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے اس لئے عبادت کی یہ قسم مومن کی معراج قرار پائی ہے اور قلب و نظر کے لئے ٹھنڈک کا سامان بھی ہے، نبی کریم ﷺ بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ نماز تو میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، خوشبو بھی آپ کو بے حد پسند تھی کہ یہ بھی طبع نفیس کے لئے آب حیات کی سی تازگی مہیا کرتی ہے، عورت کائنات حسن بھی ہے اور حسن کائنات بھی، اقبال کے نزدیک تو یہ حسن کائنات کی زینت اور پرکشش رنگ ہے، رسول اعظم و آخر ﷺ کے نزدیک عورت دنیا کی ایک ایسی ہستی ہے جو پسندیدہ ہونے کے باعث نماز کی سی پاکیزگی اور خوشبو کی جیسی راحت رساں چیز ہے! بنت

حواء کی عظمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے! چنانچہ ایک موقع پر ارشاد ہوا:

حبب الی من دنیا کم ثلاث: الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ

''یعنی تمہاری دنیا کی تین چیزیں مجھے پسند ہیں: خوشبو اور عورتیں اور نماز کو تو میری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک بنایا گیا ہے!''۔

صبح کی نماز میں لمبی قرأت نبی کریم ﷺ سے منقول و مسنون ہے، لیکن آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ دوران نماز جب مجھے کسی معصوم شیر خوار بچے کے رونے کی آواز سنائی دے جاتی ہے تو میں اس خیال سے قرائت مختصر کر دیتا ہوں کہ اس معصوم بچے کا رونا جلد سے جلد بند ہو اور با جماعت نماز پڑھنے والی اس کی ماں کا دل مضطرب اور بے قرار نہ ہو!

رسول اکرم ﷺ کو اپنی رضائی ماؤں (مرضعات) کی خدمت کا موقع بھی ملا، یہاں بھی ماں کی ممتا کا وقار اور احترام انتہائی بلندیوں پر نظر آتا ہے، حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا (جو ابولہب کی لونڈی تھیں) نے آپ کو اور آپ کے چچا شیر خدا اور رسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا تھا، انہیں اپنے ان دونوں رضائی بیٹوں سے بے حد پیار تھا، ولادت نبوی پر وہ خوشی سے پھولے نہ سماتی تھیں، ابو جہل نامراد نے ایک مرتبہ بنو مخزوم کے محلے میں داعی حق ﷺ کو بہت گستاخانہ کلمات کہے، ثویبہ رضی اللہ عنہا یہ سب کچھ سن رہی تھیں، اس منظر نے ماں کا کلیجہ پھٹنے لگا اور برداشت نہ کر سکیں، جب دوسرا رضائی بیٹا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نظر آئے تو انہیں سب کچھ کہہ سنایا! وہ شکار سے واپس آئے تھے، کمان ہاتھ میں تھی، بیت اللہ کے پاس سرداران قریش کے درمیان ابو جہل بیٹھا ہوا تھا، پہلے اس کے سر میں کمان دے ماری اور پھر کہا: تو نے میرے بھتیجے کو برا بھلا کہا ہے نا؟ وہ تو اللہ کے سچے نبی ہے میں بھی ان پر ایمان لاتا ہوں!

نبی کریم ﷺ اپنی اس رضائی ماں کے احسانات، محبت اور ہمدردی کو کبھی نہیں بھولے! جب تک مکہ مکرمہ میں رہے خود بھی اور حضرت خدیجہ بھی ثویبہ رضی اللہ عنہا کی بہت

خدمت کرتے رہے، ہجرت کے بعد مدینہ سے تحائف بھیجتے رہے، ان کے بیٹے مسروح کا بھی بہت خیال رکھتے رہے، فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کو آپ نے خصوصیت سے یاد فرمایا ان میں حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا سرفہرست تھیں۔

قبیلہ بنو ہوازن کی شاخ بنو سعد بن بکر کی سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تو آپ کی خاص اور بہت مشہور رضاعی ماں ہیں، انہوں نے طویل عمر پائی اور اپنے فاتح اور حکمران بیٹے کی شان و شوکت کو دیکھا، وہ جب بھی تشریف لاتیں ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے، اپنی چادر مبارک ان کے لئے بچھا دیتے اور ان کی خدمت میں کوئی کمی نہ چھوڑتے، غزوۂ حنین کے موقع پر بنو ہوازن کے بہت سے آدمی جنگی قیدی بنا لیے گئے تھے، مگر سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی خاطر یہ سب قیدی رہا کر دیئے گئے!

لیکن جو محبت اور احترام رسول اعظم و آخر ﷺ کے دل میں اپنی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے لئے موجود تھا وہ تو ممتا کے مقام کو فرش سے عرش پر لے جاتا ہے! آپ نے اپنی شفیق و حلیم ماں کے پیار کو کبھی فراموش نہیں کیا! آتے جاتے جب بھی مقام ابواء کے پاس سے گزر ہوتا سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی آخری آرام گاہ پر ضرور حاضر ہوتے، قبر کو سنوارتے، بڑی دیر مناجات کا سلسلہ رہتا، ان کی روح مبارک سے راز و نیاز ہوتا اور اکثر اوقات آہ و بکا پر اختتام ہوتا جس پر جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دھاڑیں مار کر رونے لگتے تھے!

صلح حدیبیہ کے بعد واپسی پر جب قافلہ نبوی کا ابواء سے گزر ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رکنے کا اشارہ فرمایا اور بتایا کہ میرے رب نے مجھے اپنی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت فرما دی ہے، چنانچہ آپ قبر پر تشریف لے گئے، اسے سنوارا اور پھر بڑی دیر تک ان سے سرگوشیاں کرتے رہے، آنسو بہہ نکلے پھر آہ و بکا کی نوبت آ گئی جس نے سب کو رلا دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وجہ پوچھی تو فرمایا: مجھے اپنی والدہ ماجدہ کی شفقت و محبت، دعائیں اور نیک تمنائیں یاد آ گئیں تو مجھے ان پر بہت ترس آیا،

دل پسیج گیا اور آنکھیں بہہ نکلیں!

امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ہم ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے، رستہ میں ایک قبرستان کے پاس سے گزرے تو ہمیں آپ نے وہیں پر رکنے کا اشارہ کیا اور خود قبرستان کے اندر ایک قبر کے پاس تشریف لے گئے اور بیٹھ گئے، آپ کافی دیر تک سرگوشی کے انداز میں کچھ ارشاد فرماتے رہے، پھر اچانک آپ کی آہ و بکا کی آواز بلند ہوئی اس رقت آمیز کیفیت نے ہم سب کو بھی رلا دیا، پھر نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ کس کی یاد میں رو رہے تھے جس پر ہم سب بھی گھبرا کر رونے لگے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑا پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا تو کیا تم سب بھی میری آہ و بکا پر گھبرا کر رونے لگے تھے؟ ہم سب نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ ﷺ ہم سب پر یہی کیفیت طاری ہوگئی تھی! پھر آپ نے یہی بات دو تین مرتبہ دہرائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ جس قبر کے پاس تم نے مجھے سرگوشی کے انداز میں باتیں کرتے سنا وہ میری والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ (سلام اللہ علیہا) کی قبر ہے! میں نے اپنے رب سے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تھی جو عطا ہوگئی!

اس تمام گفتگو کا جوہر اور نچوڑ یہ ہے کہ سنت و تعلیمات مصطفیٰ ﷺ سے ماں کی عظمت واضح ہوتی ہے اور نبی کریم ﷺ کو اپنی عظیم و جلیل ماں سے بے پناہ محبت تھی اور ان کی شفقت محبت، ہمدردی اور مہربانی کی یادوں نے آپ کے دل کو ہمیشہ آباد رکھا کہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی شفقت و محبت ہی تھی جس نے اپنے فرزند ارجمند ﷺ کو رحمۃ للعالمین کے منصب تک پہنچنے میں اپنا کردار ادا کیا اور نہ صرف ماں بلکہ جنس عورت کو پیغمبر اسلام ﷺ کی نظر میں اس قدر پسندیدہ و محترم بنا دیا! ممتا کی ہستی پر سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا یہ انتہائی احسان ہے جو بلاشبہ قابل قدر اور ناقابل فراموش ہے!

سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی وفات ابواء میں

والدہ ماجدہ حضرت مصطفیٰ ﷺ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ واپس آتے ہوئے "ابواء" کے مقام پر وفات پا گئیں اور اسی جگہ انہیں دفن کیا گیا، اس مقام کو اسی وجہ سے زبان خلق کے طفیل شہرت اور تاریخ کے صفحات میں جگہ ملی، حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا مزار تمام زمانوں میں اہل ایمان کے لئے مرکز توجہ رہا، سفر حرمین کے دوران میں آتے جاتے قافلے یہاں رکتے، سنت نبوی پر عمل کرتے اور سعادت دارین حاصل کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ خود حضرت مصطفیٰ ﷺ بھی آتے جاتے مزار آمنہ سلام اللہ علیہا پر حاضر ہو کر اپنے دل کی پیاس بجھاتے اور اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان فرماتے رہے۔

ابن اسحاق اور ابن ہشام کے علاوہ تمام ثقہ و مستند سیرت نگاروں، مؤرخین اور اصحاب تذاکر و تراجم کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی قبر ابواء ہی میں ہے(1) حتی کہ ابن سعد نے بھی اس بات کو صحیح اور قابل ترجیح قرار دیا ہے اس نے بعض غیر ثقہ راویوں کے اس گمان کو غلط قرار دیا ہے(2) کہ وہ مکہ مکرمہ میں عقبۃ الحجون یا شعب (ابی ذئب) یا ابی ذب میں دفن ہیں جہاں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے ان کی قبر کی زیارت فرمائی تھی، قیاس یہ ہے کہ یہاں پر حضرت عبدالمطلب یا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہما میں سے کسی کی قبر ہو گی جہاں آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے انتظار میں کھڑا کر گئے تھے، آپ ﷺ جاتے ہوئے جس قدر غمگین تھے واپسی پر اس سے کہیں زیادہ خوش تھے! ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے اپنے دادا یا اپنے چچا کے لئے دعا مانگی ہو جسے رب نے شرف قبولیت بخشا اور وہ بخشے گئے ہوں، سرکار ﷺ کو اپنے ان دونوں بزرگوں کی خدمت اسلام اور تحفظ و دفاع نبوی کے باعث ان کی مغفرت کا بارہا خیال آیا خصوصاً اپنے عم کریم حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی عظیم قربانیاں بہت یاد آتی تھیں اور ان کے

درجات اخروی کے لئے متفکر رہتے تھے مگر بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا چونکہ آپ کے سب اقارب کی مغفرت کا وعدہ فرمایا گیا تھا(3)، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث والا واقعہ حجۃ الوداع کا ہے، عین ممکن ہے کہ دعائے مصطفیٰ ﷺ سے اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آئی ہو اور ان کی مغفرت کا سامان ہو گیا ہو یا انہیں زندہ کر کے ایمان سے سرفراز کر دیا گیا ہو، رواۃ حدیث کو یہ وہم ہوا کہ یہ معاملہ سیدہ آمنہ مؤمنہ سلام اللہ علیہا کا ہے جو ہرگز درست نہیں ہے!

ہمارے بعض سیرت نگار اور تذکرہ نویس تساہل سے کام لیتے رہے ہیں اور لکیر کی فقیری کا اسلوب اپناتے رہے ہیں، مثلاً کسی پیشرو نے ایک بات کو کسی خاص انداز میں بیان کر دیا تو بعد میں آنے والے تمام بزرگ یونہی مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے، اس کی واضح مثال سیدہ آمنہ مؤمنہ سلام اللہ علیہا کا سفر مدینہ شریف ہے، ابن اسحاق نے لکھ دیا کہ رسول اللہ ﷺ جب چھ سال کے ہوئے تو والدہ ماجدہ انہیں یثرب (مدینہ منورہ) میں ان کے ننھیال سے ملوانے لے گئیں اور مکہ مکرمہ واپس آتے ہوئے رستے میں وفات پا گئیں، بعد میں آنے والے بہت سے جدید و قدیم بزرگ سیرت نگار اس بات کو لے اڑے اور مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ننھیال یثرب میں نہیں بلکہ مکہ مکرمہ میں تھے، بنوزہرہ کا یثرب میں کیا کام، وہ تو قریش مکہ کا ایک معزز اور مشہور قبیلہ ہیں، یثرب میں رسول اعظم و آخر ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے ننھیال بھی نہیں تھے کیونکہ ان کی والدہ بھی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بنو مخزوم بن یقظہ سے تھیں جو قریش کا مشہور و محترم قبیلہ ہے، یثرب میں تو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ننھیال تھے جن کی والدہ سلمٰی بنت عمرو بنو عدی بن نجار سے تھیں، مگر ہمارے سیرت نگار یہی لکھتے چلے آرہے ہیں کہ والدہ ماجدہ رسول اللہ ﷺ کو چھ سال کی عمر میں یثرب میں ان کے ننھیال سے ملوانے لے گئی تھیں! والدہ ماجدہ تو انہیں ان کے والد حضرت عبداللہ سلام اللہ علیہ کی قبر کی

زیارت کے لئے لے کر گئی تھیں اور یہ ان کی سالانہ معمول کی زیارت تھی، سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا تو اپنے بچھڑنے والے رفیق حیات اور اپنے لخت جگر کے والد گرامی حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لئے ہر سال آتی تھیں جو ایک حویلی نما قبرستان میں تھی جسے دار نابغہ یا نابغہ کی حویلی کہتے تھے (4)، خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اس حویلی کا نام یاد تھا اور صحابہ کرام کو بتایا کرتے تھے، آپ کی مبارک زبان پر کبھی بنو عدی بن نجار کی حویلی کا ذکر نہیں آیا حالانکہ قیام انہی کے ہاں ہوتا تھا مگر مقصود اصلی چونکہ مزار عبداللہ تھا اس لئے نابغہ کی حویلی کا نام ذکر فرماتے تھے! اس سالانہ سفر زیارت میں سیدہ آمنہ اکیلی نہیں ہوتی تھیں اور نہ یہ واحد سفر تھا جو حضور اکرم ﷺ کی عمر کے چھٹے سال میں پیش آیا بلکہ یہ تو ایک سالانہ معمول تھا اور اس سفر میں کبھی حضرت عبدالمطلب اور کبھی حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہما ضرور ساتھ ہوتے تھے، اس کا آخری سالانہ سفر زیارت میں قافلہ زائرین کے سرپرست حضرت عبدالمطلب تھے جو اپنے ہونہار پوتے کو اس کے والد کی قبر اور آئندہ دار الہجرت کی زیارت کے لئے ہمراہ لائے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ ان کے لخت جگر کی ایک شان ہے اور یہ کہ یہود حاسدین ان کے درپے ہو سکتے ہیں خصوصاً ان کے گڑھ یثرب اور خیبر وغیرہ یہودی آبادیوں میں تو خطرات بہت زیادہ تھے جیسا کہ اس سفر کے واقعات اس پر شاہد عدل ہیں!

احبار یہود جنہیں آنے والے نبی کا شدت سے انتظار تھا مگر یہ خدشہ بھی تھا کہ آنے والا اولاد اسماعیل علیہ السلام سے بھی ہو سکتا ہے اور از روئے تورات وادیٔ فاران اس کا مولد و منشا ہوگا، یہ احبار یہود ستارہ شناسی میں کمال رکھتے تھے انہیں ان علامات سے بھی آگاہی حاصل تھی جو نبی منتظر میں صحف بنی اسرائیل کی رو سے پائی جائیں گی، جو باتیں سیدنا مسیح ناصری علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے اپنی بشارت میں ذکر فرمائی تھیں وہ بھی ان احبار یہود پر مخفی نہ تھیں، ان احبار یہود کو بھی رہبان نصاریٰ کی طرح معلوم تھا کہ آنے والے کا نام محمد اور احمد ﷺ ہوگا اور ان کے دونوں کندھوں کے درمیان کمر پر مہر نبوت بھی ہوگی، چنانچہ تاجر کے بھیس میں جو یہودی عالم منیٰ میں مقیم تھا اسے ستارہ شناسی سے معلوم ہو گیا تھا

کہ نبی آخرالزماں کی پیدائش ہو چکی ہے اور جب اس نے حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی گود میں ان کے لال کو دیکھا، مہر نبوت دیکھی اور محمد و احمد (ﷺ) نام بھی سن لیے تو یہ کہتے ہوئے کہ ورثہ نبوت بنو اسرائیل سے بنو اسماعیل میں منتقل ہو گیا، وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا اس لئے یہود حجاز کے احبار کو بھی اس کا علم ہو گیا تھا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اہل یثرب میں سے ایک یہودی جو ہر روز حضور ﷺ کے آس پاس بھٹکتا رہتا تھا اور آپ کو اکثر غور سے گھورتا بھی رہتا تھا جب اسے آپ کے نام کا پتہ چلا اور مہر نبوت بھی دیکھ لی تو وہ بول اٹھا تھا کہ اس امت کا نبی یہی ہو گا اور یہ شہر یثرب اس کا دار ہجرت ہو گا"۔ یہ سب باتیں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بھی سن لی تھیں، جب انہوں نے حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فوراً یثرب سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا تھا(5)، اس سے ان خطرات یہود کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جن کا خدشہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کو بھی تھا اور حضرت عبدالمطلب بھی ان خطرات سے بخوبی آگاہ تھے چنانچہ اس سلسلے میں اکثر حضرت ام ایمن کو آگاہ کرتے رہتے تھے(6)، اس لئے ان خطرات کے پیش نظر اس قافلہ زائرین کے ساتھ حضرت عبدالمطلب کا خود موجود ہونا سمجھ میں آتا ہے!!

رحمۃ للعالمین رسول اعظم و آخر ﷺ کے والد گرامی تو آپ کی پیدائش سے قبل ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے پھر تقریباً چھ سال کی عمر میں ہی والدہ ماجدہ کا شفقت و محبت بھرا سایہ بھی قدرت نے واپس لے لیا تھا تا کہ اللہ رب العزت کے حکم فانک باعیننا 'اے پیارے! آپ تو ہماری نظروں میں ہوتے ہیں (7)'' کے مطابق قدرت ربانی لالہ کی حنا بندی خود کرے اور مصطفیٰ ﷺ اپنی تربیت و حفاظت میں صرف اپنے رب کے احسان مند ٹھہریں، اس میں کسی انسان کا دخل نہ ہو اور اس کے ساتھ ہی رشتوں کے سایہ سے محروم انسانوں، خصوصاً یتیموں کی محرومی و حسرت کا عملی اندازہ بھی ہو جائے چنانچہ سیدہ آمنہ مؤمنہ سلام اللہ علیہا یثرب سے واپسی پر "ابواء" کے مقام پر وفات پا گئیں اور اسی جگہ آپ کو دفن کیا گیا(8)۔

مسلم جغرافیہ دان یاقوت حموی کے بیان کے مطابق ''ابواء'' ایک بستی کا نام بھی ہے جو مکہ اور مدینہ کے رستہ میں واقع ہے جسے جحفہ کہتے ہیں، مدینہ شریف کے قریب ایک جگہ ہے، اس کے اور ابواء کے درمیان تیئس میل کا فاصلہ ہے مگر اسی نام کا ایک پہاڑ بھی ہے جو مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے رستہ کے دائیں طرف واقع ہے، اس پہاڑ کے قرب وجوار کی تمام آبادی ''ابواء'' کہلاتی ہے، مشہور نحوی اور لغت نویس ابوسعید سکری کا مشاہدہ یہ ہے کہ ابواء ایک بلند پہاڑ ہے جس پر خزم (پھلاہ) اور بشام (بلسان) کے سوا اور کوئی پودا یا درخت نہیں پایا جاتا تھا(9)۔

یاقوت حموی نے یہ بھی درج کیا ہے کہ اسی ابواء میں حضرت آمنہ بنت وہب والدہ ماجدہ نبی اکرم ﷺ کی قبر ہے اس جگہ پر ان کے فوت ہونے اور دفن کیے جانے کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رحمہما اللہ کھجوروں کی تجارت کے لئے مدینہ شریف (جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا) گئے تھے، یہاں پر وہ چند دن بیمار رہ کر وفات پا گئے تھے اور انہیں نابغہ کی مقبرہ نما حویلی میں دفن کر دیا گیا تھا(10)۔

حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا ہر سال اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے یثرب (مدینہ منورہ) تشریف لے جاتی تھیں، حضرت عبداللہ بھی جب فوت ہوئے تھے تو وہ بھی اپنے والد گرامی حضرت عبدالمطلب کے ننھیال کے مہمان تھے، بنونجار بہت فیاض اور مہمان نواز لوگ تھے اس لئے حضرت آمنہ بھی بنوعدی بن نجار کے ہاں ہی مقیم ہوتی تھیں، سیدہ کو اپنے عظیم شوہر سے جو محبت ہو سکتی ہے اور اتنی جلد ان کی جدائی کا جو غم ہو سکتا ہے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، یہ زیارت اگر سالانہ معمول تھا جیسا کہ یاقوت حموی کے بیان سے واضح ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاید یہ زیارت زمانہ حمل میں بھی ہوئی ہو، خصوصاً اس لئے بھی کہ ایک جواں سال بیوہ اپنے محبوب شوہر کی وفات کا سن کر زیارت یثرب کے لئے کس قدر بے قرار ہوئی ہوں گی اور اپنے محترم سسر سے اس کی درخواست کی ہو گی جو یقیناً منظور ہوئی ہو گی، کیونکہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا ایک لحاظ سے آپ کی سالی بھی تھیں کیونکہ حضرت

ہالہ والدہ حضرت حمزہ شیر خدا و رسول آپ کی چچازاد بہن تھیں، اسی وجہ سے حضرت آمنہ اپنے محترم سسر کو بے تکلفی سے "ابو الحارث" کہہ کر بلاتی تھیں (11)! پھر جب مدت رضاعت کے لئے حضور ﷺ بنو سعد کے ہاں چلے گئے تو اس اثناء میں بھی سالانہ زیارت کا یہ معمول رہا ہوگا؟!

اس لحاظ سے یہ آخری زیارت ہے جو سیدہ آمنہ کو اپنے لخت جگر کے ہمراہ نصیب ہوئی اور اس کے بعد وہ ابواء کے مقام پر اس جہان فانی سے رخصت ہوگئیں، یاقوت کے بیان کے مطابق ان اسفار زیارت میں ان کے ہمراہ حضرت عبد المطلب یا حضرت ابو طالب ہوا کرتے تھے، لیکن حافظ ابن الاثیر کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس آخری سفر میں اس قافلہ زائرین کے سرپرست اور قائد حضرت عبد المطلب تھے (12)۔

میں نے جب حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے متعلق اپنی پہلی مختصر سی کتاب لکھنا شروع کی تھی تو اس وقت اس قافلہ زائرین کے حوالے سے یہ خیال ظاہر کیا تھا (13) کہ یہ قافلہ مقدس اس قدر مختصر نہیں ہوتا ہوگا۔ کم از کم محافظین کی ایک جماعت ساتھ ضرور ہوتی ہوگی کیونکہ سردار قریش حضرت عبد المطلب کی بیوہ بہو اس طرح بے سہارا سفر پر نہیں بھیجی جا سکتی تھیں۔ مگر اپنے سیرت نگاروں کا کیا کیجئے کہ وہ لکیر کی فقیری پر عمل کرتے ہوئے اس پاکیزہ قافلہ کو اس قدر مختصر اور یوں بے یار و مددگار ہی لکھتے چلے آتے ہیں حتیٰ کہ ان سیرت نگاروں کے بیان کے مطابق وفات کے وقت ان کے پاس صرف ان کے لخت جگر اور ام ایمن تھیں جن سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ ہی میری ماں ہیں (14) (حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا اس لئے وہ آپ کی رضاعی ماں تو پہلے ہی تھیں) لیکن اب بالآخر بعض معتبر مصادر سے میرے اس خیال کی تائید ہوگئی ہے اور معلوم ہوگیا ہے کہ اس آخری سفر میں تو حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے علاوہ قریش کی ایک معروف خاتون اور راویہ حدیث حضرت ام سماعہ کی والدہ بھی شامل تھیں جو نہ صرف اس بات کی گواہ ہیں کہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی وفات توحید پر ایمان اور ملت حنیفیہ ابراہیمی پر

ہوئی بلکہ اپنے اشعار میں تو انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کی نبوت پر بھی قبل از وقت ایمان کا اعلان فرماتے ہوئے کہا تھا کہ اپنے (لخت جگر کے رخ انور کو دیکھتے ہوئے (15))

بارک فیک الله من غلام یا ابن الذی من حومة الحمام

نجا بعون الملک المنعام فودی غداة الضرب بالسهام

بمائة من ابل سوام ان صح ما ابصرت فی المنام

فانت مبعوث الی الانام تبعث فی الحل وفی الحرام

تبعث فی التحقیق والاسلام دین ابیک البر ابراهام

فالله أنهاک عن الاصنام ان لا توالیها مع الاقوام

"بچے! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے! اے وہ جو موت کا شکار ہونے والے باپ کا فرزند ہے۔

وہی جو انعام کرنے والے مالک کے فضل سے نجات پا گیا اور قرعہ اندازی والے دن اس کا فدیہ ادا کر دیا گیا۔

چرنے والے سو اونٹوں کا فدیہ دیا گیا تھا اگر وہ خواب سچا ہے جو میں نے دیکھا ہے۔

تو پھر تو خلق خدا کا نبی بننے والا ہے! یہ نبوت تجھے اللہ ذوالجلال والاکرام کی طرف سے عطا ہوگی۔

تو وادی بطحا اور آس پاس کے لوگوں کے لئے مبعوث ہوگا اور تیری یہ بعثت حق اور اسلام کے ساتھ ہوگی!

تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہی نیکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بت پرستی سے پاک رکھا ہے۔

تا کہ تو لوگوں سے مل کر ان بتوں کو دوست نہ بنائے"۔

یہ رجزیہ کلام ہے جو سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے گزشتہ رجزیہ کلام سے ملتا جلتا ہے جو انہوں نے اپنے شوہر کی وفات پر کہا تھا، بالکل وہی قوت و متانت ہے اسی سے ملتی جلتی

تراکیب ہیں، ان میں سادگی اور آسانی بھی اسی نوع کی ہے تاہم اصل چیز یہ ہے کہ وہ اپنے لخت جگر اور ہونے والے پیغمبر اسلام ﷺ کو پیغام دے رہی ہیں، یہ کچھ وصیتیں، دعائیں اور تمنائیں ہیں، ایک عظیم دل سے نکل کر ان کے لخت جگر کا مستقبل اور منصب کی نشاندہی بھی کر رہی ہیں مگر ان میں شرک و بت پرستی سے بیزاری کا اعلان بھی ہے اور توحید وسنت ابراہیمی پر عمل کی تلقین بھی، ان میں ان کے شوہر کی حق پرستی اور انعام ربانی سے نوازے جانے کا تذکرہ بھی ہے، اپنے فرزند ارجمند کے نبی برحق ہونے کی دعا، تمنا اور پیشین گوئی بھی ہے، یہ کلام اسی خواب کی یاد تازہ کرتا ہے جو سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا نے ولادت کے وقت دیکھا تھا اور جس کا سرکار ﷺ فخر سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔

اس موقع پر یہ نثری جملے بھی آخری سانس لینے سے قبل قریش کی اس فصیح و بلیغ خاتون سیدہ آمنہ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے تھے(16):

کل حی میت و کل جدید بال و کل کثیر یفنی وأنا میتة
وذکری باق وقد ترکت خیرا و ولدت طهرًا

"ہر زندہ نے مرنا ہے، ہر نئی پرانی ہوگی، ہر کثرت بھی فانی ہے، میں بھی مرنے والی ہوں مگر میرا ذکر باقی رہے گا، میں نے پیچھے بھلائی چھوڑی ہے اور ایک پاکیزگی کو جنم دیا ہے!"۔

یہ رجزیہ کلام اور یہ سادہ مگر پر مغز فصیح و بلیغ نثری جملے قریش کی ایک محترم خاتون اور راویہ حدیث حضرت ام سماعہ نے اپنی والدہ سے نقل کیے ہیں جو اس آخری سفر پر رواں پاکیزہ قافلے میں شامل تھیں اور وہ اس منظر کی عینی شاہدہ اور راویہ ہیں، یہ وفات سے قبل ہوش وحواس کے ساتھ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا نے ارشاد فرمائے تھے، ان میں بت پرستی اور شرک سے بیزاری، حنیفیت پر ایمان اور حق پرستی و بلند اخلاق کی تلقین کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر قبل از بعثت ایمان اور یقین کا ثبوت بھی موجود ہے تو کیا اس کے بعد بھی سیدہ آمنہ کے صدق واخلاص اور ایمان پر کوئی شک کی جسارت کر سکتا ہے اور اگر کرتا

ہے تو کیا وہ از روئے قرآن موذی رسول اور ملعون نہیں ہے (17)؟!

بعض معتبر مصادر و مراجع سے یہ واضح اشارات ملتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رستے میں آتے جاتے وقتاً فوقتاً اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کے لئے رکا کرتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی آپ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی قبر پر گئے تھے، آپ کی رقت اور وارفتگی نے آہ و بکا کی شکل اختیار کر لی تھی، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھیں بھی اشکبار ہو گئی تھیں اور یوں ایک کہرام سا مچ گیا تھا (17)، آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے کہ مجھ پر رقت طاری ہو گئی تھی اور اپنی والدہ ماجدہ پر ترس آ گیا تھا اس لئے میں نے ان کے لئے رحمت کی بھی دعا مانگی! لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی پہلا اور آخری موقع نہ تھا، چنانچہ ابو القاسم سہیلی نے قاسم بن ثابت سرقسطی کی کتاب الدلائل کے حوالے سے لکھا ہے (18):

''وفی الحدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زار قبر اٰمنہ بالابواء فی الف مقنع فبکی واَبکی وھذا حدیث صحیح یعنی حدیث میں آیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک ہزار مسلح زرہ پوشوں کے ہمراہ ابواء میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی، آپ بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلا دیا، یہ حدیث صحیح ہے''۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آتے جاتے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر رکنا آپ کا معمول تھا اور یہ ایک بالکل قدرتی بات بھی ہے، اپنی عظیم القدر والدہ ماجدہ سے جو شفقت محبت اور پیار رحمۃ للعالمین ﷺ کو میسر آیا وہ یقیناً ناقابل فراموش سرمایہ تھا جسے لج پال مصطفیٰ ﷺ کبھی بھول نہیں سکتے تھے! اسی ماں نے تو حضور نبی اکرم ﷺ کی نظر میں ماں کا مرتبہ و مقام اس قدر بلند کر دیا تھا کہ جنت بھی ماں کے قدموں میں ہے اور اولاد کی طرف سے خدمت کی سب سے زیادہ حق دار بھی ماں ہی ہے! یہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا عورت پر اور خصوصاً امت مسلمہ بلکہ تمام انسانیت کی عورتوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ ان کی شفقت، رحمت اور محبت نے ہمارے نبی محتشم ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کو چار چاند لگا دیئے! کیوں نہ ہو آخر امن و سلامتی دینے والی ''آمنہ'' جو ہیں!

نبوت ورسالت کا نظام ربانی

(۱) البقرہ آیت 30-34، المؤمنون آیت 115

(۲) الذاریات آیت 26

(۳) الملک آیت 2

(۴) بقول عابد

چاند ستاروں سے کیا پوچھوں کب دن میرے پھرتے ہیں
یہ تو بچارے خود ہیں بھکاری تیرے ڈیرے پھرتے ہیں

(۵) کلیات ظفر علی خان صفحہ 273

(۶) البقرہ آیت 255

(۷) السیرۃ الحلبیہ جلد 1، صفحہ 72، الوفا، جلد 1، صفحہ 43

(۸) المدثر آیت 31

(۹) فاطر آیت 24

(۱۰) السیرۃ الحلبیہ، جلد 1، صفحہ 43، الوفا، جلد 1، صفحہ 312، سبل الہدیٰ، جلد 2، صفحہ 313

(۱۱) ایضاً

(۱۲) آل عمران آیت 81-82

(۱۳) السیرۃ الحلبیہ، جلد 1، صفحہ 44، سبل الہدیٰ، جلد 2، صفحہ 212، الوفا، جلد 1، صفحہ 44

(۱۴) الروض جلد 2، صفحہ 412، الوفا، جلد 1، صفحہ 277، السیرۃ الحلبیہ، جلد 1، صفحہ 45

(۱۵) ایضاً

(۱۶) الرعد آیت 28

(۱۷) الاعراف آیت 35

(۱۸) فاطر آیت 24

(۱۹) یونس آیت 47

(۲۰) المؤمنون آیت 44

(۲۱) النساء، آیت 164

(۲۲) الصافات آیات، 171-173

(۲۳) یونس آیت 103

(۲۴) ابراہیم آیت 13

(۲۵)

(۲۶)

(۲۷) الزخرف آیات 31-32

(۲۸) ایضاً

(۲۹) عقائد نسفی، صفحہ 93، النبراس صفحہ 174، عصمۃ الانبیاء، مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری مخطوط ورق 23 ب۔

(۳۰) یوسف آیت 24

یہ روشنی تو اب پھیل کر ہی رہے گی

(۱) سورت النور آیت 35

(۲) سورت الشوریٰ آیت 13

(۳) سورت الاعراف آیات 59-65-73-85

(۴) سورت الحجر آیت 9

(۵) کلیات اقبال اردو

(۶) کلیات ظفر علی خان صفحہ 273

(۷) التوبہ آیات 32-33، الفتح آیت 28، الصف آیات 8-9

(۸) سورت محمد آیت 4

(۹) لین پول تاریخ صفحہ 272

(۱۰) شرح دیوان حسان صفحہ 318، المثل السائر جلد 2، صفحہ 372

(۱۱) کلیات قاری صفحہ 2

(۱۲) کلیات فارسی صفحہ 122-123

(۱۳) گلستان سعدی صفحہ 707

(۱۴) THE ONE HUNDRED P: 14

(۱۵) المائدہ آیت 82

چار اولوالعزم انبیائے کرام کے آبائے عظام

(۱) لقمان آیت 14، الاحقاف آیت 15

(۲) کلیات اقبال اردو صفحہ 362

(۳) کتاب مقدس خروج باب 2 آیات 1-22

(۴) آل عمران آیت 59

(۵) عیون الاخبار جلد 3، صفحہ 72

(۶) مریم 26-34

(۷) سیرت حلبیہ، جلد 1، صفحہ 72

چار اولوالعزم انبیائے کرام کی عظیم و مقدس مائیں

(۱) قرآن کریم، سورت آل عمران آیت 81-82

(۲) ام النبی ﷺ بنت الشاطی (اردو ترجمہ) صفحہ 35

(۳) غوری صفحہ 16

(۴) بائبل، پیدائش باب، 18-21-22

(۵) غوری صفحہ 16-21

(۶) بائبل، پیدائش باب 21

(۷) بائبل، پیدائش باب 21

(۸) قصص القرآن، جلد 1، صفحہ 228

(۹) بائبل، پیدائش باب 21

(۱۰) ایضاً

(۱۱) قصص القرآن، جلد 1، صفحہ 211
(۱۲) ایضاً
(۱۳) بائبل، پیدائش باب 17
(۱۴) قصص القرآن، جلد 1، صفحہ 211
(۱۵) ایضاً
(۱۶) قرآن کریم، سورت مریم، آیت
(۱۷) ایضاً، سورت الصفت آیت
(۱۸) کلیات اقبال اردو صفحہ 273
(۱۹) قرآن کریم، سورت القصص آیات، 1-7
(۲۰) بائبل، ص 234، طبع لاہور، 2002ء
(۲۱) قرآن کریم، سورت القصص، آیت 2-14
(۲۲) قصص القرآن، جلد 1، صفحہ 370
(۲۳) قرآن کریم، سورت القصص، آیت 5
(۲۴) قرآن کریم، سورت القصص، آیت 7
(۲۵) قرآن کریم، سورت القصص، آیت 8
(۲۶) قرآن کریم، سورت القصص، آیت 9
(۲۷) المبرد، باب الخوارج صفحہ 523
(۲۸) قرآن کریم، سورت طٰہٰ آیت 39
(۲۹) ایضاً، سورت القصص آیت 10
(۳۰) بائبل باب 2
(۳۱) قرآن کریم، سورت القصص، آیت 11
(۳۲) الملل والنحل لابن حزم الظاہری، جلد 5، صفحہ 12-14
(۳۳) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ بائبل

(۳۴) قرآن کریم، المعجم المفہرس زیر مادہ
(۳۵) سورت آل عمران آیت 34-37
(۳۶) سورت آل عمران آیت 59
(۳۷) سورت آل عمران آیت 42-44
(۳۸) سورت آل عمران آیت 45-50
(۳۹) بائبل لوقا، ص 51، یوحنا صفحہ 81، طبع لاہور، اعلام قرآن صفحہ 592
(۴۰) اعلام قرآن صفحہ 591
(۴۱) قرآن کریم، سورت النساء، آیت 156
(۴۲) ایضاً، سورت التحریم آیت 11
(۴۳) سورت مریم آیت 28، قصص القرآن، جلد 4، صفحہ 15
(۴۴) سورت آل عمران آیت 36
(۴۵) سورت المومنون آیت 50
(۴۶) سورت مریم آیات 16-34
(۴۷) سورت تحریم آیت 12
(۴۸) اعلام قرآن صفحہ 587، قصص القرآن، جلد 4، صفحہ 41
(۴۹) سورت تحریم آیت 12
(۵۰) سورت الاعراف آیت 59-65-73-85
(۵۱) سورت الشوریٰ آیت 13
(۵۲) سورت آل عمران آیت 82-83
(۵۳) دلائل النبوۃ للبیہقی، صفحہ 273، السیرۃ الحلبیہ جلد 1، ص 113
(۵۴) ایضاً
(۵۵) ایضاً، طبقات، جلد 1، صفحہ 102
(۵۶) طبقات، جلد 1، صفحہ 98

(۵۷) طبقات، جلد 1، صفحہ 98، الوفا باحوال المصطفیٰ، جلد 1، صفحہ 50

(۵۸) طبقات، جلد 1، صفحہ 98، الروض الانف، جلد 1، صفحہ 105

(۵۹) طبقات، جلد 1، صفحہ 98، الروض الانف، جلد 1، صفحہ 105

(۶۰) الوفا باحوال المصطفیٰ، جلد 1، صفحہ 50

(۶۱) الوفا باحوال المصطفیٰ، جلد 1، صفحہ 50

(۶۲) الوفا باحوال المصطفیٰ، جلد 1، صفحہ 50

(۶۳) الوفا باحوال المصطفیٰ، جلد 1، صفحہ 46-67

(۶۴) طبقات، جلد 1، صفحہ 113

(۶۵) طبقات، جلد 1، صفحہ 113، السیرۃ الحلبیہ، جلد 1، صفحہ 223

(۶۶) ایضاً

(۶۷) غوری صفحہ 38

(۶۸) سورت البقرہ آیت 129

(۶۹) الوفا باحوال المصطفیٰ، جلد 1، صفحہ 36

(۷۰) بائبل صفحہ 20 طبع لاہور 2002ء

(۷۱) ایضاً صفحہ 201

(۷۲) سورت الصف آیت 6

(۷۳) الوفا باحوال المصطفیٰ، جلد 1، صفحہ 36-52

(۷۴) ایضاً

(۷۵) بائبل طبع لاہور 2002ء

طہارت و شرافت کا سنگم: بنوزہرہ اور بنو ہاشم کا ملاپ

(۱) دیوان ابن الرومی صفحہ 273

(۲) جمہرۃ انساب العرب صفحہ 14-15، سبل الہدیٰ، جلد 1، صفحہ 315، ابن سعد، جلد 1 صفحہ 75، الطبری، جلد 1، صفحہ 502، الروض الانف، جلد 1 صفحہ 77، صفۃ الصفوۃ، جلد 1 صفحہ 46

(۳) ایضاً

(۴) ایضاً

(۵) ایضاً

(۶) جمہرۃ انساب العرب صفحہ 14-15، سبل الہدی، جلد 1، صفحہ 315، ابن سعد، جلد 1 صفحہ 75، الطبری، جلد 1، صفحہ 502، الروض الانف، جلد 1 صفحہ 77، صفۃ الصفوۃ، جلد 1 صفحہ 46، للسیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، صفحہ 46۔ المواہب، جلد 1 صفحہ 116-145

(۷) ایضاً

(۸) ایضاً

(۹) ایضاً

(۱۰) ایضاً

(۱۱) جمہرۃ انساب العرب صفحہ 14-15، سبل الہدی، جلد 1، صفحہ 315، ابن سعد، جلد 1 صفحہ 75، الطبری، جلد 1، صفحہ 502، الروض الانف، جلد 1 صفحہ 77، صفۃ الصفوۃ، جلد 1 صفحہ 46، الوفا لابن الجوزی، جلد 1 صفحہ 24-45

(۱۲) جمہرۃ انساب العرب صفحہ 14-15، سبل الہدی، جلد 1، صفحہ 315، ابن سعد، جلد 1 صفحہ 75، الطبری، جلد 1، صفحہ 502، الروض الانف، جلد 1 صفحہ 77، صفۃ الصفوۃ، جلد 1 صفحہ 46، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، صفحہ 111-154، المواہب، جلد 1 صفحہ 135-144

(۱۳) ایضاً

(۱۴) سبل الہدی، جلد 1، صفحہ 267-286۔ ابن سعد، جلد 1، صفحہ 55-92، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، صفحہ 46-45، المواہب، جلد 1، صفحہ 135-144، الطبری، جلد 1، صفحہ 501، جمہرۃ انساب العرب صفحہ 14-16-148-168، الوفاء، جلد 1، صفحہ 44

(۱۵) ایضاً

(۱۶) ایضاً، تاج العروس (زہر)

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ایضاً

(۱۹) ایضاً

اطیب الآباء سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ

(۱) جمہرۃ انساب العرب، صفحہ 14-15، الطبری، ب جلد 1، صفحہ 501-519، الکامل، جلد 2، صفحہ 273، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، صفحہ 6

(۲) جمہرۃ انساب العرب، صفحہ 14-15، الطبری، ب جلد 1، صفحہ 501-519، الکامل، جلد 2، صفحہ 273، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، صفحہ 6، وسیرۃ ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 112-113

(۳) جمہرۃ انساب العرب، صفحہ 14-15، الطبری، ب جلد 1، صفحہ 501-519، الکامل، جلد 2، صفحہ 273، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، صفحہ 6، وسیرۃ ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 112-113، و سبل الہدی، جلد 1 صفحہ 288

(۴) الروض الانف، جلد 1 صفحہ 103

(۵) الطبری، جلد 1، صفحہ 501، الکامل، جلد 2، صفحہ 273، ابن خلدون، جلد 1، صفحہ 507، البدایۃ، جلد 1 صفحہ 313

(۶) السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، صفحہ 6

(۷) الوفا، جلد 1، صفحہ 41، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1 صفحہ 52، سبل الہدی، جلد 2، صفحہ 287

(۸) ایضاً

(۹) ایضاً

(۱۰) ایضاً

(۱۱) ایضاً

(۱۲) ایضاً

(۱۳) ایضاً

(۱۴) ایضاً

(۱۵) جمہرۃ انساب اعرب صفحہ 14-15

(۱۶) سبل الہدیٰ، جلد 2، صفحہ 287

(۱۷) الطبری، جلد 1، صفحہ 501، البدایہ، جلد 1 صفحہ 313

(۱۸) السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، صفحہ 6-47

(۱۹) السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، صفحہ 6-47، ابن سعد، جلد 1، صفحہ 86

(۲۰) ایضاً

(۲۱) بوستان صفحہ 153

(۲۲) ابن سعد، جلد 1 صفحہ 86

(۲۳) جمہرۃ انساب العرب ص 128

(۲۴) سبل الہدیٰ، جلد 1 صفحہ 315

انسانی تاریخ کی خوش نصیب ترین ماں

(۱) اذا أراد الله شيئا هيأله الأسباب!

(۲) سورت الانعام آیت 59

(۳) کلیات اقبال اردو ص

(۴) الروض الأنف جلد 1، صفحہ 78 سبل الہدیٰ، جلد 3 صفحہ 237، معجم البلدان زیر مادہ ''ابوا''

(۵) ازالۃ الخفاء صفحہ 543

(۶) قصص الانبیاء، جلد 3، صفحہ 275

در یتیم کی والدہ ماجدہ بے مثال ممتا

(۱) سورت الاعراف آیت 157

(۲) کلیات اقبال فارسی 473

(۳) ایضاً

(۴) ابن سعد جلد 1، صفحہ 107، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، 86، المواہب جلد 1، صفحہ 216، سبل الہدیٰ، جلد 2، صفحہ 409

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً

(۷) ایضاً

(۸) ابن سعد جلد 1، صفحہ 107، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، 86، المواہب جلد 1، صفحہ 216، سبل الہدیٰ، جلد 2، صفحہ 409

(۹) ایضاً

(۱۰) ایضاً

(۱۱) ایضاً

(۱۲) ایضاً

(۱۳) ایضاً

(۱۴) ایضاً

(۱۵) ابن سعد جلد 1، صفحہ 107، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، 86، المواہب جلد 1، صفحہ 216، سبل الہدیٰ، جلد 2، صفحہ 409

(۱۶) ایضاً

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ایضاً

(۱۹) ایضاً

(۲۰) ابن سعد جلد 1، صفحہ 107، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، 86، المواہب جلد 1، صفحہ 216، سبل الہدیٰ، جلد 2، صفحہ 409، سیدہ آمنہ صفحہ 101-107

(۲۱) ابن سعد جلد 1، صفحہ 107، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، 86، المواہب جلد 1، صفحہ 216، سبل الہدیٰ، جلد 2، صفحہ 409، سیدہ آمنہ صفحہ 101-107

سیدہ آمنہ مومنہ سلام اللہ علیہا

(۱) سیرت نبوی کا ایک اہم گوشہ: دار ارقم تاریخ کے آئینے میں" انعام یافتہ کتاب ہے جو 1996ء میں "جنگ پبلی کیشنز لاہور" نے شائع کی، دیکھئے مقدمہ

(۲) ابن سعد، جلد 1، صفحہ 37، المواہب، جلد 1، صفحہ 82-116

(۳) سورہ مریم آیت 43، الانعام آیت 74

(۴) الوفا، جلد 1، صفحہ 45

(۵) المواہب، جلد 1، صفحہ 86، سبل الہدیٰ، جلد 1، صفحہ 288، السیرۃ الحلبیۃ جلد 1، صفحہ 87

(۶) الوفا جلد 1 صفحہ 48

(۷) سورہ توبہ آیت 113

(۸) ایضاً آیت 84

(۹) ابن سعد جلد 1، صفحہ 45

(۱۰) سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا صفحہ 133

(۱۱) السیرۃ جلد 10، صفحہ 255

(۱۲) السبل الجلیۃ صفحہ 12

(۱۳) البقرہ آیت 286

(۱۴) الروض الانف، جلد 1، صفحہ 99

امہات رسول اللہ ﷺ

(۱) سبل الہدیٰ جلد 1، صفحہ 457-462، ابن ہشام صفحہ 78، الروض الانف، جلد 1، صفحہ 78-79، المواہب، جلد 1، صفحہ 278-284، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1 صفحہ 138-171، ابن سعد جلد 1 صفحہ 59-103

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً

(۴) ایضاً

(۵) سبل الہدیٰ جلد 1، صفحہ 457-462، ابن ہشام صفحہ 78، الروض الانف، جلد 1، صفحہ 78-79، المواہب ، جلد 1، صفحہ 278-284، السیرۃ الحلبیۃ ، جلد 1 صفحہ 138-171، ابن سعد، جلد 1 صفحہ 59-103

(۶) ایضاً

(۷) ایضاً

(۸) ایضاً

(۹) ایضاً

(۱۰) سبل الہدی جلد1، صفحہ 457-462، ابن ہشام صفحہ 78، الروض الانف، جلد1، صفحہ 78-79، المواہب، جلد1، صفحہ 278-284، السیرۃ الحلبیۃ، جلد1 صفحہ 138-171، ابن سعد، جلد1 صفحہ 59-103، الشفاء، جلد1، صفحہ 75

(۱۱) سورۂ والضحیٰ آیت 11

(۱۲) سبل الہدی، ب جلد1 صفحہ 457-462، ابن سعد، جلد1 صفحہ 59-103، السیرۃ الحلبیہ، جلد1، صفحہ 138-171۔

(۱۳) سبل الہدی، ب جلد1 صفحہ 457-462، ابن سعد، جلد1 صفحہ 59-103، السیرۃ الحلبیہ، جلد1، صفحہ 138-171۔ السورۃ الانعام آیت 124، الزخرف آیت 31-32

(۱۴) ایضاً

شعراء کا نذرانہ عقیدت، سیدہ آمنہ کے حضور میں

(۱) سورہ بنی اسرائیل: 23-24

(۲) سورہ مریم: 31-32

(۳) سورۃ بقرہ: 215

(۴) سورۂ عنکبوت: 8

(۵) سورۃ لقمان: 14

(۶) سورہ احقاف: 14

(۷) البخاری (59v2-09v1

(۸) ایضاً

(۹) حلیۃ الاولیاء، جلد2، صفحہ 9، الاصابۃ، جلد1، صفحہ 115-117، الطبری، جلد3، صفحہ 247

(۱۰) ایضاً

(۱۱) البخاری (۳)

سیدہ آمنہ اور ممتا کا مقام بلند

(۱) ابن سعد، جلد1، صفحہ116-117، صفۃ الصفوۃ، جلد1 صفحہ64، ابن ہشام جلد1 صفحہ113، الروض الانف ، جلد1، صفحہ113، سبل الہدی والرشاد، جلد2، صفحہ163-174، ابن کثیر، جلد1، صفحہ236، دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ119-125، المواہب جلد1 صفحہ307-368، الزرقانی، جلد1، صفحہ307-168

(۲) ابن سعد، جلد1، صفحہ116-117

(۳) زرقانی، جلد1، صفحہ307-370

(۴) ایضاً

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً

(۷) سورۃ الطور:48

(۸) معجم البلدان للیاقوت الحموی، جلد1 صفحہ179

(۹) معجم البلدان للیاقوت الحموی، جلد1 صفحہ179، الکامل لابن الاثیر، جلد2، صفحہ127

(۱۰) شرح المواہب، جلد1 صفحہ307-370

(۱۱) ابن سعد، جلد1، صفحہ101-117

(۱۲) سیدہ آمنہ صفحہ125-145

(۱۳) المواہب، جلد1 صفحہ307-370

(۱۴) ایضاً (۱۵) ایضاً (۱۶) ایضاً

(۱۷) سیدہ آمنہ صفحہ125-145

(۱۸) الروض الانف، جلد1 صفحہ113

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

کی شہرۂ آفاق تفسیر کا جدید، سلیس، دلکش، دلآویز اردو ترجمہ

ادارہ ضیاء المصنفین

بھیرہ شریف کی زیر نگرانی

مرکزی دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے علماء کی ایک نئی کاوش

تفسیر در منثور 6 جلد

زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور